الآل والاصحاب

حصہ دوم

اہل بیت طاہرینؑ کے ساتھ صحابۂ کرام کا سلوک، واقعہ کربلا تک کتنے صحابہ موجود تھے اور کتنے اقتدار کے مالک تھے اگر وہ صحابہ امام مظلوم کی مدد کرتے تو کیا ممکن تھا امام مظلوم اس ظلم سے شہید کیے جاتے

مصنفہ

حضرت حجۃ الاسلام مولانا آقا ابو سید علی اظہر صاحب طاب ثراہ

مطبوعہ

دوسرا ایڈیشن — مطبع اصلاح کھجوا ضلع سارن (بہار) — قیمت عہ

باسمہ سبحانہ

ہمارا مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ امام حسینؑ ان صحابہ کے حالات سے بخوبی واقف تھے جس کی وجہ سے کسی طرح بھی آپ ان صحابہ پر جو مدینہ منورہ میں موجود تھے اور جن کے کفر و نفاق کو خداوند عالم نے نہایت وضاحت سے سیکڑوں قرآنی آیتوں میں ظاہر کر دیا تھا اور پیغمبر خدا نے بھی اپنی بے شمار حدیثوں سے انکے ارتداد، احداث اور کفر و نفاق کی وضاحت کر دی تھی اعتماد نہیں کر سکتے تھے، ان صحابہ نے اہل بیت طاہرین کے ساتھ جو سلوک کیا وہ امام مظلوم دیکھ چکے تھے خلفائے ثلاثہ کے ساتھ جو برتاؤ رہا وہ بھی آپکے پیش نظر تھا کہ خود ہی تو ان لوگوں نے انھیں خلیفہ بنایا تاکہ اہل بیت رسولؐ محروم رہیں اور خود ہی اُن کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ وہ مرتے دم تک نالاں رہے۔

اب آیئے ان صحابہ کو دیکھئے جو امام مظلوم کی روانگی کوفہ کے وقت موجود تھے کہ اُنھوں نے کس کس طرح ان آیات و احادیث کی تصدیق کی جسکے بعد پھر اس میں کوئی شبہ ہی نہیں باقی رہتا کہ اگر امام مظلوم ان صحابہ پر اعتماد کرتے تو اس سے زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوتے اور وہ مطلب حاصل ہوتا جسکے لیے حضرتؑ نے شہادت قبول کی۔

مگر قبل اسکے کہ ہم صحابہ کے حالات بیان کریں اجمالی تعداد اُن کی معلوم کر لینا چاہیئے جس سے خود بخود واضح ہو جائیگا کہ وہ نصرت امام مظلوم سے پہلو تہی کر کے کس عذاب میں مبتلا ہوئے۔ علامہ ابو الفدار لکھتے ہیں:۔

> مسلم بن عقبہ سپہ سالار لشکر یزید نے عام حکم دیدیا کہ تین روز تک مدینہ نبی غارت کیا جائے جسکی وجہ سے قتل عام ہوتا رہتا اور جو کچھ مال ملتا لوٹ لیتے اور عورتوں کے ساتھ فسق و فجور کرتے۔ زہری سے روایت ہے کہ واقعہ حرّہ میں سات سو معززین قریش و انصار قتل ہوئے اور دس ہزار بزرگان موالی وغیرہ سے۔ یہ واقعہ ۲۷ ذی الحجہ ۶۳ھ کا ہے اسکے بعد مسلم نے سب سے بیعت لی بایں مظلوم کہ سب یزید بن معاویہ کے غلام اور بندے ہیں۔
>
> (تاریخ ابو الفدار جلد اول ص ۱۹۲)

اس عبارت سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب ۶۳ھ میں اتنے صحابہ مہاجرین و انصار سے موجود تھے تو واقعہ کربلا کے وقت جو ۶۱ھ کا واقعہ ہے کتنے صحابہ موجود رہے ہوں گے کیونکہ دو برس میں نہ معلوم کتنے مرے ہونگے تو کیا یہ صحابہ کسی طرح بھی مومن کہے جا سکتے ہیں جن کی موجودگی میں فرزند رسولؐ اس بیکسی و غربت سے شہید کیا گیا اور نہ کسی کو اس وقت جوش آیا نہ بعد میں جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ امام مظلوم کامل ۵ مہینے مکہ میں مقیم رہے اور سب پر اتمام حجت کرتے رہے کہ یہ خلافت ناجائز ہے اور سب کے سامنے آپنے مکہ معظمہ سے عراق کا قصد کیا تاکہ کسی پر حق مشتبہ نہ رہ جائے سبھی جان لیں کہ اس ناجائز خلافت کو توڑنے میں کوشش کرنا حج سے زیادہ ضروری ہے۔

اگرچہ امام مظلوم نے عین بروز ترویہ جس روز کہ حج شروع ہوتا ہے اس وجہ سے سفر عراق کیا کہ آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یزید آپ کو عین خانہ کعبہ میں شہید کرنا چاہتا ہے جس سے حرمت خانہ کعبہ ضائع ہو گی مگر نبی یا امام کا ہر فعل

ہزاروں مصلحت پر مبنی ہوتا ہے لہذا یہ مصلحت بھی تھی کہ تمام مسلمانوں کو جو حج کے لیئے آئے ہوئے ہیں معلوم ہو جائے کہ اسلام کی حمایت اور ظلم ظالم کا دفع کرنا بزرگترین واجبات سے ہے۔

مگر کہاں تھا کوئی مسلمان کہاں تھا کوئی مومن؟ حج کے لیئے آنے والوں میں ہزاروں صحابہ تھے مگر کسی کو اسکی توفیق نہ ہوئی کہ دین کی نصرت کرے۔ اور حمایت دین میں سینہ سپر ہو۔

تاریخ کامل میں امام مظلوم کا وہ خطبہ ملاحظہ فرمائیے جو آپ نے مقام بیضہ پر حر اور اُن کے ساتھیوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے:۔

"اے لوگو! پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظالم، حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال سمجھنے والا۔ عہد و پیمان الٰہی کو توڑنے والا سنت خدا کا مخالف اور بندگان خدا سے ظلم و جور کا برتاؤ کرنے والا ہو اور اُسے دیکھنے کے بعد نہ تو قول سے اسکی مخالفت کرے نہ فعل سے تو خداوند عالم پر فرض ہو گا کہ جو اس بادشاہ کا ٹھکانا ہو (یعنی جہنم) وہی اس کا بھی ٹھکانا قرار دے۔ دیکھو یہ لوگ (یعنی بنی اُمیہ) اُنھوں نے شیطان کی اطاعت اپنے لیئے لازم کر لی ہے اور خدا کی اطاعت سے منحرف ہو چکے ہیں اُنھوں نے فساد پھیلایا حدود الٰہی معطل کر دیئے خراج سلطنت کو اپنا خاص مال قرار دے لیا حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کیا ہے اور میں اُن کے خلاف آواز بلند کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ مجھے پیغمبرؐ سے قرابت کا شرف حاصل ہے۔ میرے پاس تمھارے خطوط پہنچے اور تمھارے قاصد یہ پیغام لے کر آئے کہ تم نے میری بیعت کی ہے اور یہ کہ تم مجھے تنہا نہ چھوڑو گے اور نہ ترک نصرت کرو گے۔ پس اگر تم نے جو میری بیعت کی ہے اس میں وفاداری سے کام لیا تو فائدہ میں رہو گے۔ میں حسینؑ ہوں علیؑ کا فرزند فاطمہ بنت پیغمبرؐ کا لال۔ میری جان تمھاری جان کے ساتھ ہے میرے اہل و عیال تمھارے اہل و عیال کے ساتھ ہیں اور تمھیں ہر حال میں میرا شریک رہنا ہو گا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور سابق میں جو عہد و پیمان تم نے کیئے ہیں انھیں توڑ ڈالا اور میری بیعت سے پھر گئے تو یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں یہی سلوک تم میرے باپ میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے مسلم بن عقیل کے ساتھ کر چکے ہو۔ دھوکا کھانے والا وہی ہے جو تمھارے دھوکے میں آ جائے۔ تم نے اپنے فائدہ پر لات ماردی اپنے نصیب کو ضائع کر دیا اور جس نے عہد و پیمان کو شکستہ کیا اُس نے اپنے ہی کو نقصان پہونچایا اور عنقریب خدا تم سے بے نیاز کر دے گا۔ تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو۔"

اس خطبہ کو سنکر حُر نے کہا:۔

ہم آپ کو آپکے نفس کے بارے میں خدا کو یاد دلاتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ اگر آپ نے جنگ کی تو ضرور قتل کیئے جائینگے۔

امام مظلوم نے فرمایا:۔

"کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو اور کیا تم لوگ میرا قتل کر کے ہلاکت سے بچ رہو گے ہم نہیں جانتے

اقول یہ تحقیقات سب سے نرالی ہے کہ منافق اپنے کو شیعہ علی کہیں حالانکہ خود صحیح مسلم وغیرہ صحاح میں ہے:۔

انا کنا نعرف المنافقین ببغض علی ابن ابی طالبؑ — منافق کی شناخت اسی سے ہوتی تھی کہ وہ دشمن علیؑ تھے۔

پھر یہ کلام آپ کا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ "وہ منافقوں کا ایک گروہ تھا جو اپنے کو شیعہ علیؑ کہتا تھا" کیونکہ اگر صحیح مسلم کی حدیث صحیح ہو آپکا کلام غلط ہے اور اگر آپ سچے ہیں تو وہ غلط۔

خود مترجم صاحب تذکرہ اسود میں اس کے قبل لکھ چکے ہیں: "شیعیان علی سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت علیؑ کا ساتھ دیا تھا اور انکے ساتھ ہو کے ان کے مخالفین سے لڑتے تھے جو تمام تر اہلسنت کے عقائد رکھتے تھے گو یہ لفظ یعنی شیعہ اب زیادہ تر مخالفین اہلسنت پر اطلاق پاتا ہے مگر زمانہ قدیم میں اہلسنت ہی کے لئے یہ لفظ مستعمل ہوتا تھا اور باعتبار لغت کے یہ لفظ بالکل عام ہے جو شخص کسی کے گروہ میں ہو ہم اسکو اس کا شیعہ کہتے ہیں اسی معنی کے لحاظ سے خود قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کو نوح علیہ السلام کا شیعہ فرمایا ہے (ص ۱۱۱)

کیوں صاحب وہاں بھی اسی بسر بن ارطاۃ کا ذکر تھا کہ معاویہ نے قتل شیعیان علیؑ کے لئے اسے بھیجا تھا جس پر آپنے شیعہ کی یہ تعریف کی کہ وہ قدمائے اہلسنت تھے اور وہ ہمراہیان جناب امیرؑ سے تھے یہاں آکر کیا ہو گیا جو شیعہ کا خطاب منافقوں کو عنایت کیا گیا ہاں اگر یہ مطلب ہو کہ وہی منافق قدمائے اہلسنت تھے تو یہ دوسری بات ہے مگر وہ تو کسی زمانہ میں بھی شیعہ نہیں کہے گئے کیونکہ شیعہ اور منافق میں تو وہی نسبت ہے جو روز اور شب میں ہوتی ہے کہ دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

بہر حال اڈیٹر صاحب النجم کا یہ کہنا کہ معاویہ کا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کو قتل کریں جو شریک قتل عثمان ہوئے محض غلط ہے کیونکہ خود تاریخ کامل میں ہے۔ (ص ۱۵۳ جلد ۵)

کہ بسر بن ارطاۃ جب داخل مدینہ ہوا تو منبر پر جا کر آواز دی۔ یا دینار۔ یا نجار یا زریق یہ تین قبیلے تھے جن سے انکو رشتۂ قرابت تھا اُسکے بعد کہا ہمارا شیخ یعنی عثمانؓ کہاں ہے اگر معاویہ نے اس کا عہد نہ لیا ہوتا تو ہم مدینہ میں ایک جوان کو بھی زندہ نہ چھوڑتے" جس سے معلوم ہوا کہ باشندگان مدینہ قاتلان عثمان سے تھے مگر بسر نے اُن سب کو چھوڑ دیا۔

رہا واقعہ شہادت فرزندان عبید اللہ بن عباس تو تاریخ کامل میں اسطرح ہے:۔

کہ بسر مدینہ سے جانب مکہ روانہ ہوا تو ابو موسیٰ اشعری اُسکے خوف سے بھاگ گئے اس کے بعد جانب یمن روانہ ہوا۔ عبید اللہ بن عباس وہاں کے عامل تھے وہ بھاگ کر جناب امیرؑ کے پاس آئے اور عبید اللہ بن عبد المدان حارثی کو اپنا نائب کیا بسر نے جا کر انھیں قتل کیا اور انکے بیٹے کو گرفتار کر لیا اور دونوں فرزندان عبید اللہ بن عباس کو جو کمسن تھے اُن کا نام عبد الرحمان اور قثم تھا اور وہ دونوں ایک شخص کے پاس تھے جو قبیلہ کنانہ سے تھا اور صحرا میں رہا کرتا تھا جب بسر نے ان لڑکوں کو گرفتار کیا اور چاہا کہ قتل کریں تو اس کنانی نے کہا انکو کیوں قتل کرتا ہے حالانکہ دونوں بے قصور ہیں اور اگر تو انکو قتل کرتا ہے تو مجھکو بھی قتل کر ڈال چنانچہ بسر نے اسکو بھی قتل کیا۔

تمہارا کیا جواب دیں۔ ہم وہی کہتے ہیں جو اس صحابی نے جسے اس کے ابن عم نے نصرت رسول کو جانے سے روکا تھا۔
کہ نہیں ڈر ہے کہیں تم ارے نہ جاؤ کہا تھا سے

میں جلدی ہی جاؤں گا موت جواں مرد کے لیے کوئی عار نہیں جب وہ بھلائی کی نیت کرے اور حالت
اسلام میں جہاد کرے اور صالحین سے مواسات کرے اپنے نفس کے ساتھ اور امر قبیح و زشت کو ترک کرے۔
اگر میں زندہ رہا تو کبھی نادم نہ ہوں گا اور اگر مرگیا تو پھر کسی طرح کی تکلیف نہ ہوگی۔ اور تیری ذلت
کے لیے یہی کافی ہے کہ زندہ رہے اور ناک تیری رگڑی جائے۔

طرہ تو یہ ہے کہ سات سو معززین مہاجرین و انصار اور دس ہزار دوسرے قسم کے صحابہ جو واقعہ حرا میں مارے
گئے وہ بھی یزید کی بیعت توڑتے ہی کی وجہ سے مارے گئے تھے مگر ان کا بیعت یزید کو توڑنا حمایت دین کے جذبہ کے
تحت تھا نہ نصرت اسلام کی غرض سے بلکہ صرف اپنے ذاتی اغراض سے اُنھوں نے اسکی بیعت توڑی تھی جسکی وجہ سے وہ
آیۂ قرآنی فما بکت علیھم السّماء والارض کے مصداق ٹھہرے کہ نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین روئی اگر
یہی صحابہ بہمراہی امام مظلوم جہاد کرتے تو ہر طرح سے فائدہ میں رہتے اگر شہادت پاتے تو صحابہ پر یہ الزام نہ آتا کہ
اُنھوں نے اپنے نبی کے فرزند کی حمایت نہ کی اسلام کی حمایت و نصرت میں بخل کیا اگر مظفر و منصور ہوتے تو ہر طرح اسلام کی فتح تھی
مگر خداوند عالم نے جو ان صحابہ کی مذمت میں فرمایا تھا۔

یاایّھا الذین امنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض
ارضیتم بالحیٰوۃ الدنیا من الاٰخرۃ فما متاع الحیٰوۃ الدنیا الّا قلیل الّا تنفروا یعذبکم
عذابًا الیمًا ویستبدل قومًا غیرکم ولا تضروہ شیئًا واللہ علیٰ کل شیئٍ قدیر۔

(سورہ توبہ پ۱۰ رکوع ۱۱)

اے وہ لوگ جو ایمان لائے کیا ہوگیا ہے تم کو کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ جہاد کے لیے نکلو تو زمین پر بوجھل ہو کر
گرے جاتے ہو کیا بمقابلہ نعمات آخرت تم دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو حالانکہ بہ نسبت متاع آخرت متاع دنیا
تو بہت کم ہے اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو تم پر دردناک عذاب ہوگا اور خدا تمھارے بدلے دوسری قوم لائے گا اور
تم خدا کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اس آیۂ مبارکہ نے بتا دیا کہ خود عہد رسول میں صحابہ کی کیا حالت تھی کہ جب اُن سے پیغمبرؐ فرماتے تھے جہاد کے لیے
نکلو تو وہ زمین پر بوجھل ہو کر گر پڑتے تھے پھر بھلا یہ لوگ فرزند رسولؐ کی کیا مدد کرتے۔
یہی سبب تھا کہ امام مظلوم پانچ مہینہ تک حرم خانۂ خدا میں اس خلافت باطلہ سے اپنی مخالفت کا اعلان فرماتے
رہے مگر ان ایمان دار صحابہ میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں نکلا جو نصرت دین الٰہی کے لیے نکلتا اور کسی کو اسکی غیرت نہ آئی
کہ فرزند رسول ناحق قتل ہوگا اسکی حمایت کرنی چاہیے۔
پھر خداوند عالم سورہ احزاب میں فرماتا ہے۔

ولو دخلت علیھم من اقطارھا ثم سئلوا الفتنۃ لاتوھا وما تلبثوا بھا الا یسیرا ولقد کانوا عاھدوا اللہ من قبل لا یولون الادبار وکان عھد اللہ مسئولا قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل واذا لا تمتعون الا قلیلا

اگر فوجیں ان پر اطراف مدینہ سے چڑھ دوڑیں پھر ان سے خانہ جنگی چاہی جائے تو فوراً لپک پڑیں گے اور اسکے بعد بہت ہی کم توقف کرینگے حالانکہ پہلے خدا سے اقرار کرچکے ہیں کہ پیٹھ نہ پھیرینگے اور خدا سے جو عہد کیا ہے اس کا ضرور سوال ہوگا۔ اے محمد ان سے کہہ دو کہ اگر تم مرنے مارنے سے فرار کرتے ہوتے ہو تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور فائدہ اٹھاؤ گے بھی تو بہت کم۔

ان آیات پر غور کیجئے اور اسکے بعد صحابہ کے حالات کا جائزہ لیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ صحابہ کیسے مومن تھے کیونکہ جب خود رسول اللہ یا فرزند رسول اُن کو جہاد کے لیے بلاتا تو اثاقلتم الی الارض کا مصداق بن جاتے کہ کسی طرح اُٹھتے ہی نہیں بوجھل ہو کر زمین پر گرے پڑتے اور جب فتنہ وفساد اور باہمی خانہ جنگی ہوتی تو بمصداق ارشاد الٰہی لاتوھا ولا تلبثوا بھا الا یسیرا دوڑے چلے جاتے اور ذرا بھی توقف نہیں کرتے کیونکہ فرزند رسول کی نصرت کے لیے تو ایک صحابی نہ نکلا اور دو ہی برس بعد خود یزید کی مخالفت میں اس طرح نکلے کہ سات سو اکابر مہاجرین و انصار مارے گئے اور دس ہزار دوسرے قسم کے صحابہ جو مہاجر و انصار نہ تھے وہ مقتول ہوئے کیا اس پر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ مسلمان تھے یا مومن حاشا وکلا یہ تو یعذبھم عذابا الیما کے مصداق تھے جن پر خدا نے اپنا دردناک عذاب نازل کیا اور سب واقعہ حرہ میں مارے گئے۔ خود رسول خدا اسکی خبر دے چکے تھے۔

اُمت تو ایں فرزند دلبند ترا خواہند کشت عوض آں ہفتاد ہزار کس خواہم کشت۔ (وسیلۃ النجات)

خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو بذریعہ وحی مطلع کیا کہ تمھاری اُمت تمھارے اس پیارے فرزند کو قتل کر ڈالے گی اور میں تمھارے فرزند کے عوض ستر ہزار آدمیوں کو قتل کروں گا۔

ان ستر ہزار میں سے دس ہزار سات سو کا پتہ تو مل گیا جو صرف صحابی تھے اور خون ناحق امام حسینؑ کے بدلے میں مارے گئے (کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں ہے)۔

ذکروا انہ قتل یوم الحرہ من اصحاب النبیؐ ثمانون رجلاً ولم یبق بدری بعد ذالک الیوم

یعنی واقعہ حرہ میں اسّی صحابی ایسے مارے گئے جو غزوہ بدر میں پیغمبرؐ کے ساتھ شریک رہ چکے تھے ان کے بعد پھر کوئی بدری نہ رہا۔

یہ اصحاب بدر وہ ہیں جن کی تعریف میں اہلسنت نے مدح وستائش کے پل باندھے یہ حدیث ان کے بارے میں شدومد سے بیان کی جاتی ہے کہ خداوند عالم نے اہل بدر پر نظر کرکے فرمایا اعملوا ما شئتم اب جو چاہو کرو خدا نے تم کو ہمیشہ

کے لیے بخش دیا مگر حقیقت سب کی یہی تھی کہ ارضیتم بالحیٰوۃ الدنیا کہ کیا تم زندگانی دنیا پر راضی ہو گئے!

ایک معمولی عقل کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ بدری صحابہ، یہ مہاجرین و انصار امام مظلوم کے ساتھ معرکۂ کربلا میں شریک رہتے تو اولاً جنگ ہی نہ ہوتی کیونکہ تمام مسلمان کے ذہن میں صحابہ کی عظمت راسخ تھی اگر وہ لوگ حضرتؑ کے ساتھ ہوتے تو پھر کسی کو آپ سے جنگ کی جرأت نہ ہوتی اور اگر جنگ ہوتی بھی تو حضرت مظفر و منصور ہوتے کیونکہ ۷۲ رفقا آپکے ساتھ تھے ۸۰ بدری صحابہ ہوتے ۷۰۰ معززین مہاجر و انصار دس ہزار دیگر قسم کے صحابہ جن کے شمول سے فتح یقینی تھی اگر اس پر بھی فتح نہ ہوتی تو کم سے کم ان مصائب کا تو یقیناً سامنا نہ ہوتا جن کا اعوان و انصار کی کمی کے سبب کرنا پڑا۔

دیکھیے امام مظلوم نے لشکر حر کے سامنے جو تقریر فرمائی تھی کہ ان لوگوں نے خدا کی اطاعت کے مقابلہ میں شیطان کی اطاعت قبول کی حدود خدا کو معطل کیا مال غنیمت کو اپنا مال قرار دیا حرام خدا کو حلال اور حلال خدا کو حرام کیا اسکی کیسی تصدیق ہوئی کہ خود مدینۂ رسولؐ میں صحابہ و تابعین سے جو بیعت یزیدی گئی تو اس طرح کہ،

"وہ سب یزید کے غلام اور بندے ہیں انھیں بیچ دے یا جو چاہے کرے"

یہ ہے نتیجہ ترک نصرت امام حسینؑ کا بروایت ابن قتیبہ سترہ سو صحابی مہاجرین و انصار سے اور دس ہزار صحابہ غیر مہاجرین و انصار سے اس واقعہ میں مارے گئے اور جو بچے وہ اس ذلیل زندگی میں رہے کہ یزید کے غلام بنے۔

یہ وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جس کو حضرت سیدالشہداءؑ نے عین معرکۂ کربلا میں فرمایا تھا۔

لا واللہ ولا اعطیھم بیدی عطاء الذلیل ولا اقرا قرار العبید۔

قسم بخدا ہم ذلیل ہو کر اس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینگے۔ نہ غلاموں جیسا اقرار کرینگے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۶)

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت کس طرح کی آزادی و حرّیت کی تعلیم دے رہے ہیں اور اسکی پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ جو زندگی کی تمنا میں خلافت یزید کو مانے گا وہ غلام بن کر رہے گا۔

نہیں نہیں اس امر کا یقین صحابہ کو بھی تھا چنانچہ جب امام حسینؑ نے مدینہ سے قصد مکہ فرمایا ہے تو عبداللہ بن مطیع صحابی حاضر خدمت ہوئے اور کہا ہم آپ پر فدا ہوں کہاں کا قصد ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا ابھی تو مکہ کا عزم ہے پھر وہاں استخارہ کرینگے جہاں کا حکم ہوگا۔

عبداللہ بن مطیع۔ خدا امر خیر کو آپکے لیے اختیار کرے اور ہم کو آپ پر فدا کرے جب مکہ پہونچیں تو ہرگز کوفہ کا قصد نہ فرمائیے کہ وہ شہر شوم ہے جس میں آپ کے باپ شہید ہوئے اور بھائی آپکے بے یار و مددگار چھوڑ دیے گئے اور ایسا زخم لگا جس سے جان کا خوف تھا۔ حرم میں قیام فرمائیے کہ آپ سید عرب ہیں اہل حجاز آپکے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دینگے اور وہیں سے لوگوں کو دعوت دیجیے ہرگز حرم خانۂ کعبہ کو نہ چھوڑیے کہ اگر آپ ہلاک ہوئے تو ہم سب آپکے بعد غلام بنا لیے جائینگے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۸)

ہمارا مطلب صرف اس آخری فقرہ سے ہے کہ عبداللہ بن مطیع کہہ رہے ہیں اگر آپ ہلاک ہوئے تو ہم سب

غلام بنا دیے جائینگے ۔جس سے معلوم ہوا کہ اسکا یقین تھا کہ ایسا ضرور ہوگا ۔ مگر صحابۂ رسُول نے اس میں ذرّہ برابر کوشش نہ کی کہ اس بلا کو اسلام سے دفع کریں اور اہل اسلام کو غلامی یزید سے آزاد کریں ۔

عبداللہ بن مطیع صحابی

یہ عبداللہ بن مطیع خلیفۂ دوم کے خاندان عدی سے تھے استیعاب میں ہے کہ مطیع کا نام عاص بن اسود تھا حضرت نے اُنکا نام مطیع رکھا اور عمر بن الخطاب سے کہا کہ تمھارا ابن العم عاصی نہیں ہے بلکہ مطیع ہے اُسی وقت سے آپ کا نام مطیع قرار پایا ۔ (جلد اول ۲۹۵)

انھیں کے بیٹے عبداللہ بن مطیع ہیں جو امام حسینؑ سے یہ عرض کر رہے ہیں کہ اگر آپ شہید ہوئے تو ہم لوگ غلام بنا لیے جائینگے ۔ مگر اُسی خاندانی عداوت نے جو بنی عدی کو خاندان رسالت سے تھی اُنکو اس کی اجازت نہ دی کہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ شریک معرکۂ کربلا ہوتے ۔

عبداللہ بن مطیع جو خلیفہ دوم کے ابن العم ہیں کوئی معمولی شخص نہ تھے کیونکہ خلافت ملنے نے خاندان خلیفۂ دوم کو خاص طور پر معزز کر دیا تھا اگر یہ شریک جناب امام حسینؑ ہوتے آپ یقین کر سکتے ہیں کہ محض انکی شرکت سے حضرت کے لشکر کی وہ عظمت بڑھ جاتی کہ پھر کسی کو یارائے مقابلہ نہ ہوتا کیونکہ یزید اور اس کا باپ معاویہ تو آوردگان خلیفۂ دوم سے تھا پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ آقا و ولی نعمت کے خاندان سے برسرِ پیکار ہوتا ہے ۔

مگر ہم اس سے بھی قطع نظر کر لیں تو خود عبداللہ کی حالت استیعاب میں مذکور ہے ۔

عبداللہ بن مطیع وہی شخص ہے جس کو اہل مدینہ نے واقعہ حرا میں بعد اخراج بنی امیہ اپنا امیر مقرر کیا ۔ واقدی کہتا ہے کہ وہ صرف قریش کے امیر تھے ۔ زبیر کہتا ہے کہ عبداللہ بن مطیع اجلّہ قریش سے تھے از راہ شجاعت و جلادت ابن الزبیر کے ساتھ قتل ہوئے ۔ واقعہ حرّہ میں مدینہ سے بھاگ کر مکہ گئے ۔ جب حجاج نے ابن الزبیر کا محاصرہ کیا تو یہ لڑنے کے لئے نکلے اور کہتے تھے ؎

انا الّذی فررت یوم الحرہ والحر لا یفرّ الّا مرّہ

میں وہ شخص ہوں جو بروز حرّہ بھاگ آیا اور مرد آزاد ایک ہی دفعہ بھاگتا ہے

کیا خوب ہے کرّہ بعد فرار ۔ اب ہم کرّہ کو ملا دیتے ہیں فرار سے ۔

جس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص ایسا با اقتدار تھا کہ اہل مدینہ نے اسکو اپنا امیر مقرر کیا یا بقول واقدی سارے قریش کا امیر تھا ۔ پس اگر جناب امام حسینؑ کے ساتھ رہتا تو آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ حضرت کے لشکر کو کتنی قوت ملتی ۔

طرّہ تو یہ ہے کہ جس طرح جناب امام حسینؑ نے خلافت یزید کو ناحق ظاہر کرنے کے لیے جنگ کی اُسی طرح عبداللہ بن مطیع بھی امیر اہل مدینہ بنکر آمادۂ جنگ ہوا مگر یہ نہ ہو سکا کہ فرزند رسُول کی حمایت کرتا جس سے رسول اللہ کے سامنے بروز قیامت سرخرو ہوتا اور انصار دین میں اسکا نام لیا جاتا ۔

جس کا نتیجہ خدا نے یہ دیا کہ اہل مدینہ کا امیر بنایا گیا ۔ مگر بہت جلد اُس نے اپنے خاندانی اثر ظاہر کر دکھا دیا کہ جم کر نہ لڑ سکا بلکہ بھاگ گیا ۔ مدینہ سے مکہ گیا ۔ آخر اس ذلت و خواری سے مارا گیا ۔

تعجب ہے کہ یہ شخص رجز میں اپنے فرار پر فخر کرتا ہے:۔

انا الذی فررت یوم الحرہ ۔۔ والحر لا یفر الا مرہ
کہ میں وہ شخص ہوں جو روز حرہ سے بھاگ گیا ۔۔ اور مرد آزاد ایک ہی دفعہ بھاگتا ہے

جس سے ممکن ہے کہ وہ اپنے اس خاندانی کرامات کو ظاہر کرتا ہو کہ ہم میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا خاندان ہمیشہ سے یہیں ممتاز رہا۔ کہ وقت جنگ فرار کرتا۔ مگر نہ معلوم یہ جملہ کس طرح کہا والحر لا یفر الا مرۃ کہ مرد آزاد ایک ہی دفعہ بھاگتا ہے۔

بہر حال ہماری غرض یہاں صرف اسی قدر ہے کہ ان صحابہ کو یقین تھا کہ اگر جناب امام حسینؑ شہید ہوئے تو پھر تمام اہل اسلام لونڈی غلام یزید کے بن جائیں گے۔ مگر نہ پاس اسلام تھا نہ خاندان رسالت کا احترام جو آپ کا ساتھ دیتے اور دین اسلام کی حفاظت کرتے۔

عبد اللہ ابن مطیع نے جو حضرتؑ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ آپ حرم خانہ کعبہ کو چھوڑ کر کوفہ کی طرف نہ جائیے گا۔ یہ بھی ایک طرح کی بے ادبی بھی ہے جو اپنی رائے کو امامؑ کی رائے پر ترجیح دے رہا ہے۔ اس لیے خدا نے اسی دنیا میں اس کا مزہ چکھا دیا کہ دیکھ تو نے جو دیدہ و دانستہ نصرت فرزند رسولؐ کو ترک کیا تو اسکا کیا مزہ دنیا میں مل رہا ہے کہ بطمع زندگانی دنیا فرزند رسولؐ کے ساتھ نہیں جاتا اور یہیں تو امیر یا خلیفہ بن رہا ہے۔ مگر ترک نصرت فرزند رسولؐ کا عذاب تجھ پر نازل ہو رہا ہے کہ امارت مدینہ چھوڑ کر نصرت ابن الزبیر کو جا رہا ہے۔ جس خانۂ خدا کو تو جائے امن سمجھ رہا ہو وہیں تو اس ذلت و خواری سے ابن الزبیر کے ساتھ مارا جاتا ہے۔

کاش یہ لوگ سمجھتے کہ احکام خدا اور رسولؐ کی عزت اسی وقت قائم رہ سکتی ہے۔ جب انکو کوئی مانے جن لوگوں نے حکم خدا و رسولؐ کو ٹھکرا کر اپنی رائے سے خلیفہ مقرر کیا ان کو قرآن جلانے۔ خانہ کعبہ گرانے قتل کرنے میں کیا عذر ہے۔

یہی تو باعث ہے کہ جناب امام حسینؑ نے تمام جہان کے مشورہ کے خلاف وہ کام کیا۔ جس سے آج تک اسلام قائم ہے کیونکہ اگر امام حسینؑ خانۂ کعبہ میں رہتے تو اسی طرح شہید کیے جاتے جس طرح ابن الزبیر مارا گیا۔ مگر آپ کی شہادت مردانہ اور باغیرت تھی۔ بخلاف ابن الزبیر کے جو اس ذلت سے مارا گیا کہ بعد قتل دار پر چڑھایا گیا جس کے ساتھ ایک مردہ کتا بھی دار پر چڑھایا گیا تھا۔

جناب امام حسینؑ نے ہر کام میں اسی سنت رسولؐ کو زندہ کیا جو آں حضرتؐ کے بعد مردہ کر دی گئی تھی یعنی نص۔ جسکو خلفائے ثلاثہ نے بزور اجماع مار ڈالا تھا کیونکہ مدار امور اسلام اگر نص پر رہتا جیسا کہ حکم خدا اور رسولؐ تھا تو پھر دنیا میں کوئی فساد نہ ہوتا۔ مگر خلفاء کی خود غرضیوں نے ایسا آنکھوں پر پردہ ڈالا کہ نہ انکو وفات رسولؐ کا صدمہ محسوس ہوا۔ نہ جنازۂ رسولؐ بے گور و کفن نظر آیا سب سقیفہ میں دوڑ پڑے اور شریعت رسولؐ درہم برہم کر دی گئی نص کے مقابلہ میں پنچایتی نے رواج پایا۔

اسی اصول پر جناب امام حسینؑ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ آپ حرم خدا میں رہکر بازار قتال گرم کیجیے مگر جو فرزند رسول ہو جو نائب رسول ہو جو خلیفہ جائز رسول ہو وہ کیونکر اس امر کو گوارا کرسکتا ہے جس سے کسی قسم کی توہین خانہ خدا پر آسکے۔
یہی وجہ ہے کہ جو صحابہ محض دنیادار تھے وہ یہی رائے دیتے کہ آپ حرم خانہ کعبہ کو جائے امن قرار دیکر اپنے مخالفین سے لڑیں مگر حضرت اس نص صریح کے ہوتے کیونکر قبول کرسکتے کیونکہ خدا فرماتا ہے:۔

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون۔ (انعام)

اگر تو اطاعت کیگا اکثر ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو تمکو گمراہ کردینگے سبیل خدا سے یہ لوگ تو صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور نہیں ہیں وہ لوگ مگر اٹکل پچو خیال دوڑانے والے پھر فرماتا ہے

وان کثیرا لیضلون باھوائھم بغیر علم ان ربک ھو اعلم بالمعتدین۔

یعنی بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشوں سے بغیر علم کے خدا خوب جانتا ہے اُن لوگوں کو جو حد سے نکل جانے والے ہیں۔ پھر فرماتا ہے:۔

لواتبع الحق اھوائھم لفسدت السموات والارض ومن فیھن بل اتینھم بذکرھم فھم عن ذکرھم معرضون۔ (مومنون)

اور اگر حق اُن کی خواہشوں کی پیروی کرے تو آسمان و زمین اور جو ان میں ہیں سب فاسد ہوجائیں بلکہ ہم نے انکے پاس ذکر (کتاب) کو پہونچا دیا۔ پس وہ اس ذکر (کتاب نصیحت) سے منہ پھیر رہے ہیں۔
پھر کیونکر ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ اپنے اس علم ذاتی کو جو بفیض رسولؐ آپکو حاصل تھا محض ان چند جاہلوں کے سمجھانے اور منع کرنے پر بدل دیتے۔
عبداللہ بن مطیع کی یہ فہمائش صرف مدینہ ہی میں نہ تھی۔ جہاں سے حضرت جانب خانہ کعبہ تشریف لے جارہے ہیں بلکہ جب آپ قریب کربلائے معلے پہونچے ہیں تو وہاں بھی اس نے یہی فہمائش کی ہے چنانچہ تاریخ کامل میں ہے:۔
جناب امام حسینؑ کوفہ کی جانب تشریف لیجارہے تھے کہ عرب کے ایک چشمہ پر نزول اجلال فرمایا وہاں عبداللہ بن مطیع بھی تھے حضرت کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے فرزند رسول اللہ آپ کہاں تشریف لائے حضرت نے سارا حال بیان کیا تو ابن مطیع نے کہا اے فرزند رسول ہم آپ کو خدا کو یاد دلاتے ہیں۔ حرمت اسلام، حرمت قریش اور حرمت عرب کا واسطہ دیتے ہیں کیونکہ قسم بخدا اگر آپ طلب کرینگے اس چیز کو جو ہاتھ میں بنی اُمیہ کے ہے تو ضرور آپ کو قتل کرینگے اور آپکے قتل کے بعد پھر کسی کی ہیبت اُن کو نہ رہے گی قسم بخدا یہ حرمت اسلام ہے یہ حرمت قریش ہے یہ حرمت عرب ہے ہرگز آپ کوفہ نہ جائیے اور بنی اُمیہ سے تعرض نہ فرمائیے۔ مگر حضرت نے نہ مانا اور تشریف لے گئے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ)
دیکھئے اس علم ویقین کو جو اُن کو حاصل ہے کہ جناب امام حسینؑ ضرور شہید ہوں گے اور حضرت کی شہادت کے بعد پھر

کسی طرح کا رعب و داب بنی امیہ کو نہ رہے گا مگر یہ نہیں ہوتا۔ حضرت کی نصرت کریں اور آپ کے ساتھ جان گراں بہا راہ خدا میں نثار کریں اس سے بڑھ کر بیوفائی کیا ہو سکتی ہے۔

کوئی ان دشمنانِ عقل و دانش سے پوچھتا کہ حضرت اس وقت کر کیا سکتے تھے کیونکہ دنیا تو یزید کے ساتھ تھی مدینہ میں اسکی حکومت مکہ میں اسکی حکومت پھر جاتے تو کہاں جاتے۔ اب دو ہی صورت تھی یا تو حضرت اُس کی بیعت کر لیتے جو محال تھا یا جنگ کر کے شہادت قبول فرماتے۔ اُسی کو حضرتؑ نے اختیار کیا۔

شہادت کی بھی دو ہی صورت ہو سکتی تھی ایک یہ کہ وطن میں رہ کر شہید ہوتے جیسا کہ اصحاب حرا مارے گئے تو اس سے اسلام کو کوئی نفع نہ ہوتا جیسا کہ اصحاب حرا کے قتل سے کوئی نفع نہ ہوا۔ ابن الزبیر کے قتل سے کوئی فائدہ نہ ہوا حالانکہ وہ مکہ میں مارا گیا تھا۔ بلکہ اور الزام آیا کہ باغی ہوا۔ دوسری صورت یہی تھی جو حضرت نے قبول فرمائی کہ جن لوگوں نے وعدہ نصرت کیا تھا اُن کے یہاں تشریف لے جا رہے ہیں اگرچہ اُنکی بیوفائی بھی معلوم تھی۔

غرض چونکہ اکثر صحابہ نے اس کے بعد یزید کی مخالفت کی اور مارے بھی گئے لہذا جناب امام حسینؑ پر یہ الزام تو آ نہیں سکتا کہ آپ نے خلیفہ کی مخالفت کی کیونکہ یہ خلیفہ ہی ایسا تھا کہ اس کی مخالفت اس طرح ضروری تھی۔

اگر صحابہ ایماندار ہوتے اور کچھ بھی درد اسلام رکھتے تو کیا ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ اس طرح شہید ہوتے کیونکہ عبداللہ بن مطیع صحابی یہ سب حالات کو مشاہدہ کر رہا ہے۔ مگر یہ نہیں ہوتا کہ امام کی نصرت کرے۔

طرہ تو یہ ہے کہ اس واقعۂ جانگزا کے دوسرے ہی سال تمامی صحابہ کی آنکھ کھلتی ہے اور اپنے کردار پر نادم ہوتے ہیں یزید کی خلافت کو توڑنا چاہتے ہیں۔ مگر خود ہی کہہ چکے ہیں کہ "آپ کو اگر شہید کر لیں گے تو پھر کسی سے نہ ڈریں گے" مگر پھر بھی لڑنے پر تیار ہوتے ہیں اور مارے جاتے ہیں کیونکہ یہی عبداللہ بن مطیع واقعۂ شہادت کربلا کے بعد سنہ میں خلیفہ بنتا ہے اور واقعہ حرا میں یزیدیوں کے مقابلہ سے بھاگ کر بطلع دنیا مکہ معظمہ آتا ہے اور ابن الزبیر کی بیعت کرتا ہے۔

ابن الزبیر عبداللہ بن زید کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے اُس کی جگہ ابن مطیع کو حاکم کوفہ بنا کر روانہ کرتا ہے تو وہاں جا کر خطبہ دیتا ہے:۔

> ومن درمیان قوم بسیرت عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان زندگانی کنم (ص۹۳ روضۃ الصفاء)
> کہ ہم تم لوگوں میں اُس طرح حکومت کریں گے جس طرح عمر و عثمان زندگانی کرتے تھے۔
> دراں مجلس سائب بن مالک اشعری کہ یکے از معتبران انجمن بود گفت ایہا الامیر آنچہ گفتی شنیدم و سیرکسر را در سیرت عمر و عثمان سخن نیست مگر خیر و لیکن مطلوب ہست کہ درمیان ما بسیرت امیرالمومنین علیؑ زندگانی کنی و اگر چنین نکنی در امارت ما نتوانی کرد و ما رعیت تو نخواہیم بود۔

غور کیجئے کہ آخر سیرت جناب امیرؑ اور خلیفہ دوم و سوم میں کیا فرق تھا کہ سائب بن مالک نے کہا ہم کو سیرت عمر و عثمان کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ سیرت امیرالمومنین حضرت علیؑ درکار ہے۔

مگر عبداللہ بن مطیع نے اس کا اقرار نہ کیا کہ ہم اُسی سیرت پر رفتار کریں گے۔ بلکہ یہ کہا کہ مطمئن رہو ہم تمہارے خلاف مرضی کام نہ کریں گے۔ جس سے یہ تو سمجھ لیا ہوگا کہ وہ مومن تھا۔ وہ یہ ارادہ لئے خلیفہ دوم کا حجازاد بھائی ہو اُسی طریقہ کا شیدائی ہے وہ اُن طریقہ تلم و جور کو رائج کیا چاہتا ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ جناب امام حسین کا ساتھ دیتا اور حضرت پر اپنی جان قربان کرتا۔

نہیں نہیں یہ تو وہ شخص ہے جو ابن الزبیر کا نائب بن کر کوفہ میں آیا ہے اور قاتلان امام حسینؑ کا رفیق اور دمساز ہے چنانچہ اسی ابن مطیع کی کارروائیوں نے مختارؒ کو مجبور کیا کہ قبل از وقت ظہور کریں۔ کیونکہ اس نے چاہا تھا کہ مختارؒ کو گرفتار کریں۔

چوں مختارؒ دانست کہ ابن مطیع میخواہد کہ او را بچنگ آورد اہل بیعت را جمع فرمود گفت وقت آں رسید کہ ظہور کنیم و خون اہلبیت محمدؐ از دشمنان باز خواہیم باید کہ ساختہ و آمادہ باشید (صفحہ ۹۵ روضۃ الصفا)

مختارؒ نے جب یہ سمجھ لیا کہ ابن مطیع انھیں گرفتار کرنا چاہتا ہے اپنے ہمراہیوں کو اکٹھا کیا اور کہا اب وقت آگیا ہے کہ میں ظاہر ہوں اور آل محمدؐ کے خون کا دشمنوں سے انتقام لوں اب چاہیئے کہ تم لوگ تیار ہو جاؤ۔

ابن مطیع نے اس کا انسداد کیا قاتلان امام حسینؑ کو اپنا رفیق و معین بنا کر کوفہ کی حفاظت پر معین کیا۔ ایاس مضارب کو جو قاتلان امامؑ سے تھا کوتوال شہر مقرر کیا۔

ایک شب ابراہیم بن مالک اشتر مختارؒ کے یہاں جا رہے تھے کہ ایاس سد راہ ہوا ہر چند ابراہیم نے سمجھایا کہ ہم سے تعرض نہ کر مگر نہ مانا۔

ابراہیم نے چیخ کر کہا اے دشمن خدا تو بھی حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں سے ہے یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں میں سے کسی کے ہاتھ سے نیزہ کھینچا اور اس کے سینہ پر وار کر دیا جو اس کی پیٹھ کے پار ہو گیا ایاس کے ہمراہی بھاگ نکلے ابراہیم ایاس کو پکڑ کر مختارؒ کے گھر آئے اور ہمارے تو یہ تھا کہ ہم لوگ فلاں رات کو خروج کریں گے مگر ایسی صورت پیش آگئی کہ توقف کی گنجائش نہ تھی مختارؒ نے واقعہ پوچھا ابراہیم نے کیفیت واقعہ بیان کی مختارؒ نے کہا خدا مبارک کرے یہ ہماری پہلی کامیابی ہے جس کے آئینہ میں ہماری مراد جلوہ گر ہے (روضۃ الصفا ص ۹۶)

یہ پہلا روز ہے کہ مختارؒ نے رنج کو ظاہر کیا اُسی وقت ابن مطیع کے پاس بیس ہزار لشکر جمع ہوا مگر مختارؒ کے پاس صرف تین ہزار تین سو آدمی تھے جس سے مختار نہایت خوف زدہ ہوئے۔

ابن مطیع کو جب مختارؒ کا حال معلوم ہوا تو اُس نے شبث بن ربعی کو چار ہزار لشکر، راشد بن ایاس بن مضارب کو تین ہزار لشکر، حجار بن ابجر کو تین ہزار اور عفرا بن حنظری کو تین ہزار، شمر بن ذی الجوشن کو تین ہزار اور عکرمہ بن ربعی یزید بن منذر، عبدالرحمان بن سوید کو بھی تین تین ہزار لشکر کے ساتھ مقابلہ مختارؒ کے لیے روانہ کیا۔

مگر جب کارزار شروع ہوئی تو قبل از دوپہر لشکر ابن مطیع نے ہزیمت پائی اور مختارؒ و ابراہیم مظفر و منصور ہوئے آخر نتیجہ یہ ہوا کہ رؤسائے شہر نے لشکر ابن مطیع کو دارالامارت کوفہ سے باہر نکال دیا اور مختارؒ سے طالب امان ہوئے۔

ابن مطیع ایک جگہ جاکر پوشیدہ ہوا۔ مختار کو اسکی بھی خبر مل گئی۔ مگر یہ شرافت نفسی مختار ہے کہ کہلوا بھیجا ابن مطیع سے کہلا بھیجا کہ ہم کو تمھارے قیام کا حال معلوم ہے مگر ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے تم کو کوئی صدمہ پہونچے لہذا خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ چنانچہ ابن مطیع شب کے وقت وہاں سے بھاگ گیا۔ اور سیدھا ابن الزبیر کے پاس مکہ میں پہونچا وہاں اُس نے خوب لعنت ملامت کی تو بصرہ چلا گیا جسکے بعد نہ معلوم کیونکر ابن الزبیر کے پاس آیا اور مکہ میں مارا گیا جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا۔ (روضۃ الصفا)

اب یہاں آپ پہلے اُن تقریروں کو یاد فرمائیے جو بوقت روانگی جناب امام حسینؑ اس نے کی تھی کس طرح اپنے ماں باپ کو زبانی حضرتؑ پر فدا کرتا تھا مگر یہ نہ ہو سکا کہ حضرتؑ کی رفاقت گوارا کرتا۔

ترک رفاقت کیسی دنیا کی طمع نے پہلے تو خلیفہ بننے کی آرزو پیدا کی کہ مدینہ میں سردار قریش بنے مگر خالی خولی خلافت سے کیا پیٹ بھرتا۔ ابن الزبیر کے پاس آئے۔ حکومت کوفہ پائی۔ وہاں سے بیک بینی و دو گوش نکالے گئے تو پھر مکہ آئے۔ وہاں سے بصرہ پہونچے۔ پھر مکہ آئے اور ابن الزبیر کے ساتھ جان سے ہاتھ دھوئے۔

خداوند عالم ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرماتا ہے۔

یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم — کہ زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو دل میں نہیں

کہ رہبرِ امام حسینؑ کہتے۔

جعلنا فداك عمی وخالی — ہم آپ پر فدا ہوں۔ ہمارے چچا ماموں آپ پر نثار

فواللہ لئن ھلکت لنسترقن بعدك — ہوں اگر آپ ہلاک ہوئے تو پھر ہم غلام بنالئے جائیں گے۔

مگر نصرت امام کیسی ابن الزبیر کی حمایت میں قاتلان امام حسینؑ کے شریک حال ہیں اور نہیں چاہتے کہ خون امامؑ کا بدلہ لیا جائے۔ بلکہ قتل مختارؒ و ابراہیمؒ بن مالک اشتر کیلئے شمر ذی الجوشن اور شبث بن ربعی وغیرہ ملاعین کو بھیج رہے ہیں تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ان صحابہ کے دلمیں ذرہ برابر بھی ایمان تھا یا محبت رسولؐ کہ فرزند رسولؐ کے خون کا انتقام لینا کیسا اُلٹے منتقمین کے خون کے پیاسے ہیں۔

استیعاب ابن عبد البر مکی میں تو اسی قدر اُن کے حالات تھے جو سابقاً مذکور ہوئے۔ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں کچھ اور توضیح کی ہے جو حسب ذیل ہے ملاحظہ ہو۔

یہ عبد اللہ بن مطیع امیر قریش اہل مدینہ تھا جنگ حرّہ میں شجاعان قریش اور اہل نجدہ و جلادت سے تھا جب اہل حرّہ کو ہزیمت ہوئی اور عبید اللہ بن طلحہ مارا گیا۔ تو یہ بھاگ کر ایک عورت کے گھر میں جا چھپا داخر خاندانی تھا کہ کسی کو نہ معلوم ہوا کہاں ہے۔ جب اہل شام نے مدینہ کو غارت کرنا شروع کیا۔ تو ایک شامی اس عورت کے گھر میں آیا اور زبردستی اُس عورت سے حرامکاری کرنا چاہا چنانچہ زمین پر اُسے گرا دیا اس وقت ابن مطیع باہر نکل آیا اور اُس عورت کی جان بچائی اور شامی کو قتل کیا۔ جب پر اُس عورت نے کہا تو کون ہے اسکے بعد ابن مطیع بچ گیا اور عبد اللہ ابن زبیر کا وزیر بنا۔ ابن الزبیر نے حاکم کوفہ مقرر کر کے بھیجا۔ وہاں سے مختار نے اس کو نکال دیا۔ پھر ابن الزبیر

کے پاس آیا اور اُس کے ساتھ رہا یہاں تک کہ مارا گیا۔ دونوں کا سر دمشق روانہ کیا گیا۔ (اصابہ جلد ۳ صفحہ ۳)

یہ ہے انکے فرار کی حالت کہ نہ معلوم اس عورت کے مکان میں کہاں چھپے تھے جبکی اُس عورت کو بھی خبر نہ ہوئی پھر یہ کیا رفاقت جناب امام حسین کر سکتے تھے جو ایسے بزدل اور ڈرپوک تھے کہ اپنے فرار سے خلیفہ دوم کو بھی شرمندہ کر دیا کیونکہ خلیفہ دوم جب بھاگے تھے تو پہاڑ کے درہ میں چھپے تھے نہ کہ کسی عورت کے مکان میں ایسے پوشیدہ ہوں کہ کسی کو خبر تک نہ ہو۔

ہاں ابن مطیع اپنی رجز میں کہتا ہے والحر لا یفر الا مرة کہ آزاد ایک دفعہ ہی بھاگتا ہے مگر یہاں آپ نے دیکھ لیا کہ یہ دو مرتبہ بھاگا ایک مرتبہ مدینہ سے دوسری مرتبہ کوفہ سے۔ پھر نہ معلوم کس طرح اپنے خاندانی شخص عمر بن الخطاب پر یہ طعن کر رہا ہے والحر لا یفر الا مرة جس میں اسکا بھی اشارہ ہے کہ خلیفہ دوم حر نہ تھے کیونکہ صحاکہ حبشیہ کی اولاد سے تھے جو لونڈی تھی۔

بہر حال ان حالات سے آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ صحابہ کے ایسا نازک تھے کہ جانتے تھے جناب امام حسینؑ ضرور شہید ہونگے اور حضرت کی شہادت سے عزت اسلام۔ عزت قریش۔ عزت عرب خاک میں مل جائے گی مگر بطمع حیات دنیا حضرت کا ساتھ نہ دیا اور آخر اس ذلت و خواری سے مارے گئے کہ کوئی نام لینے والا بھی ان کا دنیا میں نہ رہا۔

بخلاف جناب سید الشہداء روحی لہ الفداء کہ وہ کام کیا جس سے آج تک اسلام زندہ ہے اور مخالف موافق سب کہتے ہیں یہ اسلام آپ ہی کی بدولت باقی ہے۔

جو خیال ابن مطیع نے ظاہر کیا تھا کہ اگر امام حسینؑ شہید ہوئے تو ہم سب غلام بنائے جائیں گے۔ اسی خیال کو زید بن ارقم صحابی بھی ظاہر کر رہے ہیں چنانچہ تاریخ خمیس میں ہے:۔

جب سر مبارک امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کا ابن زیاد کے پاس آیا اور اس نے لب و دندان کو چھڑی سے چھیڑنا شروع کیا تو زید بن ارقم نے کہا اپنی چھڑی اُٹھا لے کہ ہم نے خود دیکھا ہے رسول اللہ اس لب و دندان پر اپنا منہ رکھتے تھے۔ یہ کہتے تھے اور اسکے بعد رونے لگے تو ابن زیاد نے کہا خدا تم کو رولائے اگر تم شیخ نہ ہوتے تو ابھی قتل کیے جاتے اسکے بعد زید بن ارقم وہاں سے باہر چلے گئے اور کہتے تھے اے عرب تم آج سے غلام ہوئے کہ امام حسینؑ کو تو قتل کیا اور ابن مرجانہ کو اپنا حاکم بنایا جو نیکوں کو قتل کرے گا اور شریروں کو غلام بنائے گا

(تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۲)

جس سے معلوم ہوا کہ کل صحابہ یہ جانتے تھے کہ امام حسینؑ ہی کی بدولت عزت اسلام قائم ہے ورنہ اگر حضرتؑ شہید ہوئے تو اسلام کی عزت مٹ جائے گی۔ یہ سب لونڈی غلام بن جائیں گے۔ مگر کسی صحابی کو اتنا بھی اسلام کا درد نہ تھا کہ اگر یہ حمایت فرزند رسول نہ نکلتے تو کاش اسلام ہی کی حمایت کرتے اور اس روز بد سے اسلام کو بچاتے کہ حضرت کے بعد اسلام ذلیل ہو گا اور مسلمان لونڈی غلام بن جائیں گے۔

زید بن ارقم صحابی کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں صحابی رسولؐ ہیں اور بڑے پایہ کے صحابی ہیں مولوی عبد الشکور

صاحب اڈیٹر النجم نے اسد الغابہ کا ترجمہ کیا ہے جس میں انکا حال حسب ذیل مرقوم ہے :-

زید بن ارقم سے چند وجہوں سے مروی ہے کہ یہ رسول اللہ کے ہمراہ سترہ غزوؤں میں شریک ہوئے اور غزوۂ احد میں کم سن سمجھے گئے۔ زید بن ارقم سے روایت کرکے خبر دی کہ میں اپنے چچا کے ہمراہ تھا عبد اللہ بن ابی سلول کو کہتے سنا کہ وہ اپنے اصحاب سے کہہ رہا تھا کہ لے لوگو! یہ جو رسول خداؐ کے پاس ہیں اُن پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ شکستہ ہو جائیں اور اگر ہم لوگ مدینہ کی طرف لوٹیں گے تو ضرور بالضرور سائیں سے عزت دار۔ ذلیل کو نکال دیگا پس میں نے اسکو اپنے چچا سے بیان کیا انھوں نے رسول خداؐ سے اس کا ذکر کر دیا آپنے مجھے بلایا میں نے آپ سے بھی بیان کر دیا آپنے عبد اللہ اور اسکے ہمراہیوں کی طرف بھیجا وہ لوگ قسم کھا گئے کہ انھوں نے نہیں کہا پس رسول خداؐ نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور ان لوگوں کی تصدیق کی اس سے مجھ کو اتنا صدمہ ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا پس میں گھر میں بیٹھ رہا مجھ سے میرے چچا نے کہا تم نے کیا ارادہ کیا تھا کہ تم کو رسول خداؐ نے جھٹلایا اور تم سے ناخوش ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اذا جاءک المنٰفقون نازل فرمایا آپنے میری طرف آدمی بلانے کو بھیجا اور مجھ کو پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ خدا نے تمھاری تصدیق کی۔ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ یہ سب سے پہلے مقام پر سبیع کے نوشع پر شریک ہوئے۔ کوفہ میں رہتے تھے اور مقام کندہ میں اُن کا گھر تھا اور یہیں ۶۸ھ میں انتقال ہوا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کی شہادت کے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صـ۳۲)

ہم نہیں سمجھتے کہ ہوا خواہانِ صحابہ یہاں کیا عذر کر سکتے ہیں کہ زید بن ارقم نے جناب امام حسینؑ کی کسی قسم سے مدد نہ کی حالانکہ کوفہ ہی میں اُن کا قیام تھا اگر نصرت امام حسینؑ کو نہ نکلے اور نہ کسی طرح خدمت کی۔

اللہ اللہ ایسے صحابی جو قبیلۂ انصار سے تھے اور پیغمبرؐ کے مدینہ آنے کے بعد ہی حاضر خدمت رہے اور کل غزوات رسولؐ میں شریک رہے بہ استثناء دو غزوہ کہ بسبب کمسنی اس میں قابل جنگ نہ مانے گئے۔ اہل سنت اُن کی طرف سے کیا عذر کر سکتے ہیں۔

مولوی عبد الشکور صاحب نے انکی برارت کے لئے تو لکھ دیا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد انھوں نے انتقال کیا مگر اس سے وہ الزام سے کیونکر بری ہو سکتے ہیں کیونکہ آپ تاریخ خمیس سے دیکھ آئے ہیں کہ جب حضرت امام حسین کا سر ابن زیاد کے دربار میں آیا ہے تو زید وہاں موجود تھے جس سے معلوم ہوا کہ نہ وہ علیل تھے نہ کسی قسم سے مجبور پھر بجز قلت ایمان اور کیا ثابت ہوا جو وہ معرکۂ کربلا میں نہ شریک ہوئے حالانکہ اُنکو یقینی طور پر معلوم تھا رسول اللہ سے ہزاروں مرتبہ سن چکے تھے کہ بعد شہادت امام حسینؑ اہل اسلام یزید کے غلام بن جائینگے پھر کیسے عاشق رسولؐ اور ہمدرد اسلام تھے کہ اگر رسول اللہ کی محبت کا بھی نہ خیال تھا تو اسلامی ہمدردی بھی نہ تھی کہ اسلام کی امداد کو اٹھتے اور اسلام کو اس مصیبت سے بچاتے۔

بہرحال ترجمہ اسد الغابہ میں جو قول لکھا گیا ہے کہ واقعہ کربلا کے تھوڑے ہی دنوں بعد زید کی وفات ہوئی۔

اگرچہ دافع الزام نہیں ہے مگر یہ قول بھی غلط ہے کیونکہ استیعاب اور اسد الغابہ میں سنہ وفات ۸۶ھ لکھا ہے
جس سے معلوم ہوا کہ ۲۰ برس واقعہ کربلا کے بعد زندہ رہے مگر نہ خود امام کی نصرت کی نہ آپ کے خون کا انتقام لیا۔
جس سنہ میں زید بن ارقم نے وفات پائی اُسی سنہ میں خلیفہ دوم کے بیٹے عاصم بھی مرے ہیں مگر
نصرت امام حسینؑ کو اُنھوں نے بھی ترک کیا تاریخ خمیس میں ہے۔

وفیہا مات عاصم بن الخطاب العدوی ولد فی حیات النبیؐ وھو جد الخلیفۃ
العادل عمر عبد العزیز کلامہ۔

کہ اسی سنہ میں عاصم بن عمر بن الخطاب کی وفات ہوئی جو عہد رسول میں پیدا ہوئے تھے یہ عمر بن عبد العزیز کے
نانا ہیں یہ تو نبیرہ دوم کے فرزند تھے ان سے بہت امید ہوسکتی تھی کہ امام کی مدد کریں۔

انس بن مالک ان کی حالت تو اور بھی سب سے عجیب و غریب ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے۔

محمد بن انس روایت کرتے ہیں انس سے کہ جب امام حسینؑ کا سر مبارک ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو ایک
طشت میں رکھا گیا اور ملعون چھڑی سے چھیڑتا تھا تو ابن زیاد نے کچھ حضرت کے حُسن کے بارے میں کہا تو انس
نے کہا کہ حضرت امام حسین سب سے زیادہ مشابہ تھے رسول اللہ سے اور آپ کی ریش مبارک وسمہ سے خضاب
کی ہوئی تھی (ص ۵۳۱)

اس روایت کو دیکھ کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ انس بن مالک مسلمان تھا صحابی رسول اللہ تھا اس کے دل میں
ذرہ برابر بھی ایمان تھا۔ کیونکہ معمولی انسان بھی اسکو گوارا نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص مردے جانور کے ساتھ ایسی حرکت
کرے کہ اُس کے لب و دندان پر بعد مردن چھڑی لگائے۔

ہمکو یہاں ابن زیاد ملعون سے کوئی بحث نہیں کیونکہ وہ تو زیاد بن سمیہ ہی کا بیٹا تھا اس سے جو کچھ نہ ہو تعجب
کیا ہے مگر گفتگو تو انس بن مالک سے ہے جو صحابی رسول اللہ ہیں اور اُنکے سامنے وہ ملعون اس قسم کی بے ادبی کررہا
ہے مگر ان کی انسانیت بھی نہیں متحرک ہوتی اور کوئی اعتراض بھی نہیں کرتے کہ اے ملعون تو کیا کررہا ہے یہ
فرزند رسول اللہ ہیں۔

کیا خوب لکھا ہے علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری میں:۔

کہا سبط ابن الجوزی نے کیا رسول اللہ کا اتنا حق بھی نہ تھا انس پر کہ وہ ابن زیاد کے اس فعل کو ناپسند
کرتے اور تقبیح قرار دیتے اسکو جو دندان امام حسینؑ پر چھڑی لگاتا تھا۔

پس اسی سے انس بن مالک کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کیسے خوشامدی اور ایماندار تھے کہ انکے سامنے ابن زیاد ملعون
یہ بے ادبی کررہا ہے اور اُسکو اتنی بھی غیرت نہیں آتی کہ اُٹھکے اس فعل قبیح پر انکار کریں اور اسکی بُرائی جتائیں۔

یہ انس بن مالک کوئی معمولی صحابی نہیں ہیں بلکہ بڑے پایہ کے صحابی ہیں اسد الغابہ، استیعاب اصابہ میں
بہت کچھ انکے فضائل و مناقب لکھے ہیں خادم رسول کہلاتے ہیں جب یہ دس برس کے تھے اس وقت سے خدمت رسول کیا

حاضر ہے۔ بڑے مالدار تھے ایکسو سات یا ایکسو تین برس تک زندہ رہے وقتِ وفات ایکسو بیس لڑکے لڑکیاں تھیں ۹۱ھ میں وفات پائی۔ صحیح بخاری میں دو سو ستر روایتیں انکی موجود ہیں (صفحہ ۵۵۹ مقدمہ فتح الباری) مگر یہ شخص ایسا ناصبی تھا کہ جناب امیرؑ اور تمامی اہلبیت طاہرین سے اس کو عداوت تھی۔

چنانچہ حدیث طیر مشہور و متواتر حدیث ہے جس میں رسول اللہؐ نے دعا کی تھی کہ خداوندا جو سب سے زیادہ تیرا محبوب ہو اسکو لا کہ ہمارے ساتھ اس کباب طائر کو کھائے۔ جناب امیرؑ آئے تو انس نے جو بیرون در تھے یہ کہکر واپس کر دیا کہ رسول اللہؐ مشغول ہیں ایک ساعت کے بعد پھر تشریف لائے تو پھر انس نے وہی کہا تو حضرت نے کہا اے انس کھول دے دروازہ کہ بہت زیادہ ہوا کہ تو نے انکو پھیرا۔ انس نے کہا ہم چاہتے تھے کہ کوئی شخص انصار سے ہو تا پس داخل ہوئے جناب امیرؑ اور کھایا حضرت کے ساتھ۔ آں حضرتؐ نے فرمایا یہ شخص اپنی قوم کو دوست رکھتا ہے۔ (کنز العمال)

روایت ریاض النضرہ میں ہے کہ حضرتؐ نے ایک لقمہ کھایا تھا کہ دعا کی جناب امیرؑ آئے اور دق الباب کیا انس نے یہ کہہ کر کہ حضرت مشغول ہیں جناب امیرؑ کو نہ آنے دیا پھر حضرت نے ایک لقمہ کھایا اور دعا کی پھر جناب امیرؑ اور انس نے وہی فقرہ کہکر رخصت کیا تیسری دفعہ پھر حضرت نے ایک لقمہ کھایا اور دعا کی جناب امیرؑ تشریف لائے اور انس نے وہی کہا تو جناب امیرؑ نے انس کو مارا اور آواز بلند کی جس پر حضرت نے حکم دیا اے انس دروازہ کھولدے (استقصار صفحہ ۱۹)

چونکہ کتاب مستطاب عبقات الانوار ایک جلد خاص اسی حدیث کے تواتر و شہرت میں تصنیف ہوئی لہذا زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں مگر یہ تو بالیقین معلوم ہوا کہ انس ایسے بزرگ تھے کہ صرف جناب امیرؑ سے عداوت ہی نہیں تھی بلکہ خود رسول اللہؐ پر حضرت کے سامنے افترا کرتے کہ حضرت تو دعا کرتے ہیں کہ احب الخلق کو لا اور جناب امیرؑ آتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ مشغول ہیں اب اس سے بڑھ کر اور کیا افترا ہو سکتا ہے وہ بھی ایک دفعہ نہیں بلکہ دو بلکہ تین مرتبہ کہ جناب امیرؑ نے انکو مارا اور آواز بلند کی تب اس نے اندر داخل ہونے دیا۔

روایت کنز العمال میں خود پیغمبرؐ کی زبانی اُن کی برأت ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت نے فرمایا ہر شخص اپنی قوم کو دوست رکھتا ہے مگر افسوس اس سے انس کو کیا فائدہ ملا کیونکہ محبت اور چیز ہے اور خدا و رسول پر افترا اور چیز ہے رسول دعا کرتے ہیں کہ احب الخلق کو لا۔ خدا جناب امیرؑ کو بھیجتا ہے۔ انس جھوٹ بول کر پھیر دیتے ہیں کیا یہ محبت قوم کہلا سکتی ہے؟

اب اربعین علامہ جلال الدین محدث کی ملاحظہ فرمایئے کہ تواتر حدیث غدیر میں لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت کے پاس آئے اور کہا السَّلَامُ علیك یا امیرالمومنین السَّلَامُ علیك یا مولانا تو حضرت نے موجودین صحابہ سے کہا کہ جس نے رسول اللہؐ سے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کو سنا ہو وہ گواہی دے۔ بارہ صحابی نے گواہی دی مگر انس بن مالک اور براء بن عازب نہ اُٹھے نہ گواہی دی۔

تو جناب امیرؑ نے انس اور براء بن عازب سے پوچھا کہ تم نے کیوں نہ گواہی دی حالانکہ تم دونوں نے بھی اسی طرح سنا تھا جس طرح سب نے سنا تھا پھر فرمایا خداوندا ان دونوں نے ازراہ عناد کتمان کیا ہے تو ان دونوں کو مبتلائے مصیبت کر

براء بن عازب تو اسکے بعد اندھے ہوئے کہ اپنے گھر کی راہ لوگوں سے پوچھتے اور کہتے کیونکر راہ پاسکتا ہے وہ شخص جس پر بددعا پڑے اور انس کو عارضہ برص ہوا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب انس نے نسیان کا عذر کیا تو حضرت نے فرمایا خداوندا اگر یہ جھوٹا ہے تو اسکو برص میں مبتلا کر جسے عمامہ نہ چھپا سکے۔ اس کے بعد انس کا چہرہ ایسا مبروص ہوا کہ اُس پر برقعہ ڈالے رہا کرتے

اس زمانہ کے مشہور مولوی عبد الشکور نے ترجمہ اسد الغابہ میں اس پر یوں پردہ ڈالا ہے:۔

"اور اپنی دونوں کہنیوں پر خلوق لگایا کرتے تھے اس سبب سے کہ اُن کہنیوں میں کچھ سپیدی تھی"

جس پر حاشیہ دیتے ہیں، خلوق ایک قسم کا اوبٹن ہوتا ہے سپیدی کا عیب چھپانے کے لئے اُس کو لگاتے ہیں" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۱ ص۵۰)

مگر یہ نہ لکھا کہ ان کو برص ہو گیا تھا نہ یہی لکھا کہ یہ نتیجہ بددعائے جناب امیرؑ کا تھا جبکہ حضرت کو خلافت مل چکی ہے احکام آپکے نافذ ہو رہے ہیں اُس وقت تو اس طرح چھپایا واہ رے برحال اُس زمانہ کے کہ حضرت کے مخالفین سریر آرائے خلافت ہیں کس طرح ان لوگوں نے کتمان حق کیا ہوگا۔

اس پر طرہ سنیئے کہ یہ انس بن مالک ایسے بزرگ ہیں کہ ریشمی عمامہ اور جُبہ خز و مطرف خز پہنا کرتے جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے حالانکہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں محروم رہے گا۔ انس کا عذر بھی قابل دید ہے کہ لوگوں نے پوچھا دوسروں کو تو آپ ریشمی کپڑے پہننے سے منع کرتے ہیں آپ خود کیوں پہنا کرتے ہیں تو کہا ہمارے امراء ہمکو پہنا دیا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس لباس کو ہم پر دیکھیں۔

پھر بتائیے ایسا شخص کس درجہ کا ایماندار ہوگا۔

کتاب الاوائل ابو ہلال عسکری میں ہے کہ:۔

انس بن مالک کو حجاج نے سابور کا حاکم مقرر کیا تھا جو زمین فارس میں ہے دو سال وہاں رہے۔ مگر نماز کو قصر کرتے اور روزہ ماہ رمضان کا نہ رکھتے اور کہا کرتے کہ دیکھئے کب ہم یہاں سے معزول ہوتے ہیں۔

انھیں وجہوں سے تو امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے ہیں:۔

اترك قولي بجميع اقوال الصحابة الا ثلثه منهم ابوهريره وانس بن مالك وسمرة بن جندب (صحاح فضائل علامة الاخيار للكفوى)۔

کہ ہم سب صحابہ کے قول کے مقابلہ میں اپنا اجتہاد چھوڑ دیں گے مگر ابوہریرہ۔ انس بن مالک۔ سمرہ بن جندب کے قول کے مقابلہ میں ہم اپنا اجتہاد نہیں چھوڑ سکتے۔

اس سے زیادہ توضیح کی ضرورت ہو تو کتاب مستطاب استقصار الافحام جلد ۲ ص۱۸۶ ملاحظہ ہو۔

اس تحریر سے آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ شخص کیسا ناصبی اور دشمن جناب امیرؑ تھا کہ حدیث طیر میں وہ کارروائی کی۔ حدیث غدیر میں یہ کارروائی۔ پھر اُس نے اگر نصرت جناب امام حسینؑ ترک کی تو کونسا تعجب ہے

جب ابن زیاد ملعون کے اس ظلم شدید پر بھی انکو اسلامی جوش نہ آیا۔

خدا نے دنیا ہی میں اس کا عذاب چکھا دیا کہ جب حجاج کی طرف سے حاکم بن کر یہ سابور میں گیا تھا اسی حجاج نے انکی گردن پر مہر لگا دی تھی چنانچہ مولوی عبد الشکور ترجمہ اسد الغابہ میں لکھتے ہیں صفحہ ۱۰۰ جلد اول

میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ ان کے گلے میں مہر دی ہوئی تھی حجاج نے تمام صحابہ کی گردنوں پر مہر دے دی تھی۔ یہ مہر حجاج نے بغرض توہین دی تھی اس کا سبب ہم نے سہل بن ساعدی کے تذکرہ میں بیان کیا ہے۔

پھر جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ میں لکھتے ہیں:۔

سہل رسول خدا کی وفات کے دن پندرہ برس کے تھے اور سہل طویل العمر ہوئے ہیں یہاں تک کہ انھوں نے حجاج بن یوسف کے زمانہ کو پایا اور اسکے وقت میں وفات پائی۔ حجاج نے ۷۴ھ میں سہل کو لکھا کہ تم کو امیر المومنین حضرت عثمان کی مدد کرنے سے کس چیز نے روکا تھا انھوں نے جواب دیا میں نے مدد کی تھی حجاج نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو پھر حکم دیا کہ ان کی گردن میں مہر لگا دی جائے۔ اور انس بن مالک کی گردن میں بھی مہر لگائی تھی یہاں تک کہ عبد الملک بن مروان کا حکم ان کے بارے میں حجاج کے پاس آگیا۔ اور جابر بن عبد اللہ کے بھی ہاتھ میں مہر لگا دی گئی تھی مقصد اس مہر لگانے سے یہ تھا کہ ان لوگوں کو ذلیل کرے اور تاکہ لوگ ان سے دور رہیں اور ان لوگوں سے سماعت حدیث نہ کریں۔ (صفحہ ۱۰۵)

لیجئے انس کے ساتھ سہل بن ساعدی بھی مل گئے جنھوں نے امام حسینؑ کی نصرت نہیں کی اور اپنی جان بچائی اور فرزند رسول کو ذبح ہونے دیا جس سے خدا نے ان کو یہ عذاب دیا کہ جب تک زندہ رہے اس طرح کے عذاب میں مبتلا رہے۔ سہل بن سعد ساعدی کی یہ روایت شیعوں میں بہت مشہور ہے کہ جب وقت اسیران کربلا داخل دمشق ہوئے تو ان سے ملاقات ہوئی ہے اور بہت کچھ ان کے حالات پر گریہ وزاری کیا ہے۔ مگر یہ نہ ہوسکا کہ کچھ مدد کرتے اور کمر سے کم فوج یزیدی سے لڑتے اور جام شہادت نوش کرتے۔

اہلسنت ان صحابہ کے بارے میں یہ عذر کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں اس کی طاقت نہ تھی کہ ان اشرار سے مقابلہ کرتے مگر یہ عذر صرف اہلبیت اطہارؑ کی نصرت نہ کرنے میں چلتا ہے ورنہ اپنے ذاتی اغراض میں فوج کشی وغیرہ سب کر جاتے ہیں۔ چنانچہ ۷۶ھ ہجری میں واقعہ کربلا کے پندرہ برس بعد جب کہ زمانہ حکومت حجاج تھا۔ تو اہل بصرہ نے حجاج پر خروج کیا ہے۔ تو اس میں انس کا بیٹا مارا گیا۔ جب یہ فتنہ فرو ہو گیا تو انس حجاج کی ملاقات کو تشریف لائے تاریخ کامل میں ہے۔

یعنی جب بن مالک حجاج کے دربار میں گئے تو حجاج نے کہا نہ مرحبا ہو اے پسر خبیثہ شیخ ضال جو ہر فتنہ میں گھومنے والا ہے گاہے ابو تراب (جناب امیرؑ) کے ساتھ گاہے ابن الزبیر کے ساتھ۔ گاہے ابن الجارود کے ساتھ۔ قسم خدا کی ہم اس طرح تیری کھال کھینچیں گے جس طرح گوہ کی کھال پکانے کے بعد چھڑائی جاتی ہے۔ اور اس طرح تجھے باندھیں گے جس طرح درخت سلم باندھا جاتا ہے (ایک درخت ہے جب کاٹا جاتا ہے تو اس کے

تے باندھ دیتے جاتے ہیں) اور اس طرح تیرا قلع قمع کریں گے جس طرح گوند کبھی درخت کا چھیلا جاتا ہے۔

مگر نہ معلوم یہ ملعون حجاج بن نے جناب امیرؑ کا نام کیوں لیا صرف صحابی رسولؐ ابی تراب کیونکہ انس نے تو کسی زمانہ میں بھی حضرتؑ کی نصرت نہیں کی بلکہ ہمیشہ مخالفت رہا عہد رسول اللہ میں بھی اور عہد خلفائے ثلاثہ میں بھی بلکہ خود عہد جناب امیرؑ میں کہ جب حضرتؑ نے حدیث غدیر پر گواہی لی تو انس نے گواہی نہ دی جس پر حضرتؑ نے بد دعا کی ہے اور حضرتؑ کی بد دعا سے وہ مبروص ہوئے پھر انھوں نے جناب امیرؑ کا کب ساتھ دیا جو حجاج اس طرح کہہ رہا ہے۔

بہرحال ہماری غرض انس بن مالک کے تذکرے سے یہ ہے کہ اگر صحابہ سے صرف یہی شخص جناب امام حسینؑ کی نصرت پر آمادہ ہوتا تو حضرتؑ اس غربت سے شہید نہ ہوتے کیونکہ خود انس کی اتنی اولاد تھی کہ اسد الغابہ میں ہے جس کا ترجمہ مولوی عبدالشکور صاحب نے چھپوایا ہے۔

جب ان کی وفات ہوئی تو انکے لڑکے اور لڑکیوں کے لڑکے ملکر ۱۲۰ تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں قریب سو تھے ان کی انگوٹھی میں بیٹھے ہوئے شیر کی تصویر تھی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد اول ص۲۱)

یہ اپنے دانتوں کو سونے کے تاروں سے باندھتے تھے اور بڑے قادر تیرانداز تھے اپنے بیٹوں کو بھی حکم دیتے تھے کہ میرے سامنے تیراندازی کرو کبھی خود بھی انکے ساتھ تیراندازی کرتے تھے اور آپ کا تیر اکثر نشانہ پر لگتا تھا اس وجہ سے غالب آجاتے تھے۔

تو کیا ایسا صحابی رسولؐ اگر امام حسینؑ کا ساتھ دیتا تو ممکن تھا حضرتؑ اس بیکسی سے شہید ہوتے کیونکہ خود حضرتؑ کے ۷۲ اصحاب نے فوج یزیدی کو تہ و بالا کیا تھا پس اگر انس اپنے انھیں لڑکوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تو کتنی قوت بڑھ جاتی۔ مگر جس صحابی کے دل میں بت پرستی کا یہ ذائقہ بڑھا ہو کہ وہ اپنی انگوٹھی میں شیر کی تصویر رکھے حالانکہ کس قدر حضرتؐ کی تاکید انکے بارے میں ہے اُس سے کیا امید ہو سکتی ہے۔

اڈیٹر النجم اس پر حاشیہ دیتے ہیں۔

"غالباً یہ واقعہ اس سے پہلے کا تھا جبکہ تصویر کی حرمت شرع میں وارد ہو"

مگر یہ ایسی تحریر ہے کہ جہاں تک مضحکہ کیا جائے کم ہے کہ آپ خود لکھتے ہیں" انگوٹھی میں بیٹھے ہوئے شیر کی تصویر تھی" جس سے معلوم ہوا کہ وقت موت تک وہ انگوٹھی اُن کے ہاتھ میں تھی پھر یہ تاویل کیسی لغو ہے۔ کیا جو کام لاعلمی میں ہو یا ایک دفعہ کوئی لغزش ہو جائے اس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے اور جو شخص روزہ نہ رکھے ریشمی لباس پہنے اس سے اس با تصویر انگوٹھی پر تعجب ہو سکتا ہے؟ اگر ان کی یہ حالت نہ ہوتی تو ابو حنیفہ ان کی تقلید سے کیوں انکار کرتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابتدائے خلافت ثلاثہ سے یہ ایسے معزز تھے کہ تمامی خلفا ان کی عزت کرتے۔ چنانچہ سب سے پہلے خلیفہ اول نے ان کو حاکم بحرین مقرر کرنا چاہا تو عمر سے مشورہ لیا انھوں نے بہت تعریف کی اور مقرر کر دیا۔ ملاحظہ ہو استیعاب صفحہ۔

اُس کے بعد سے ہر خلیفہ کے زمانہ میں اُن کا وہ عروج رہا کہ ابن زیاد کے دربار میں جب جناب امام حسینؑ کا سر اقدس آیا ہے اور اُس ملعون نے بے ادبی کی ہے تو انس چپکے دیکھتے رہے جب اس ملعون نے حضرت کے حسن وجمال میں کچھ کلام کیا تو اُنھوں نے کہا حضرت تو رسول اللہ سے بہت مشابہ تھے مگر ابن زیاد کو اس کی جرأت نہیں ہوئی کہ انس پر کچھ عتاب کر سکے ملاحظہ ہو الآل والاصحاب حصہ اول۔

پھر کیا ممکن تھا کہ اگر انس جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہوتے تو اس طرح شہید کر دیے جاتے اور انکی سعی وسفارش کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔

دیکھئے جب حجّاج نے انس کے ساتھ اس طرح سے کلام کیا تو انس نے عبدالملک کو انکی خبر دی جس پر عبدالملک نے وہ تہدید آمیز خط حجاج کو لکھا کہ جب وہ خط حجاج کے سامنے پڑھا جانے لگا تو اسکے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ اور خاک اُڑاتی جاتی تھی اور پیشانی سے پسینہ آرہا تھا۔ (تاریخ کامل جلد ۴)

تو کیا ممکن تھا کہ یزید پر اُن کے خط کا اثر نہ پڑتا۔ یا ابن زیاد اُنکی سفارش کو نہ سنتا یا اُنکو ہمراہ جناب امام حسینؑ دیکھ کر کوئی تلوار اُٹھاتا؟ ہرگز نہیں دیکھئے جب حجاج حسب التحریر عبدالملک اُن کے پاس معذرت کرنے آیا ہے تو انس نے ایک طولانی تقریر کی ہے جسکے آخری فقرات یہ ہیں:۔

قسم خدا کی اگر نصاریٰ باوجودیکہ وہ کافر تھے کسی ایسے شخص کو دیکھ لیتے جس نے صرف ایک دن حضرت عیسیٰ بن مریم کی خدمت کی تھی تو وہ اُس شخص کے حق کا اعتراف کرتے جبکہ تم مسلمان ہونے کے باوجود میرے حق کو نہیں پہچانتے حالانکہ میں نے دس برس تک رسول اللہ کی خدمت کی ہے۔ اس کے بعد بھی ہم اگر خیر دیکھیں گے تو شکر خدا بجا لائیں گے ورنہ صبر کریں گے۔ اس کے بعد حجاج نے جو کچھ لیا تھا سب واپس کیا۔

مگر ہائے کون تھا جو انس سے پوچھتا کہ آپکو محض خدمت رسولؐ پر یہ ناز تھا حالانکہ خدمت تو خادموں کا کام ہی ہے۔ بخلاف جناب امیرؑ وحسنینؑ کے کہ نفس رسولؐ وخلیفۂ رسولؐ فرزند رسولؐ ہیں اُنکی آپنے کیا قدر ومنزلت کی کیا وہ حضرات آپ کے اعمال وافعال پر نہ کہتے ہوں گے کہ ایسے ایسے صحابہ وخدام سے لاکھ درجہ بہتر وہ نصاریٰ ہیں جو ایک سُم خر حضرت عیسیٰ کی یہ عزت کرتے ہیں اور یہ صحابہ ایسے تھے کہ انکے سامنے فرزند رسولؐ بلاقصور ذبح کر دیا گیا مگر ان کو جوش نہ آیا کیا خوب لکھا ہے سبط ابن الجوزی نے کہ:۔

"کیا رسول اللہ کا انس پر اتنا بھی حق نہ تھا کہ وہ ابن زیاد کے اس فعل پر جو دندان امام حسینؑ پر چھڑی لگاتا تھا اعتراض کرتے اور منع کرتے" ملاحظہ ہو عینی شرح صحیح بخاری صفحہ ۶۵۵ جلد ۷

افسوس کہ انس اتنے دنوں تک خدمت رسولؐ کرتے رہے مگر اُن کا دل نور ایمان سے ایسا خالی تھا کہ کبھی اس پر غور نہ کیا کہ خدا فرماتا ہے:۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

یہ اس لیے ہے کہ خدا انہیں بدلتا اس نعمت کو جو کسی قوم کو دیتا ہے۔ جب تک وہ خود نہ بدلیں اور اللہ سمیع و علیم ہے۔

اس آیت پر اگر وہ غور کرتے تو معلوم ہوتا کہ یہ نتیجہ انھیں بد اعمالیوں کا ملا ہے جو انھوں نے حرمت رسول کو آل رسول کے بارے میں ضائع کیا۔ خدا فرماتا ہے:۔

ذالک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید

یہ سزائیں ان اعمال کے بدلے میں ملی ہیں جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجی ہیں اور خدا تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اصابہ میں ہے:۔

ام سلیم مادر انس نے حضرت سے عرض کیا کہ انس کے لیے دعا فرمائیے جس پر حضرتؐ نے فرمایا خدایا اُس کے مال اور اولاد کو زیادہ کر اس میں برکت عطا فرما۔ انس کہتے ہیں کہ یہ اسی دعا کی برکت ہے کہ میں نے اپنے صلبی اولاد سے ایکسو پچیس لڑکوں کو دفن کیا علاوہ پوتا پوتی کے۔ اور ہماری زمین سال میں دو مرتبہ پھل لاتی ہے۔ (اصابہ جلد اول صفحہ)

مگر ہائے انکو ان حقوق کا کچھ نہ خیال ہوا جو فرزند رسول کی حمایت کرتے اور باغ رسول کو اس پامالی سے بچانے یا اسمیں کوشش کرتے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ خداوند عالم اس کا بدلہ دنیا میں بھی نہ دیتا۔

خداوند عالم فرما چکا ہے۔۔ وان تتولوا یستبدل غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم (سورۂ محمد)

اے صحابہ اگر تم منہ پھیرو گے تو تمھارے بدلے دوسرے لوگوں کو لائے گا اور وہ تمھاری طرح نہ ہوں گے۔

غور کرو کس طرح خدا نے اپنے وعدہ کو پورا کیا انکے بد اعمالیوں کی بدولت کس طرح خدا نے ان صحابہ کے بدلے اُن لوگوں کو پیدا کیا جو اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور کسی طرح اُنکی تقلید یا تتبع کو جائز نہیں جانتے کیونکہ صحابہ تو بالکل دنیا پرست تھے نہ دوستدار خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

انس حضرتؐ کی دعا پر بہت خوش تھے اور اہل سُنت بھی بہت خوش ہیں مگر انکو نہیں معلوم کہ حضرت نے کیسی دعا دی تھی جس سے اور بھی اُنکی بداعمالی ظاہر ہے۔ کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے:۔

فلا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوٰۃ الدنیا وتزھق انفسھم وھم کافرون۔

کہ تم کو اُن کا مال اور اولاد تعجب میں نہ ڈالے کہ اس سے خدا اُن پر عذاب کرنا چاہتا ہے زندگانی دنیا میں اور یہ کہ انکی جان نکلنے لگے تو وہ کافر رہیں۔ (جس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا نہ تھی بلکہ بد دعا تھی)

ہر حال جو واقعہ حجاج و عبد الملک کا ہم نے یہاں انس کے بارے میں لکھا ہے اُس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں انس کی برأت ہوئی کیونکہ عبد الملک نے ان کی بہت کچھ سفارش کی تھی۔ اور حجاج کو اُن سے معذرت کرنے پر مجبور کیا تھا۔ مگر ان کے اعمال ایسے نہ تھے کہ وہ برأت قائم رہتی اور آخر ان کے گلے میں مہر لگا ہی

دی چنانچہ استیعاب میں ہے:

اسحاق بن زید بیان کرتا ہے میں نے انس کو دیکھا کہ اُن کے گلے میں مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ مہر حجاج نے لگائی تھی ان کو ذلیل کرنے کے لیے (صفحہ ۲۲)

اسد الغابہ میں ہے صفحہ ۱۰۱:۔ میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ ان کے گلے میں مہر دی ہوئی تھی۔ یہ مہر حجاج بغرض توہین دی تھی جو حجاج نے تمام صحابہ کی گردنوں پر مہریں دی تھی جس سے معلوم ہوا کہ یہ کس کی دوسری شرارت کی بدولت ہوا۔

بہر حال ہم کو ان صحابہ کے تو کسی امر پر تعجب نہیں آتا کیونکہ ان کا نصب العین ہی دنیا تھی جس ذریعہ سے بھی دنیا انکو ملتی کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھتے کیونکہ انھیں صحابہ میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے واقعہ عقبہ میں خود آں حضرتؐ کو ہلاک کرنا چاہا۔ اور انھیں صحابہ میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے حضرت کے جنازہ کو بے غسل وکفن چھوڑا اور سقیفہ میں جاکر اپنا کام پورا کیا۔ مگر تعجب ہے اس زمانہ کے مسلمانوں سے جن کو نہ سلطنت مل سکتی ہے نہ کسی طرح کی حکومت۔ بلکہ جو کچھ ہے کمانا اور فکر عقبیٰ کرنا۔ وہ کیوں ان صحابہ کے پیچھے پڑے ہیں اور چاہتے ہیں انکی بداعمالیوں پر پردہ ڈالیں اور مسلمانوں کو دھوکا دیں۔ حالانکہ اب یہ پردہ فاش ہو چکا ہے کہ ابجد خواں بچے بھی اس سے مطلع ہیں اگر آپ کو یاد نہ ہو تو لکھنؤ کا رسالہ النجم دیکھیے جو نمبر ا جلد ۹ میں لکھتا ہے۔

"جب کوئی شخص واقعۂ شہادت بیان کرے تو لازم ہے کہ جو صحابۂ کرام اس زمانہ میں موجود تھے اور اُن کو سیدنا حسینؓ کے عزم کربلا کی اطلاع ہوئی مگر وہ شریک نہ ہو سکے مثل حضرت جابر بن عبداللہ حضرت ابو سعید خدری و حضرت ابو واقد لیثی اور حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان حضرات کے شریک نہ ہونے کے واقعی اعذار جو نہایت قوی و صحیح ہیں بیان کیے جائیں اور ان حضرات کو جو تعلق جناب ممدوح سے تھا اور جو صدمہ اُن کو اس واقعہ سے پہونچا سب بیان کرنا چاہیئے۔ افسوس کہ کوئی شہادت نامہ ایسا موجود نہیں ہے جس میں یہ تمام باتیں بیان کی گئی ہوں ورنہ میں اس مقام پر اسکا نام ضرور لکھ دیتا۔"

پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں "حضرت ممدوح کی شہادت دفعۃً دفعۃً واقع ہو گئی جس کا تمامتر سبب یہ تھا کہ وہ شیعیان کوفہ کے فریب میں آگئے۔

صحابۂ کرام میں جن حضرات کو آپ کا عزم سفر بجانب کوفہ معلوم ہوا۔ انھوں نے آپ کو روکا اور بہت روکا۔ مگر ہونے والی بات کو کون روک سکتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں۔ ترجمہ
اہل کوفہ نے اُن کو حضرت معاویہ کے زمانہ سے دعوت کے خطوط بھیجنے شروع کر دیے تھے مگر وہ برابر انکار کرتے رہے دلیوں کہ حضرت معاویہ کو امام واجب الاطاعۃ بعد بیعت حضرت حسنؓ کے نہ صرف وہ

بلکہ تمام مسلمان تسلیم کر چکے تھے) مگر جب یزید کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو اُن کو تردد پیدا ہوا کبھی ارادہ ہوتا تھا کہ مکہ یا مدینہ میں رہیں کبھی کوفہ جانیکا قصد کرتے تھے۔ حضرت ابن زبیر نے اُن کو جانے کا مشورہ دیا اور حضرت ابن عباس ان سے کہتے رہے کہ تم یہ ارادہ نہ کرو اور حضرت ابن عمرؓ نے اُن سے کہا۔ نہ جاؤ دیکھو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جب دنیا اور آخرت میں اختیار دیا تو اُنھوں نے آخرت کو ترجیح دی تم اُنھیں کے ایک جزء ہو۔ تم کو بھی دنیا (کی خلافت) حاصل نہ ہوگی (جسکے لیئے کوفہ کا عزم رکھتے ہو) یہ کہہ کر حضرت ابن عمرؓ کو جوش محبت نے بے چین کر دیا اور (انھوں) نے حضرت حسینؓ کو لپٹا لیا اور رو دیئے اور رخصت کیا بعد اسکے حضرت ابن عمر برابر کہا کرتے تھے کہ حسینؓ نے ہمارا کہنا نہ مانا اور چلے گئے حالانکہ اُن کے باپ اور بھائی کے ساتھ اہل کوفہ نے جو معاملات کیئے۔ لائق عبرت تھے ایسی ہی گفتگو حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو واقد لیثی نے بھی کی مگر حضرت حسینؓ نے نہ مانا اور جانے کا ارادہ پختہ کر دیا تو حضرت ابن عباس نے کہا کہ قسم اللہ کی میں گمان کرتا ہوں کہ آپ اپنے بیٹوں اور عورتوں کے درمیان میں قتل کیئے جائینگے جیسے حضرت عثمان قتل کیئے گئے تھے۔

پھر بعد واقعہ شہادت کے بعض صحابہ نے برملا اُن ظالمین کے روبرو ہی منکر فرمایا جو اُنکی مغلوبیت، محبت حسین پر روشن دلیل ہے۔ (النجم صلا نمبر۱ جلد ۹)

الجواب:- اس عبارت سے یہ تو آپ کو یقیناً معلوم ہوا کہ ابن عمر۔ جابر بن عبد اللہ انصاری۔ ابو سعید خدری ابو واقد لیثی، ابن عباس اس وقت موجود تھے۔ مگر کسی نے نصرت نہیں کی۔ ابن عمر نے سب سے زیادہ مبالغہ کیا مانع ہوئے۔ معانقہ کر کے روئے مگر نصرت امام کے لیئے نہ نکلے۔ چونکہ ان لوگوں کے حالات آئندہ مذکور ہوں گے کہ ترک نصرت امام سے یہ لوگ کس عذاب میں مبتلا ہوئے لہذا اُس سے ہم یہاں تعرض نہیں کرتے۔ مگر اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ صحابہ کا اجماع حضرت کے خلاف تھا خواہ دربارہ مطلق خروج ہو یا دربارہ قیام خانہ کعبہ اور ابن عمر کا قول تو پہلے بھی مذکور ہو چکا کہ وہ مطلق مخالفت یزید کے مانع تھے مگر چاہتے تھے کہ جس طرح ہم یزید کے غلام بنے ہیں ایسے ہی حضرت بھی غلامی قبول فرمائیں تو اب دو ہی صورت ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ حضرت کی رائے غلطی پر ہو۔ یا صحابی کی حضرت کی رائے تو غلط ہو نہیں ہو سکتی کیونکہ واقعات مابعد نے بتا دیا کہ جن لوگوں نے حضرت کی رائے کی مخالفت کی تھی آخر انکو بھی یزید کی مخالفت کرنا پڑی۔ اور وہ لوگ بھی اسی طرح مارے گئے اگرچہ خانہ کعبہ ہی میں کیوں پناہ لی ہو لہذا رائے صواب وہی تھی جو امام نے اختیار کی تھی۔ کیونکہ اگرچہ حضرت بھی شہید ہوئے مگر دین خدا کو قائم کر گئے بخلاف اُن صحابہ کے کہ مارے بھی گئے اور کوئی کار دین بھی نہ کر گئے۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہی سب غلطی پر تھے اور یہ الزام اُن پر بدستور قائم رہا کہ فرزند رسول کی کسی نے حمایت نہ کی۔ دین اسلام کے لیئے کوئی سینہ سپر نہ ہوا کیونکہ جو صحابہ اسکے بعد مارے گئے وہ دین کی حمایت میں نہیں مارے گئے بلکہ دوسرے دوسرے جرائم پر جو درحقیقت عذاب خدا تھا اُن پر بوجہ ترک نصرت امام علیہ السلام۔

اڈیٹر صاحب نے جو حواشی چڑھائے ہیں وہ تو بخوبی اُنکی ناصبیت کو ظاہر کر رہے ہیں کیونکہ اگر جناب امام حسنؑ نے معاویہ کو اس صلح کے ذریعہ سے حقدار خلافت تسلیم کیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رسول اللہ نے بھی کفارِ مکہ کو حقدار تصور کیا جن سے حضرتؐ نے اس طرح دیکر صلح کیا تھا کہ عمر صاحب کہا کرتے اگر ہمکو ستر آدمی بھی مل جاتے تو ہم اس صلح کو توڑ دیتے۔ بس اگر محض مصالحت سے تسلیم حقیقت ہو جاتی ہے تو سب سے پہلے یہ الزام رسولؐ پر آتا ہے کہ کفار سے حضرتؐ اکیس برس تک لڑتے رہے اُن کی حقیت کو تسلیم کر لیا حالانکہ تمام اہل علم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ کو صلح حدیبیہ میں وہ مجبوری نہ تھی جو جناب امام حسن کو صلح معاویہ میں تھی۔

نہیں نہیں بلکہ سب سے پہلے یہ الزام خدا پر آتا ہے جو رسولؐ کو اس صلح کا حکم دے رہا ہے۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم۔

اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اُدھر مائل ہو جاؤ اور خدا پر توکل کرو کہ وہ سمیع و علیم ہے۔

اس سے بھی بطلان اجماع اور حقیت نفس ظاہر ہوئی کیونکہ خلیفہ دوم جو روح رواں اجماع ہیں وہ اس صلح کے بالکل مخالف ہیں مگر عمل رسولؐ بالکل اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ حکم خدا عموم صلح یہ ہے کہ اگر وہ صلح پر مائل ہوں تو تم بھی اُدھر میل کرو۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ رسولؐ خدا اس حکم کو چھوڑ کر اہل ضلالت کے اس باطل اجماع کو قبول کرتے یہی سیرت جناب امام حسنؑ تھی کہ جب دیکھا معاویہ صلح پر آمادہ ہے تو حضرت نے صلح فرما لیا کیونکہ خود قرآن میں ہے الصلح خیر صلح بہتر ہے۔

بس اگر نفس صلح سے خواہ کسی حال میں ہو تسلیم حقیت لازم ہے تو سب سے پہلے خدا پھر اس کا رسولؐ حقیت کفار کو تسلیم کرنے والے قرار پاتے ہیں جس پر شاید کسی طرح اڈیٹر صاحب الجم ایمان نہ لائیں حالانکہ خود جناب امام حسنؑ کا قول بعد اس صلح کے تاریخ کامل میں موجود ہے۔

وکتب الی معاویۃ لو اثرت ان اقاتل احدا من اھل القبلۃ لبدءت بقتالک فانی ترکتک لاصلاح الامۃ وحقن دمائھا (صفحہ ۱۹۲ جلد ۳)

کہ جب معاویہ نے قتال فروہ خارجی کی حضرتؑ کو دعوت دی تو جناب امام حسنؑ نے لکھا اگر ہم قتال کو کسی اہل قبلہ کے اختیار کرتے۔ تو سب سے پہلے تجھی سے قتال شروع کرتے کیونکہ ہم نے تو تجھے اسی لیے چھوڑا ہے کہ امت کی اصلاح ہو اور خونریزی موقوف ہو۔

اگر آپ حضرتؑ کے اس قول سے تسلیم حقیت معاویہ سمجھتے ہیں۔ تو پھر نہ معلوم عدم تسلیم حقیت کن لفظوں سے ظاہر ہو سکتا ہے۔

آپ لکھتے ہیں: "کہ معاویہ کو جناب امام حسینؑ اور تمامی مسلمان امام واجب الاطاعت تسلیم کر چکے تھے"

مگر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ امام و خلیفہ کیا کسی نے ان کو تو مسلمان کبھی نہیں سمجھا تھا۔ جبھی تو خدا و رسولؐ کے علاوہ خود حضرت عائشہ اُن پر لعنت کرتیں۔ بلکہ عمرو عاص بسر بن ارطاۃ وغیرہ صحابہ بھی جو اُن کے ذلہ خوار تھے اُن پر لعنت

کیا کرتے۔ امام شافعی تو اس قابل بھی نہیں جانتے کہ انکی شہادت قبول ہو۔ تو کیا ایسا شخص مسلمان کہا جا سکتا ہے جس کو اتنے صحابہ واجب اللعن جانیں آپنے کیا قول جناب امام حسینؑ اظن ان طاغیتھم قد هلك۔ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ میں نہیں ملاحظہ فرمایا ہے تو کیا جس شخص کو کوئی طاغیہ کہے اس کو امام بھی سمجھ سکتا ہے۔

اگر جناب امام حسینؑ معاویہ کو امام واجب الاطاعت سمجھتے تو پھر اطاعت یزید سے کس طرح مخالفت فرماتے کیونکہ امام تو ہر امر میں واجب الاطاعت ہوتا ہے اور یزید کی خلافت پر اس نے نص کر دی تھی لہذا اگر امام حسینؑ معاویہ کو خلیفہ بلکہ مسلمان بھی سمجھتے تو کیونکر مخالفت کرتے۔ کیا آپ کو خلیفہ دوم کا حال نہیں معلوم کہ باوصفیکہ کل صحابہ ان کے خلافت کی ابتدا میں مخالف تھے مگر چونکہ ابوبکر نے ان کو بالنص خلیفہ کر دیا سب ساکت ہو گئے ہم ابوبکر خلیفہ مان چکے ہیں۔ پھر ان کے خلیفہ کو ماننا بھی ضروری ہے۔ بس اگر اسیطرح کسی نے معاویہ کو خلیفہ مانا ہوتا تو یزید کی مخالفت نہ کی جاتی کیونکہ وہ تو مثل عمر خلیفہ منصوص ہوتا اور اس کی مخالفت سے صحابہ پر وہی حکم جاری ہو حالانکہ کوئی سنی اس کا قائل نہیں ہے۔

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

"اہل کوفہ نے انکو حضرت معاویہ کے زمانہ سے دعوت کے خطوط بھیجنے شروع کر دئے تھے۔"

اس سے بھی معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ نے معاویہ کو خلیفہ مانا تھا نہ تمام مسلمانوں نے کیونکہ اگر مسلمانوں نے انکو خلیفہ مانا تو جناب امام حسینؑ سے کیوں استدعا کرتے۔ پس اس سے بھی ایڈیٹر صاحب النجم کا وہ بیان غلط ہوا جو اس کے مدعی ہوئے کہ حضرتؑ نے معاویہ کو خلیفہ مانا تھا۔

(۳) شیخ عبدالحق کا یہ قول کہ:۔ بعد بیعت یزید امام حسینؑ کو تردد ہوا محض غلط ہے کیونکہ تردد تو وہاں ہوتا ہے جہاں انسان کو علم نہ ہو اور یہاں تو جناب امام حسینؑ کو پورا علم ہے کہ کیا ہونے والا ہے کیا ہوگا۔ پھر کیونکر آپ کو تردد ہوتا۔

افسوس [illegible] ایسا شخص [illegible] ایسا دعویٰ کرتا ہے کہ اگر وہ قبول کیا جائے تو معاذ اللہ امام حسینؑ کا ایمان ہی [illegible] ہے کیونکہ جناب امام [illegible] پیغمبرؐ کی پیشین گوئیوں کی بنا پر اس واقعہ کا ویسا ہی یقین تھا جیسا کہ خدا کا یا اپنے وجود کا یقین تھا کیونکہ روز ولادت رسول اللہ نے اسکی خبر دے رہے تھے تو کیا کوئی شخص مسلمان ہو کر خبر رسول میں شک یا تردد کر سکتا ہے؟

اگر ہم ان احادیث کو لکھیں جن میں خود آں حضرتؐ نے اس کی خبر دی ہے تو ایک جلد اس میں تیار ہو سکتی مگر ہم مولوی مبین صاحب کی وسیلۃ النجات کا حوالہ کافی سمجھتے ہیں ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۰ مندرجہ اصلاح نمبر ۱ جلد ۱۴۔

کیا آپ نے تاریخ کامل صفحہ ۱۶ جلد ۴ میں یہ قول امام حسینؑ نہیں دیکھا ہے جو فرماتے ہیں:۔

وایم اللہ لو کنت فی جحر هامة من هذه الهوام لاستخرجونی حتی یقضوا بی حاجتهم واللہ لیعتدن علی کما اعتدت الیهود فی السبت۔

یعنی قسم خدا کی ہم سو روار کے سوراخ میں بھی چھپیں تو یہ ہمکو وہاں سے کال لینگے اور اپنے مطلب کو پورا کریں گے قسم خدا کی جس طرح یہود نے روز سبت پر تعدی کی اسی طرح یہ ہم پر تعدی کریں گے۔

پھر اُسی کامل میں ہے:۔

امام حسینؑ فرمایا کرتے تھے کہ قسم بخدا یہ ہمکو نہ چھوڑیں گے جب تک اس علقہ (قلب) کو ہمارے سینہ سے نکالیں جب ایسا کرینگے تو خدا اُنپر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو لتہ حیض سے بھی زیادہ ان کو ذلیل کرے۔

(جلد ۴ صفحہ ۱۶)

تو کیا ایسے شخص کی نسبت کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ آپکو تردد ہوا۔ حالانکہ خود شیخ صاحب اسماء الرجال مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

فلما بویع یزید اراد المسیر الیھم فمنعہ ابن عباس و ابن عمر (صفحہ ۱۰ ورق)

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو کسی طرح کا تردد نہیں تھا بلکہ بمجرد سماعت بیعت یزید آپنے قصد سفر کیا اگرچہ حضرت ابن عباس و ابن عمر مانع رہے مگر آپنے نہ مانا۔

آپ ابن الزبیر کے مشورہ کو لکھتے ہیں کہ اُس نے خروج کا مشورہ دیا جس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت نے اُسکے مشورہ پر عمل کیا ہو حالانکہ حضرت اس کے مشورہ سے بھی واقف تھے اور اسکی بدنیتی سے بھی۔ دیکھئے اُسی کامل میں ہے:۔

ابن الزبیر نے کہا جیسے آپکے شیعہ ہیں اگر ہمارے بھی ہوتے تو ہم تو ہرگز نہ چھوڑتے اسکے بعد خوف ہوا کہ کہیں لوگ متہم نہ کریں۔ پھر کہا اگر آپ حجاز میں قیام کریں گے اور اس کام کا ارادہ کرینگے تو ہم ہر طرح مدد دیں گے کسی طرح آپکے خلاف نہ کرینگے بیعت کرینگے خیر خواہی کریں گے۔ جناب امام حسینؑ نے فرمایا ہمارے پدر بزرگوار نے خبر دی ہے کہ خانہ کعبہ کے لئے ایک مینڈھا ہے جسکی بدولت اسکی حرمت برباد کیجائے گی۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ مینڈھا ہم ہوں۔ ابن الزبیر نے کہا تو آپ یہاں قیام فرماکر ہم کو نائب بنا دیجئے حضرتؑ نے فرمایا تم کچھ بھی نہیں جانتے پھر کچھ آہستہ باتیں ہونے لگیں جسکے بعد امام حسینؑ نے اور لوگوں سے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے کہ آپ خانہ کعبہ میں قیام کریں ہم لوگوں کو آپکے لئے جمع کرتے ہیں قسم خدا کی اگر ہم مور چیونٹی وغیرہ کے سوراخ میں بھی چھپ جائیں تو یہ وہاں سے نکال کر ہم کو قتل کرینگے اور مبتلائے عذاب ہونگے۔ اسکے بعد ابن الزبیر وہاں سے اُٹھکر باہر چلا گیا اور حضرتؑ نے فرمایا ہمارے ترک قیام مکہ سے بڑھ کر اسکو کوئی شئے دنیا کی محبوب نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے اگر ہم یہاں رہیں گے تو کوئی اس کو پوچھے گا بھی نہیں اسلئے چاہتا ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔

پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ حضرت کو اپنے نتیجہ کا تو یہ علم یقینی ہو اور مشورہ ابن الزبیر کو ایسا لغو سمجھتے ہوں کہ اسکو صیغہ راز میں بھی نہ رکھنا چاہیں۔ اب یہ فرمایا جائے کہ حضرت کو تردد ہوا یا مشورہ ابن الزبیر پر عمل کیا۔ حالانکہ ابن الزبیر کا کفر اور خاندانی عداوت آپ کو اچھی طرح معلوم تھی۔

اہلسنت میں جو لوگ مثل اڈیٹر النجم ہیں اُن کے نصب و خروج سے تو زمانہ واقف ہے۔ مگر جو لوگ ویسی خارجیت نہیں رکھتے مثل شیخ عبدالحق دہلوی وہ بھی آہستہ سے ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ بدن میں آگ لگ جائے۔ کہاں جناب امام حسینؑ اور آپ کو کفر یزید یا ابن الزبیر میں شک ہو یا تردد؟

اس سے بھی بطلان اجماع واضح طور پر ظاہر ہوا کہ ابن الزبیر۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ جابر بن عبداللہ ابوسعید خدری۔ ابو واقد لیثی سب کا اجماع ہے کہ آپ نہیں قیام فرمائیں مگر حضرت امام حسینؑ اس نص رسولؐ پر عمل کر رہے ہیں کہ "خانہ کعبہ کے لیے ایک مینڈھا ہے جس سے اسکی حرمت برباد ہوگی"

اب اہل اسلام غور کریں فعل امام حسینؑ صحیح ہے جو اس نص کے مطابق ہے یا اجماع صحابہ جسے انہوں نے حدیث رسولؐ کو غلط قرار دیں؟

کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ آں حضرتؐ کی حدیث غلط تھی۔ حضرت نے جو خبر دی تھی وہ لغو تھی کہ آپ مکہ میں قیام کر کے حرمت خانہ کعبہ کو ضائع کرتے۔

ائمہ اطہار خواہ جناب امیر ہوں یا امام حسنؑ یا امام حسینؑ اُن کا نصب العین ہمیشہ یہی رہا کہ احکام خدا و رسولؐ کی تعمیل کریں خواہ اس میں جان رہے یا جائے۔ اسی مصلحت سے جناب امیرؑ نے عہد خلفائے ثلٰثہ میں جہاد بالسیف سے سکوت کیا کہ اس جہاد میں اسلام کی بربادی کا احتمال تھا۔ کیونکہ یہ دُنیا پرست صحابہ اپنے اغراض فاسدہ کے حصول کیلئے یقیناً اسلام کو ذبح کر دیتے۔ اسی طرح جناب امام حسنؑ نے محض اسی لیے صلح کر لیا کہ نہیں کرتے تو اسلام تباہ ہوتا ہے۔

وہی نصب العین اس وقت جناب امام حسینؑ کے پیش نظر ہے کہ اگر آپ سکوت کرتے ہیں اور جہاد بالسیف نہیں کرتے تو یقیناً اسلام تباہ ہوتا ہے کیونکہ جس طرح خلفائے ثلٰثہ کی خلافت جزو اسلام مان لی گئی ہے اسی طرح یزید کی خلافت بھی جزو اسلام مان لیجاتی لہٰذا حضرت کے اس جہاد نے نہ صرف یزید کے ضلالت کو ظاہر کیا۔ بلکہ خلفائے ثلٰثہ کے ناحق ہونے کو بھی ظاہر کر دیا۔ کیونکہ وہ بھی تو بہ اجماع خلیفہ ہوئے تھے اور اجماع وہی ان کے یہاں مسلم النبوت ہوتا ہے جو بمخالفت حکم خدا اور رسولؐ ہوتا ہے۔

(۵) بے شک حضرت ابن عباس مانع رہے اکثر روایات میں یہ مضمون ہے۔ مگر وہ نہ معصوم تھے نہ امام تھے جو اس تکلیف کو سمجھتے بلکہ اُن کی نظر ظاہر اسباب پر تھی کہ وہ جانتے تھے جو پیچ خلفائے ثلٰثہ ہو گئے ہیں وہ ضرور ظاہر ہوگا امام حسینؑ ضرور شہید ہونگے اس لیے وہ مانع رہے مگر جناب امام حسینؑ سمجھتے تھے کہ شہادت حیات ابدی ہے جس سے اسلام زندہ ہوگا پھر کیونکر ممکن تھا کہ حضرت حکم خدا اور رسولؐ کی مخالفت کرتے اور محض جان بچانے کے لیے وہ کام کرتے جس سے اسلام ضائع ہو۔ کیونکہ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر زندہ رہے بھی تو کیا نتیجہ ہوگا جیسا کہ معلوم ہو چکا جو صحابہ اسکے بعد زندہ رہے کس ذلت و خواری میں مبتلا ہوئے اور آئندہ بھی سب کے حالات مذکور ہوں گے۔

(۶) ابن عمر نے جو مشورہ دیا وہ البتہ قابل غور ہے۔ کیونکہ وہ طلب خلافت کو طلب دنیا قرار دیتے ہیں تم کو کبھی دنیا کی خلافت حاصل نہ ہوگی پیچھے لوٹ کر نہ کا عزم رکھتے ہو جس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے والد اور ابوبکر و عثمان کو پورا دنیادار

جانتے تھے جنھوں نے طلب خلافت کیلئے جنازۂ رسول کو بے غسل و کفن چھوڑا۔
ہم کو تعجب ہے ایڈیٹر انجم سے کہ کیونکر انھوں نے اس جملہ کو لکھ دیا جس سے اُنکے خلفائے ثلاثہ دنیادار قرار پائے
اے کاش وہ اس پر غور کرتے کہ اگر جائز تسلّط و اقتدار حرام ہوتا تو رسول اللہ نے کفار سے کیوں جہاد کیا۔ کیونکہ اسکو تو کوئی نہیں کہہ سکتا حضرت نے اس لیئے جہاد کیا کہ انکو قبول اسلام پر مجبور کریں کیونکہ لا اکراہ فی الدین قرآن میں آج تک موجود ہے۔ پھر ضرور ہے حضرت کا جہاد یا تو بطور دفاع ہو کہ مسلمانوں پر ظلم نہ کر سکیں یا اس لیئے کہ اسلام کا تسلط اور اقتدار قائم ہو جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔

وقاتلوهم حتىٰ لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله فان انتهوا فان الله بما تعملون بصير

اور ان لوگوں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ و فساد بند ہو جائے اور دین سب خدا ہی کا ہو اور اگر باز آجائیں تو خدا اُن کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

پھر جس حکم خدا کی تعمیل نے رسول اللہ کو اس پر مجبور کیا تھا کہ وہ کفار سے جہاد کریں یہاں تک کہ دین خدا غالب ہو اُس سے جناب امام حسینؑ کیونکر مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔

مگر ابن عمر وغیرہ ایمان ہی کب لائے تھے جو سمجھتے کہ رسول اللہ نے کیوں جہاد کیا اور جناب امیرؑ کیوں طالب خلافت تھے اور جناب امام حسینؑ نے قیام بالسیف کیوں فرمایا۔

ابن عمر نے جو کچھ دیکھا تھا اپنے باپ کو اور اُن کی ترکیبوں کو یا ابوبکر و عثمان کو کہ کس طرح وہ تحصیل دنیا کے لیئے سرگرداں تھے کیا کیا تدبیریں کر رہے تھے لہذا اُنھوں نے سمجھا کہ حضرت بھی جو کوفہ تشریف لے جا رہے ہیں اسی دنیا طلبی کیلئے حالانکہ خود جناب امام حسینؑ نے اپنے سفر کے مقصد کو اپنے اس خطبہ میں واضح کر دیا تھا جو آپ نے لشکر حُر کے سامنے ارشاد فرمایا تھا۔
اس خطبہ کو دیکھ کر کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ حضرت خلافت دنیا کے طالب تھے جو ابن عمر نے یہ کہا۔ "تم کو کبھی دنیا کی خلافت حاصل نہ ہوگی؟

کیا رسول اللہ کی تشریف آوری مکہ سے کسی دوسری غرض سے ہوئی تھی اور جناب امام حسینؑ کی دوسری غرض سے کیا اگر رسول اللہ کی اہل مدینہ مدد نہ کرتے اور آپ شہید ہو جاتے تو ابن عمر یہی کہتے؟

جناب امام حسینؑ حدیث رسول سنا رہے تھے کہ جو شخص ایسی حالت میں سکوت کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور ابن عمر صاحب کہتے ہیں کہ یہ طلب دنیا ہے۔ تو اب مسلمانوں کو اختیار ہے یا حدیث رسول کی تکذیب کریں یا ابن عمر کی غلط بیانی کا اعتراف؟

بیشک جناب امام حسین جزو رسول تھے اور اُسی خلافت کے طالب تھے جو خلافت رسول تھی نہ اس خلافت کے جو خلافت ابوبکر و عمر کو ملی کہ حدود و احکام خدا معطل کیے حلال خدا [illegible] حرام کیا گیا حرام خدا حلال۔ اگر امام حسینؑ اس خلافت کے طالب ہوتے تو سب سے پہلے لوگ ان کا ساتھ دیتے۔ مگر آپ تو چاہتے تھے کہ شریعت رسول اللہ زندہ ہو احکام خدا

جاری ہوں پھر کو نکر وہ لوگ ساتھ دیتے جو اسکے خلاف چل رہے تھے اور چلے یہاں تک کہ اسی وجہ سے امام حسینؑ کو شہید کیا۔

ابن عمر اسقدر آرام طلب تھے کہ محض اسی آرام طلبی کے لیے انھوں نے حدیث رسول بنی الاسلام علی خمس سے جہاد کو نکال دیا مگر اس کا نتیجہ یہ ملا کہ جب تک زندہ رہے غلامی کی زندگی بسر کی جیسا کہ ان حالات میں مذکور ہوگا۔

(۷) ہم اس کو مانتے ہیں کہ روایات اہلسنت میں یہ ضرور آیا ہے کہ ابن عمر نے معانقہ کیا اور روئے مگر کیا اسی کا نام نصرت امام ہے کیا حضرت کی مصیبت پر عمر بن سعد نہیں رویا ہے یزید نہیں رویا ہے۔ تو اس طرح کے رونے سے گناہوں کی تلافی ہو جائے گی یہاں تو رونے کی ضرورت نہ تھی جان دینے کا موقع تھا کہ حضرت کی معیت میں اپنی جان کو نثار کرتے اور ایک ساتھ معرکہ کربلا میں تشریف لے جاتے مدعیان اسلام دیکھتے۔ خلیفہ دوم کے فرزند ارجمند ساتھ ہیں۔ پھر کس کو اس کی جرأت ہوتی کہ حضرت پر ہاتھ اٹھاتا۔

ابن عمر کا یہ جوش محبت اس سے کم نہ تھا جو ان کے باپ عمر صاحب رسول اللہ کے ساتھ دکھایا کرتے کہ یوں تو ہر وقت اپنے ماں باپ کو فدا کرتے مگر جب وقت ... بت آ ٹل جاتے جیسا کہ قصۂ جنگ احد سب کو معلوم ہے۔ بہیں نہیں ابن عمر نے تو وہ جوش بھی نہ دکھایا۔ کیونکہ عمر کم سے کم ساتھ جہاد میں جایا تو کرتے۔ انھوں نے اتنا بھی نہ کیا کہ امام حسینؑ کے ساتھ کربلائے معلی تک جاتے اور مخالفین کو اپنی صورت دکھاتے۔ اگرچہ بھاگ ہی جاتے۔

غرض اگر آپ اس کو محبت سمجھتے ہیں "کہ انھوں نے حضرت حسین کو لپٹا لیا اور رو دیے اور رخصت کیا" تو اس سے بدرجہ زیادہ یزید پلید محب امام حسین علیہ السلام تھا جس نے بوقت رخصت جناب امام زین العابدین ع سے کہا۔ جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے:۔

جب یزید نے چاہا کہ ان حضرات کو رخصت کرے تو یزید نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا سامان سفر کرے اور جناب امام زین العابدینؑ کو بلا کر رخصت کرنا چاہا۔ تو کہا خدا لعنت کرے ابن مرجانہ پر قسم خدا کی اگر ہم سے حضرت سے مقابلہ ہوتا تو آپ کی کوئی خواہش ایسی نہ ہوتی جس کو ہم نہ قبول کرتے اور ہر طرح اس مصیبت کو آپ سے دفع کرتے اگرچہ اس میں بعض اولاد بھی ہماری ہلاک ہوتی۔ مگر قضائے الہی یہی تھی جو تم نے دیکھا۔ (جلد ۴ ص۳۶)

اب اڈیٹر صاحب نجم انصاف فرمائیں کہ محبت ابن عمر زیادہ ہے یا محبت یزید کیونکہ ابن عمر تو خالی معانقہ کر کے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور یزید قسم کھا کر کہتا ہے کہ ہم ہر طرح امام حسینؑ کی مدد کرتے اگرچہ اس میں ہماری بعض اولاد بھی ہلاک ہو جاتی۔ پھر فرمائیے درجۂ محبت کس کا زیادہ ہے۔ ابن عمر کا یا یزید کا۔

(۸) یہ قول ابن عمر بھی اسی کم معرفتی سے تھا جو اپنی رائے کو صائب سمجھے اور رائے جناب امام حسینؑ کو غلط۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو جو کچھ تھا دنیا اور اسکی زندگی تھی جسکے مقابلہ میں سب کو ہیچ سمجھے۔ ورنہ یہ تو وہ واقعہ تھا کہ اگر بدقسمتی سے نہ شریک ہوئے تھے تو مدۃ العمر اس پر رویا کرتے کہ کیسی مصیبت آئی جیسا باغیوں سے جنگ نہ کرنے پر اُن کو ہمیشہ

افسوس رہا استیعاب ابن البر مکی میں ہے صفحہ ۳۸۱ جلد اول

عن عبداللہ بن عمر قال ما اسی علی شی الا انی لم اقاتل مع علی الفئۃ الباغیۃ

کہ ہم کو کسی امر پر افسوس نہیں ہے بجز اس کے ہم نے حضرت علیؑ کے ساتھ فئۃ باغیہ سے قتال نہ کیا۔

اس روایت کو چھ طریق سے لکھا ہے۔

مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ندامت اُنکی سچے دل سے تھی۔ حاشا و کلا ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک دنیاداری کا کلمہ تھا جو کہہ دیا اُسی قسم سے یہ کلمہ بھی کہا۔ فرق ہے تو اس قدر کہ جنگ معاویہ کے ترک میں اپنا قصور ظاہر کرتے ہیں اور یہاں پر جناب امام حسینؑ پر الزام ہے کہ آپنے ہماری رائے کی مخالفت کی۔

اس قسم کی ندامت عائشہ۔ ابوبکر۔ عمر سے منقول ہے مگر کیا فائدہ کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔

واسروا الندامۃ لما راوا العذاب وقضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون۔

کہ پوشیدہ کیا انھوں نے ندامت کو جب دیکھا عذاب۔ اور فیصلہ کیا گیا ان میں عدل سے اور کسی طرح کا اُن پر ظلم نہ ہوگا

واسروا الندامۃ لما راوا العذاب وجعلنا الاغلال فی اعناق الذین کفروا ھل یجزون الا ما کانوا یعملون۔

پوشیدہ کیا اُنھوں نے ندامت کو جب دیکھا عذاب اور ہمنے ڈال دیا کافروں کے گلے میں طوق جزا اُنکی تو اُسی کی دی جائے گی جو عمل کرتے ہیں۔

پھر ابن عمر کو اس سے کیا نفع ہوا کہ اُنھوں نے ندامت ظاہر کی۔ جزا تو اُنکو عمل ہی کی دی جائے گی۔

(۹) جب آپ کے صحابہ خود رسول اللہ سے اس قسم کا مجادلہ کرتے اور حضرت کے احکام پر ایمان نہ لاتے تو اگر جناب امام حسینؑ کے ساتھ اُنھوں نے یہ سلوک کیا تو کیا تعجب ہے۔

چونکہ ان لوگوں کے حالات اس کے بعد کچھ تفصیل سے لکھے جائینگے اسلئے ہم ان لوگوں میں کوئی تفرق نہیں کرتے کہ کون درحقیقت معذور تھا اور کون غیر معذور۔ کیونکہ یہ تو بدیہی بات ہے اگر کوئی شخص کسی نبی کا ساتھ نہیں دے گا تو نتیجہ بجز قتل کیا ہوگا جیسا کہ ہزاروں انبیا اسیطرح شہید ہوئے تو سمجھنا چاہیئے الزام نبی پر ہے یا امت پر ؟

غرض چونکہ موضوع رسالہ یہی ہے کہ دکھایا جائے صحابہ کا برتاؤ آل رسولؐ کیساتھ کیا تھا اور اڈیٹر النجم نے اس کی فرمائش کی ہے کہ ان حضرات کے شریک نہ ہونے کے واقعی اعذار جو نہایت قوی و صحیح تھے بیان کیے جائیں۔ لہذا ہم بھی کچھ تفصیل سے ان صحابہ کے حالات کو لکھتے ہیں۔ معلوم ہو انکی عدم شرکت از راہ معذوری تھی۔ یا از راہ شرارت نفس

عبداللہ ابن عمر کے حالات میں ایک تحریر مولوی شبلی صاحب کی الندوہ میں شائع ہوئی ہے جسکو اڈیٹر اہل حدیث اور بدر قادیانی نے بھی بڑے فخر و مباہات سے نقل کیا ہے۔

اس تحریر میں جہاں تک ہو سکا ہے اُنکی مدح سرائی کی گئی ہے لہذا اس کے اقتباس کے ساتھ ہم اصلی حالات بھی اُنکے ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ تھے۔ کیونکہ جو فضائل بیان کئے گئے ہیں اُنھیں سے اُنکا اصل جوہر کھلتا ہے۔

الندوہ لکھتا ہے "عام روایت تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمر سے پیشتر یہ شرف حاصل کر چکے تھے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ بھی حضرت عمر کے ساتھ اسلام لائے۔"

مگر لطف تو اسی روایت میں تھا کہ عبداللہ کا اسلام مقدم ہو تا کیونکہ عمر کی بہن اور بہنوئی بھی پہلے اسلام لاچکے تھے چنانچہ جب بہن کا خون بہتے دیکھا تو شرمندہ ہوئے اور حضرت کے پاس گئے تو آپ نے ایک ایسا جھٹکا دیا کہ مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا۔

الندوہ بہرحال اُنکے بلوغ کا زمانہ نجاست کفر سے پاک رہا۔ بچپن ہی کے زمانہ میں ان کو گنجینۂ مراد ملا۔"

مگر افسوس کہ جب جناب امیرؑ کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ اُنکے خاندان میں کہیں کفر نے وجود ہی نہیں پایا حضرت نے متولد ہوتے ہی آغوش رسول میں تربیت پائی۔ تو اہلسنت خوش نہیں ہوتے بلکہ کہتے ہیں طفلی کے زمانہ کے اسلام کا کیا اعتبار۔ بہرحال اس فضیلت میں وہ عمر سے افضل نکلے۔

الندوہ لیکن چونکہ اُنھوں نے عمر سے پیشتر ہجرت کر دی تھی اس بنا پر بعض راویوں نے اس تقدم کی نسبت خود اُن کے اسلام کی طرف کر دی مگر تقدم فی الہجرت بھی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔"

تو اس سے لازم آتا ہے کہ عمر صاحب ابوبکر سے افضل ہوا کیونکہ عمر نے بھی تقدم فی الہجرت کی تھی جو بڑی فضیلت ہے اور اگر اسی وجہ سے راوی تقدم اسلام کے قائل ہوئے تو پھر عمر کے اسلام کو ابوبکر پر کیوں نہ مقدم کیا کیونکہ عمر نے ہجرت میں اُن پر تقدم کیا تھا۔ اصل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر کے تقدم اسلام سے ایک بڑا الزام عمر پر آتا تھا کہ بیٹا اُن کا مسلمان ہو گیا اور وہ کافر ہی رہے اس لئے اس روایت کی اس طرح تاویل کرنے لگے حالانکہ عمر صاحب کی سختی بھی معلوم ہے کہ وہ کس قدر مسلمانوں کی دشمنی میں سخت تھے۔

الندوہ جب بدر کی لڑائی پیش آئی تو اُن کا سن ۱۲ برس کا تھا لیکن انھوں نے اسی سن میں شریک جنگ ہونے کے لئے آمادگی ظاہر کی لیکن جناب رسالت پناہ نے انکار کر دیا۔"

مگر انس بن مالک کے حال میں لکھا ہے "حضرت انس بدر میں رسول اللہ کے ہمراہ گئے تھے یہ اس زمانہ میں بچے تھے" (اسد الغابہ صـ۱۲۱)

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت گو کسی وجہ انصار پر اعتماد تھا انس کو ساتھ لیا جو دس برس کے تھے غالباً اور عبداللہ بن عمر کو ساتھ نہ لیا جو تیرہ برس کے تھے۔ یا یہ وجہ ہو کہ آپ کو ان کے باپ کی شجاعت معلوم تھی تو اُن کا حال بدرجۂ اولیٰ معلوم ہو گا اسی وجہ سے ساتھ نہ لیا۔

الندوہ۔ البتہ غزوہ خندق میں جب آپ کا سن ۱۵ سال کا تھا جناب رسالت پناہ نے اُن کو اجازت جنگ دی" مگر آج تک کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اُنھوں نے کسی جنگ میں کسی کافر کو بھی مارا ہو کیونکہ لڑائی میں شریک تو ہو کر جا کر سب ہی ہوتے ہیں کیا اس سے کوئی بہادر بھی بن جاتا ہے۔

الندوہ فتح مکہ کے زمانہ میں اُنکی عمر ۲۰ سال کی تھی وہ ایک سرکش گھوڑے پر سوار تھے اُنکے ساتھ ایک برا نیزہ

تھا اور ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اپنے گھوڑے کے لیے گھاس کاٹ رہے تھے ایسی حالت میں رسالت مآب نے ان کو دیکھا اور مدح و ثنا کے لہجہ میں فرمایا یہ عبداللہ یہ عبداللہ ہے۔ حضرت عبداللہ۔ فتح مکہ کے شرف کو اپنا سب بڑا شرف اور فخر سمجھتے تھے۔

اس سے بھی بہت اچھی طرح معلوم ہوا کہ اصلی کام ان کا یہی تھا کہ گھوڑے کے لیے گھاس کاٹیں۔ حالانکہ بہادروں کی شان یہ ہوتی ہے کہ دشمنوں کو مثل گھاس کاٹتے ہیں۔

بہرحال انکی شجاعت و جوانمردی کا فسانہ یہیں آکر ختم ہوا کہ فتح مکہ میں یہ گھاس کاٹ رہے تھے اور حضرتؐ نے فرمایا یہ عبداللہ ہے یہ عبداللہ۔

فتح مکہ میں اگرچہ عام طور پر حکم جہاد نہیں تھا۔ مگر پھر بھی جو بہادر تھے وہ اپنی بہادری دکھا گئے مگر اُن کا کام یہی رہا کہ گھاس کاٹیں کیونکہ اگر کسی جنگ میں اُنھوں نے کافر کو مارا ہوتا تو ضرور اُس پر فخر و مباہات کرتے۔

انکار خلافت

الندوہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر ہمیشہ خلافت سے انکار کرتے رہے جس کا ذکر اُن کے فضائل میں آئے گا۔ لیکن اُن کا بیان ہے کہ جب امیر معاویہ اور حضرت علیؑ میں **دومۃ الجندل** میں لڑائی کی ٹھہری تو معاویہ ایک توی ہیکل اونٹ پر نکلے اور کہا کہ وہ کون ہے جو خلافت کی خواہش کرتا ہے یا اُسکی طرف گردن بلند کرتا تو میرے دل میں آج کے سوا دنیا کا خیال نہیں آیا تھا کیونکہ میں نے اُس وقت ارادہ کیا کہ کہوں خلافت کی خواہش وہ شخص کرتا ہے جس نے تم کو اور تمھارے باپ کو مار پیٹ کر اسلام کے حلقہ میں داخل کیا لیکن پھر بہشت اور اُس کی نعمتیں یاد آگئیں اس لیئے میں رک گیا۔ یہ استحقاق اور دعوی حضرت عبداللہ بن عمر کو فتح مکہ ہی کی وجہ سے پیدا ہوا تھا کیونکہ فتح مکہ کے زمانہ میں امیر معاویہ اور ابوسفیان کافر تھے اور کفار کے ساتھ شریک جنگ تھے چنانچہ وہ اسی لڑائی میں مشرف باسلام ہوئے۔ ان مناقب میں اور صحابہ بھی اگرچہ شریک ہیں لیکن متعدد فضائل ایسے ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عمر تمام صحابہ سے ممتاز ہیں ہم ان مناقب کو الگ الگ عنوان قائم کرکے تفصیل لکھتے ہیں"۔

اگرچہ تحقیق اسکی آئندہ آئے گی جہاں تفصیل اسکو لکھیں گے مگر یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ وہ خلافت سے منکر تھے بلکہ بات یہ ہو کہ اُن لوگوں کے رہتے ہوئے کسی کو خلافت مل ہی نہیں سکتی تھی جنھوں نے بمخالفت نصِ رسولؐ ایکا کیا تھا کہ جناب امیرؑ کو خلیفہ نہ ہونے دینگے اُن لوگوں سے طلحہ زبیر عبدالرحمان بن عوف سعد بن ابی وقاص باقی تھے پھر اُن کو خلافت کیونکر ملتی۔

عمر نے جب جنابِ امیرؑ کی محرومی کیلئے شوریٰ قائم کیا ہے تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا اپنے بیٹے کو خلیفہ کیجئے تو عمر نے کہا تو منافق ہے۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ جو شخص اپنی زوجہ کو طلاق دینا بھی نہ جانے وہ کیونکر خلیفہ ہو سکتا ہے حالانکہ خود عمر بھی احکام طلاق سے ناواقف تھے۔

جو واقعہ جناب امیرؑ اور معاویہ کی جنگ کا لکھا ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ عبداللہ بن عمر اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔ یہ واقعہ اس کے بعد کا ہے جیسا کہ آئندہ مذکور ہوگا۔

ان کا نام خلافت میں ابو موسیٰ اشعری نے البتہ لیا تھا کہ جناب امیرؑ کو معزول کر کے ان کو خلیفہ بنادیں مگر عمرو عاص نے یہ کہہ کر اڑا دیا کہ وہ خواہانِ خلافت نہیں۔

المدد ۵۔ اتباعِ سنّت۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی زندگی کا مقصد صرف اتباعِ سنّت تھا وہ اس کا اس شدّت کے ساتھ التزام کرتے تھے کہ رسول اللہ نے جن درختوں کے سایہ میں کبھی آرام فرمایا تھا وہ انکو پانی دیتے رہتے تھے تاکہ خشک نہ ہونے پائیں رسول اللہ نے جہاں کہیں نماز پڑھی تھی اس مقام پر ضرور نماز پڑھتے۔ اور جہاں کہیں قیام فرمایا تھا وہاں ضرور قیام کرتے عام طور مسلم ہے کہ وہ مناسک حج کے سب سے بڑے عالم تھے اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ مناسک حج میں رسول اللہ کے تمام سنن کا لحاظ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپنے جہاں جہاں قضائے حاجت کی تھی وہاں وہ بھی ضرور قضائے حاجت کرتے یہی وجہ ہے کہ مقاماتِ حج۔ میقات رمی جمار۔ استقلال وغیرہ کے مقامات کی تعیین و تحدید کے متعلق اکثر حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہیں۔ رجب میں چونکہ جنابِ رسالت پناہ عمرہ بجالائے تھے اس لئے وہ بھی ہر سال رجب میں عمرہ بجالاتے تھے وہ سخت خطرہ کی حالت میں بھی اتباعِ سنت سے باز نہیں آتے تھے چنانچہ جب حجاج اور عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کا زمانہ تھا اور عبدالملک بن مروان نے لوگوں کو حج سے اس بنا پر روکنا چاہا تھا کہ مکہ میں کہیں عبداللہ بن زبیر کی بیعت نہ کرلیں تو حضرت عبداللہ بن عمر نے حسب معمول حج اور عمرہ کا سامان کیا لیکن انکی اولاد نے روکا کہ یہ فتنہ و فساد کا زمانہ ہے ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ کو حج سے روک دیں انھوں نے فرمایا کہ حدیبیہ کا واقعہ ہمارے لئے کافی ہے رسول اللہ حج کو نکلے تو کفار نے روک دیا۔ آپ رک گئے اسی طرح اگر ہم بھی روک دیے جائیں گے تو رک جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کو رسول اللہ کے اقوال و افعال کا اس شدّت کے ساتھ التزام تھا کہ خود جنابِ رسالت پناہ کو منع کرنا پڑا صحابہ کا عام قاعدہ تھا کہ اپنے خواب رسول اللہ کی حضور میں بیان کرتے اور آپ انکی تعبیر بیان فرماتے حضرت عبداللہ بن عمر کو بھی شوق پیدا ہوا کہ اگر کوئی خواب دیکھوں تو حضورؐ کی خدمت میں بیان کروں چنانچہ وہ رسول اللہ کے زمانے میں مسجد میں سوتے تھے انھوں نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے مجھے پکڑ کر دوزخ کی طرف لے گئے میں نے دیکھا کہ وہ کنوئیں کی طرح تہ بتہ ہے اسکے دو کنارے ہیں اور اس میں کچھ لوگ ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں یہ حالت دیکھ کر میں نے خدا سے پناہ مانگی اور اعوذ باللہ کہنے لگا اسی حالت میں مجھے دوسرا فرشتہ ملا اس نے کہا گھبراؤ نہیں۔ اس خواب کو انھوں نے حضرت حفصہؓ سے کہا اور انھوں نے انکو رسول اللہ سے بیان کیا حضورؐ نے فرمایا عبداللہ تو اچھا آدمی تھا کاش وہ رات کو نماز پڑھتا چنانچہ انھوں نے بالالتزام شب بیداری کرنی شروع کی یہاں تک کہ جب جنابِ رسالت پناہ کو اسکی خبر پہونچی تو آپ نے فرمایا کہ کیا مجھ کو نہیں معلوم ہوا کہ تم رات کو قیام کرتے ہو دن کو روزہ رکھتے ہو انھوں نے کہا کہ ہاں میں ایسا کرتا ہوں آپنے فرمایا اگر ایسا کروگے تو تمھاری آنکھیں کمزور ہو جائیں گی نفس تھک جائیگا تم پر تمھارے نفس کا حق ہے بی بی کا حق ہے اس لئے روزہ بھی رکھو افطار بھی کرو رات کو قیام بھی کرو اور سوؤ بھی۔

الجواب۔ نہ معلوم یہ جملہ ان کے مدح میں لکھا ہے یا ذم میں کیونکہ اگر اتباعِ سنتِ رسول فعل ممدوح ہے تو حضرت عمر کے متعلق کیا کہا جائے گا جن کے متعلق خود مولانا شبلی صاحب الفاروق میں لکھتے ہیں:

"ایک دفعہ آں حضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی اس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر اس کو جڑ سے کٹوا دیا۔

ایک دفعہ سفر حج سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ آں حضرتؐ نے نماز پڑھی اس خیال سے لوگ اس طرف دوڑے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا اهل کتاب انھیں باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا (صفحہ ۲ حصہ دوم)

اب کوئی ان سے پوچھے کہ یہ لالف بھی تو آپ ہی کی لکھی ہوئی ہے عمر کی لائف الفاروق میں لکھی۔ ابن عمر کی الفاروکا۔ میں پھر بتائیے کس کا فعل حق اور صواب تھا کیونکہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا ابن عمر کی زندگی کا مقصد اگر صرف اتباع سنت تھا۔ تو عمر کی زندگی کا مقصد محض مخالفت سنت۔ ابن عمر اگر ان درختوں کو پانی دیتے جس کے سایہ میں حضرت بیٹھے تھے تو حضرت عمر اس درخت کو جس کے نیچے حضرت نے جہاد پر بیعت لی تھی جڑ سے کٹوا دیتے ابن عمر اگر اس جگہ نماز پڑھتے جہاں حضرت نے نماز پڑھی تھی تو عمر اس مسجد میں جانے سے بھی روکتے اور صحابہ کو کافر بتلاتے۔

ابن عمر اگر حج میں رسول اللہ کے تمام سُنن کا لحاظ رکھتے تو عمر کو اس درجہ مخالفت رسول پر اصرار تھا کہ متعۃ الحج کو موقوف کیا۔ مقام ابراہیم کو بدل دیا جو عہد حضرت ابراہیم تا عہد رسول بلکہ تا عہد ابو بکر اپنے اصلی مقام پر تھا۔ اولاب دوسری جگہ ہے۔

مولوی شبلی صاحب الفاروق میں لکھتے ہیں:۔

"اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اسکی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہوکر علانیہ کہا انی اعلم انك حجر وانك لا تضر ولا تنفع میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہونچا سکتا ہے نہ نقصان۔

حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاق عام سے جسقدر الگ تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اسی وقت حضرت علیؓ نے ان کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہونچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت شہادت دے گا لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ منقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے (صفحہ ۲ الفاروق)

ہمنے جو ابتدا میں لکھا تھا کہ اتباع سنت میں جو ابن عمر کا نام لکھا گیا اسکی غرض نہ معلوم ہے یا نہ ہم۔ اسکی تصدیق اس سے بخوبی ہوگئی کہ یہاں مخالفت سنت بھول پر عمر کی اس درجہ تعریف کی گئی ہے کہ انھوں نے اسکو جو اسمیں مبالغہ کیا جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولوی شبلی صاحب ابھی تک بوسۂ حجر اسود کو بت پرستی سمجھتے ہیں۔ اور رواج صنم پرستی کا یہی سبب ہوا اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

تو ابن عمر کا یہ فعل کہ وہ اس درجہ اتباع رسولؐ میں منہمک رہتے ضرور قابل مذمت فعل ہے۔ مولوی شبلی صاحب کو اس روایت سے انکار ہے جو جناب امیرؑ نے بمخاطبہ عمر فرمایا تھا مگر افسوس تمامی علماء اہلسنت نے اس کی روایت کی ہے اور عمر کی نادانیت کی بہت کامل دلیل ہے کیونکہ حضرتؑ نے اپنے دعویٰ کو قرآن مجید سے ثابت کیا ہے جس پر عمر نے کہا اے ابا الحسن

لقد جعل الله بين ظهرانيكم من العلم غير قليل۔

اور بروایت سبیل الہدیٰ والرشاد عمر نے کہا:

اعوذ بالله ان عيش في قوم لست فيهم يا ابا الحسن۔

یعنی ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم اس قوم میں زندہ رہیں جس میں آپ نہ ہوں۔ (ملاحظہ ہو تشیید المطاعن ص۵۵)

عمر صاحب کو بالخصوص احکام حج میں حضرتؑ کی مخالفت میں اس درجہ کد رہی کہ حضرتؑ نے آخر حج میں بتاکید تمام حکم دیا تھا کہ عمرہ اور حج ایک ساتھ بجالاؤ مگر عمر کا حکم تھا کہ:

حج و عمرے میں فصل کرو کہ حج و عمرہ تمام ہو۔ اور عمرہ غیر ماہ حج میں ہونا چاہیے کہ عمرہ تمام ہو (ازالۃ الخفا ص۱۴۲)

ابن عمر کی نسبت مولوی شبلی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مناسک حج کے سب سے بڑے عالم تھے مگر عمر اس درجہ اس سے بے علم تھے کہ ازالۃ الخفا میں ہے۔

سئل عن العمرة وهو بمكة من اى موضع اعتمر قال ايت على بن ابى طالب فسأله فقال على حيث ابدأت يعنى من ميقات ارضه قال فاتى عمر فاخبره فقال ما اجد لك الا ما قال على بن ابى طالب (ص۱۴۲)

یعنی عمر سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص مکہ میں ہو اور عمرہ کرنا چاہے تو کہاں سے شروع کرے۔ عمر نے کہا کہ حضرت علیؑ کے پاس جاؤ حضرتؑ نے فرمایا جہاں سے شروع کیا ہے۔ یعنی جو میقات اُس کے اصلی وطن کا ہے وہاں سے احرام باندھنا چاہیے اُس نے آکر عمر سے بیان کیا کہا ہم بھی وہی بتلاتے ہیں جو حضرت علیؑ نے کہا۔

عمر نے چاہا تھا کہ خزائن و دفائن خانۂ کعبہ کو جہاد میں صرف کریں۔ مگر جناب امیرؑ نے روکا۔ (ص۵۲)

عمر سے سوال کیا گیا کہ شتر مرغ کے انڈوں کو اگر حالت احرام میں کوئی کھا جائے تو اُس کا کیا حکم ہے عمر نے اُس کو جناب امیرؑ سے دریافت کیا۔ (ص۵۵)

عمر کو یہ مسئلہ حج معلوم نہ تھا کہ طواف خانہ کعبہ کے پہلے عطر لگانا جائز و مباح ہے لہذا عمر نے حرمت کا حکم دیا چنانچہ ازالۃ الخفا میں ہے۔

عمر نے عرفہ میں خطبہ دیا بغرض تعلیم حج تو کہا کہ جو شخص رمی الجمرہ کرے اُس پر سب چیزیں حلال ہو جاتی ہیں مگر عورت اور خوشبو لگانا۔ وہ نہ عورتوں کے پاس جائے نہ خوشبو لگائے جب تک طواف نہ کرے شاہ صاحب کہتے کہ تمام فقہاء نے اس حکم عمر کو ترک کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک حدیث عائشہ وغیرہ سے ثابت ہے کہ حضرتؐ نے قبل طواف خوشبو لگایا تھا۔ (ازالۃ الخفا ص۱۵)

کہاں ابن عمر کی وہ حالت کہ مناسک حج کے وہ بڑے عالم مانے جاتے۔ اور کہاں عمر کی یہ حالت کہ خلیفہ بنکر تعلیم احکام حج کر رہے ہیں مگر اس طرح کہ خلاف سنت رسول۔

عمر نے اجازت دی ازواج نبی کو کہ حج کریں اور انکے ساتھ عثمان و عبدالرحمان کو کر دیا شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے عورتوں کو بغیر محرم جانا جائز ہے یا نہیں شافعی نے اسی فعل عمر سے استدلال کیا ہے جواز پر مگر جو لوگ منکر ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہو عمر نے بغرض محافظت و توقیر ساتھ کیا ہو۔

جن لوگوں نے کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کیا ہے انکو معلوم ہے کہ آں حضرتؐ نے حجۃ الوداع میں اپنے ازواج کو حکم دیا تھا کہ یہ آخری حج تمھارا ہے اب اسکے بعد نہ کوئی حج کرے نہ گھر سے باہر نکلے۔ مگر عمر نے حکم رسولؐ کے خلاف اُن کو اجازت حج دی اور نامحرموں کو اُن کے ساتھ کیا۔ اس سے بڑھ کر کیا مخالفت سنت ہو سکتی ہے

پھر اُسی ازالۃ الخفا میں ہے :۔

حالت احرام میں حضرت عمر کی ناک میں خوشبو آئی آپ اس شخص پر جو خوشبو لگائے ہوئے تھا بہت خفا ہوئے۔ معاویہ تھے وہ کان جو خوشبودار اوڑھے تھے آکر اتار دیا شاہ صاحب فرماتے ہیں تمام فقہا نے اس قول عمر کو نہیں مانا کیونکہ حدیث عائشہ سے رسول اللہ کا خوشبو لگانا ثابت ہے۔ (ازالۃ الخفا ص۱۰۱)

اس سے بڑھ کر کیا مخالفت رسول ہو سکتی ہے۔ چونکہ اہل جاہلیت زمانہ حج میں خوشبو نہیں لگاتے تھے اس لئے عمر صاحب نے اپنے زمانہ میں اسکی ترویج چاہی۔

تمامی صحابہ اسکے قائل تھے کہ اگر بروز قربانی عورت طواف کرے اُس کے بعد حیض شروع ہو جائے تو حج اسکا پورا ہو گیا۔ مگر عمر کہتے ہیں کہ نہیں اُس کو پھر طواف کرنا چاہیئے۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ تمامی اہل علم نے قول عمر کو ترک کر دیا کیونکہ قصہ صفیہ وغیرہ سے اسکے خلاف ثابت ہے۔

عمر نے نکاح کو باطل کیا جو حالت احرام میں واقع ہو حالانکہ خود حضرت نے حالت احرام میں نکاح کیا ہے۔ یہ چند مسائل ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عمر صاحب کو کس درجہ کی مخالفت تھی سنت رسول سے کہ جہاں تک بن پڑا اسکے خلاف کیا۔ پھر مولوی شبلی صاحب کا یہ کہنا کہ ابن عمر کو اسقدر اتباع سنت کا خیال تھا کہ جہاں جہاں حضرت نے قضائے حاجت کی تھی وہاں ابن عمر ضرور قضائے حاجت کرتے۔ کس قدر عبرتناک ہے کہ باپ کا وہ خیال بیٹے کا یہ خیال باپ تو اس درجہ مخالف رسولؐ پر تلے رہتے۔ اور بیٹا یہ اثر دکھاتا۔

مگر ابن عمر کے اس حال پر وہ واقعہ یاد پڑا جو ملک العلما دولت آبادی کتاب ہدایت السعد کے جلوہ نہم میں جسمیں اسکا بیان ہے کہ ایذاء اہلبیتؑ طاہرین کے ساتھ نہ نماز فائدہ دیتی ہے نہ دوسری کوئی عبادت۔ لکھتے ہیں

علامہ شعبی سے لوگوں نے پوچھا کہ یزیدی لوگ اہل قبلہ ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ پر درود بھیجتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ایک اموی شخص نے سنا کہ کوئی شخص حضرت محمد مصطفیٰ کی ریش مبارک کا ایک بال لا رہا ہے وہ اموی استقبال کے لیے کئی کوس پا برہنہ گیا اور جس صندوق میں وہ موئے مبارک تھا اسکو اپنے سر پر رکھ کر شہر میں

میں لایا اور سات روز تک طبل بجوا آ اور مسرت و خوشی کا اظہار کرتا رہا ایسے شخص کے ایمان کے بارہ میں کیا کہا جائے گا۔ امام شعبی نے کہا اگر کوئی شخص حضرت محمد مصطفےٰؐ کی نعلین مبارک اپنے سر پر رکھے اور قرآن مجید کی جوتیاں بنا کر پیر میں پہنے حضرت عیسیٰؑ کے گدھے کا سم زر و جواہر کیا تو ہار بنا کر گلے میں پہنے اور جبیں پر زنا کی تہمت رکھے جو حکم ایسے شخص کا ہوگا وہی اس اموی کا ہوگا۔ حضرت محمد مصطفےٰ کے زمانہ میں کچھ لوگ نماز میں شریک ہوتے اور اپنی بغلوں میں بت چھپائے رکھتے ان کی یہ نماز، نماز نہیں۔

عبداللہ بن عمر کا ایسے ایسے جزئیات میں اتباع سنت کرنا کہ جہاں حضرتؐ نے قضائے حاجت کی وہاں یہ بھی قضائے حاجت کریں جہاں حضرت کسی درخت کے نیچے بیٹھتے تھے بالکل شاید اسی مرد کے برتر حضرتؐ کے موئے شریف کے پیشانی کو کسی کو مس تک برہنہ پا گیا اور صندل کو اپنے سر پر رکھ کر آیات اور سات روز تک طبل بجوا تا رہا کیونکہ اگر درحقیقت ابن عمر پیرو سنت عمل کرتے تو جناب امام حسینؑ کی جاں نثاری میں حاضر ہوتے اپنی جان آپ پر نثار کرتے نہ یہ دکھلانے کیلئے اس طرح اتباع سنت کرتے اور باطن میں ایسے مخالف رہتے کہ نہ جناب امیرؑ کی بیعت کی نہ جناب امام حسنؑ کی، نہ جناب امام حسینؑ کی کسی طرح حمایت کی بلکہ جب اہل مدینہ یزید کو خلافت سے خلع کرنے لگے تو یہ مخالف بن گئے اور تلوار نکال کر فیصلہ کرنے چلے کہ جو یزید سے لڑے گا اس سے ہم جنگ کریں گے۔

علامہ دولت آبادی اسی جلوہ سابعہ میں لکھتے ہیں:۔

خزانۂ جلالی میں غرر السیر امام ثعلبی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز عبدالملک بن مروان کے وزیر نے جو ایک بڑا بادشاہ اور مرد اموبوں کے لئے باعث فخر تھا امام شعبی سے جو اجلۂ علماء تابعین میں سے تھے پوچھا کہ تم اس مسئلے کو جس نے امت کو مشکل میں ڈال دیا ہے کیوں حل نہیں کرتے ہو کہ خلفائے بنی امیہ جیسے یزید وغیرہ احکام شرع پر عمل اور رسول خدا صلعم کی برزگداشت کرنے کے باوجود آں حضرت کے فرزندوں اور جگر پاروں کی ایذا رسانی کرتے اور اہلبیت رسول خدا بلا اختلاف آں حضرتؐ کے خون اور گوشت پوست میں شریک ہیں قلبی عداوت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کسی کو زہر دیا کسی کو تہ تیغ کیا اور کسی کو قید کر کے اذیت پہونچاتے ہیں۔ انکے دوستوں اور ہوا خواہوں کو تکلیفیں دیتے اور قتل کرتے ہیں۔ جو شخص محبت کے ساتھ ان کا نام لیتا ہے اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور بر سر منبر اہلبیتؑ پر لعنت کرتے ہیں پس یہ لوگ مسلمان بھی ہیں یا نہیں؟ بعض اصحاب پیغمبرؐ جو ابھی زندہ ہیں کیوں اس مسئلے کو حل نہیں کرتے؟ امام شعبی نے عبدالملک کے وزیر کی طرف رخ کیا اور اسی مجمع کے اندر کہا کہ میں اور جملہ تابعین حیرت زدہ ہیں اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ خلفائے بنی امیہ کہ جن میں معاویہ اور عبدالملک بھی شامل ہیں اسی بنا پر کہ وہ پیغمبر صلعم کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، عیدین اور جمعے کی نمازیں پڑھتے ہیں، حج بجا لاتے ہیں اور بظاہر نمازیں ادا کرتے ہیں ہم و شمن کہتے ہیں، انکو مسلمان نہیں سمجھتے بلکہ منافق جانتے ہیں اور ان پر لعنت کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ محض اپنی دولت و حکومت کے قیام و استحکام کی مصلحت سے احکام شرع کی پابندی کرتے ہیں۔

امام شعبی نے کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ کی رحلت کو ۵۰ برس گذر گئے چند بوڑھے لوگ باقی رہ گئے ہیں

اور جس تاریخ سے کہ یزیدیوں نے امام حسینؑ اور دیگر بنی ہاشم کو کربلا میں انتہائی جانکاہ اور ہولناک طریقہ پر قتل کیا اور اُن کے اہل بیت کو گرفتار کر کے لونڈیوں کی طرح دمشق میں لے آئے۔ پیغمبرؐ کے وہ اصحاب جو زندہ تھے انھوں نے اس دن سے مسلمانوں کو منہ نہیں دکھلایا۔ نہ نماز جماعت میں شریک ہوتے نہ جمعہ میں۔ بعض اپنے گھروں میں گوشہ نشین ہو گئے بعض اپنے اہل و عیال گھر مکان کو خیرباد کہہ کر پہاڑوں پر جا بسے لوگوں سے میل جول بات چیت ترک کر کے مصائب اہلبیتؑ کی یاد میں مشغول رہے۔ میں (شعبی) نے ان میں سے بعض لوگوں سے پوچھا آپ لوگ جمعہ، عیدین اور حج سے منہ موڑ کر بالکل گوشہ نشین کیوں ہو رہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ایسی امت والوں کا جو ظاہر کلمہ گو اور نماز گذار ہیں اور پیغمبرؐ کے جگر گوشوں کو ہلاک کرتے اور دنیا کے واسطے کفر و نفاق دل میں چھپاتے ہیں۔ منہ نہیں دیکھتے اس اُمت نے جو حرکت کی ہے حضرت آدمؑ سے لیکر آج تک کسی امت نے ایسی حرکت نہ کی ہوگی۔ جن اگلی امتوں نے انبیاء کو قتل کیا وہ انبیاء کے دین سے باہر ہو چکے تھے کسی شخص کو بھی دنیا میں ایسی قوم نظر نہ آئے گی۔ جو نانا کے بظاہر کلمہ گو بھی ہوں اُنکی شریعت پر عمل بھی کرتے ہوں اور ان کے نواسوں کو ذبح کریں اور اُنکے سروں کو کاٹیں جنھوں نے آغوش مصطفیٰؐ میں پرورش پائی ہو اور سروں کو کاٹ کر نیزے پر چڑھائیں اور اُنکے اہل و عیال کو شہر بشہر دربدر تشہیر کریں۔ اگر محمد مصطفیٰؐ رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو اس واقعہ کی وجہ سے کوئی مسلمان بھی زندہ باقی نہ رہتا سب مسوخات ہو جاتے اور ایسا قہر نازل ہوتا کہ زمین پر کوئی متنفس بھی زندہ نہ رہتا۔ پس صحابہ نے کہا ایسے ہولناک واقعہ کے بعد کیسے ممکن ہے کہ ہم اس امت کا منھ دیکھیں ہم پیغمبرؐ کے اصحاب ہیں پیغمبرؐ کی برسوں ہم نے خدمت کی ہے۔ عزیز من! اگر قوم کی ایک فرد بھی نا فرمان ہو تو ساری قوم شرمندہ ہوتی ہے اور اگر عورتوں میں سے ایک عورت بھی بدکاری کرتی ہے تو وہ ساری عورتوں کو شرمندہ کرتی ہے اس لیئے کہ دیگ کے ایک دانے کو چکھ کر اندازہ کر لیا جاتا ہے کہ نمک ہے یا نہیں چاول پک گئے ہیں یا کچے ہیں عبدالملک کے وزیر اور دیگر ثقہ لوگوں نے امام شعبی سے جب یہ بات سنی تو انھیں بڑا تردد ہوا اور انھوں نے کہا بنی امیہ کے ملی تا بعضان حکومت کا دعوائے ایمان درانحالیکہ اُنھوں نے اہلبیت پیغمبرؐ کو اذیتیں پہونچائیں اُن کے خون سے ہاتھ رنگے اُنھیں ہلاک و برباد کیا قطعی طور پر نفاق ہے اور جو شخص انھیں دوست رکھے ان سے وابستہ ہو وہ صریحی گمراہ ہے پس وزیر اور حاضرین مجلس نے پھر سے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوئے وزیر نے وزارت سے دست برداری کی اور توبہ و استغفار کیا۔ میرے عزیز تم اس سے قیاس کرو کہ جو حادثہ حسین مظلومؑ پر گذرا اگر یہی سلوک غلام نے اپنے آقا کے فرزند کے ساتھ مرید نے اپنے پیر کی اولاد کے ساتھ اور شاگرد نے اپنے استاد کے فرزند کیساتھ کیا ہوتا تو اس کا دعوائے شاگردی و مریدی نفاق ہوتا یا نہیں۔

اس عبارت کو پڑھیئے اور ابن عمر کے حالات سے ملایئے کہ اُن کا اتباع سنت میں اسقدر اہتمام اسی قسم کا ہے یا نہیں کہ بظاہر تو یہ اہتمام ہے مگر باطن میں ایسے منافق ہیں کہ شہادت فرزند رسولؐ نے ان پر کوئی اثر نہ کیا اُسی طرح یزید کے طرفدار بنے رہے۔

غضب خدا حضرتؓ نے ماہ رجب میں جو ایک دفعہ عمرہ کیا تھا تو اگلی ان کو یہ پابندی ہوئی کہ ہر سال یہ عمرہ کرتے تھے مگر تیئیس برس تک جو آں حضرت کو دیکھا کہ شب و روز اہلبیت طاہرین سے محبت کرتے ہیں اُن کا لب و دندان چوستے ہیں اُن کے فضائل و مناقب میں ہزاروں نہیں لاکھوں حدیثیں بیان کرتے ہیں اُس کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اس واقعہ کو المندوہ نے بڑے فخر و مباہات سے بیان کیا ہے کہ زمانۂ جنگ یزید و ابن الزبیر میں جب کہ خاص کعبہ میں جنگ ہو رہی تھی یہ حج کو نکلے اور کسی کا کہنا نہ مانا۔

اس سے تو اور بھی ہمارا دعویٰ قوی ہو گیا۔ کیونکہ دو ہی صورت ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ ایسے شجاع اور بہادر تھے کہ اُن پر اس جنگ کا کوئی اثر نہ تھا جس سے وہ اس طرح بے خوف و خطر چلے گئے تو اگر جناب امام حسینؑ کے ساتھ یہ ہوتے تو کیسی فتح عظیم ہوتی۔

یا یہ کہ اُن کا اثر ایسا غالب تھا کہ ان کو دیکھ کر سب ادب کرتے اور جنگ موقوف کرتے تو اس صورت میں اور بھی ضرورت تھی کہ یہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہوتے کہ حضرت اس بیکسی سے شہادت نہ پاتے کیونکہ یہ یقینی ہے یزید۔ یا ابن زیاد۔ حجاج سے زیادہ ظالم نہ تھا جب حجاج نے اُن کا اس قدر ادب کیا کہ جنگ میں اُن کو تکلیف نہ پہونچے۔ تو اگر یہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہوتے تو یقیناً ابن زیاد اور یزید اُن کا زیادہ ادب کرتے اور جناب سید الشہداء اس طرح پر شہید نہ ہوتے۔

المندوہ نے اس واقعہ پر بڑا فخر کیا ہے۔ مگر اُنکو معلوم نہیں کہ حجاج کو تو عبد الملک کا حکم تھا کہ اُن کی پیروی کیا کرو چنانچہ اسد الغابہ میں ہے ترجمہ مولوی عبد الشکور۔ ص۔ جلد۔

"عبد الملک بن مروان نے اسی (حجاج) کو حکم دیا تھا کہ تو ابن عمر کی اقتدا کر۔ پس حضرت ابن عمر تمام مقامات میں یعنی عرفہ وغیرہ میں حجاج سے آگے رہتے تھے"

پھر جو شخص ایسا مخدوم و مطاع خلیفہ ہو تو کس کی مجال تھی کہ اُن کو اس جنگ میں مار لیتا۔ کیونکہ فریق مخالف اس جنگ میں ابن الزبیر تھا جو ان کا گہرا دوست تھا اور فوجی سب اہل مکہ اور مدینہ والے صحابہ تھے پھر وہ کیونکر اُن کو صدمہ پہونچاتے۔

ہم جو بار بار صحابہ کی عدم شرکت پر رو رہے ہیں تو اسی بنیاد پر کہ اُن کی محض شرکت حضرتؑ کے لئے بڑے بھاری سپر کا کام دیتی۔ کیونکہ معاویہ نے اپنے زمانۂ حکومت و خلافت سے جو چالیس برس تھی سب کو یہ سمجھا رکھا تھا کہ جناب امیرؑ اور حسنینؑ خلفائے ثلاثہ اور صحابہ کے دشمن ہیں۔ اس لئے اور بھی صحابہ پرست اشخاص ان حضرات کے دشمن تھے۔ اگر دو چار صحابی جو مشاہیر زمانہ سے تھے حضرتؑ کے شریک ہوتے تو سب جان جاتے اُن کا قتل جائز نہیں چنانچہ جنگ جمل و صفین میں چونکہ اہل بدر و دیگر صحابہ جناب امیرؑ کے شریک رہے۔ اس لئے وہ غلبہ معاویہ کو نہ ہو سکا۔ حالانکہ عائشہ و طلحہ و زبیر بڑے با اثر اشخاص تھے۔ مگر چونکہ بہت سے صحابہ جناب امیرؑ کے ساتھ تھے خصوصاً وہ صحابہ جن کو ہر کس

دا کس جاتا تھا کہ یہ اعلیٰ درجہ کے صحابی ہیں مثل حضرت عمّار یاسر وغیرہ۔ بزرگان دین کے اسلئے حضرت ہی کو کامیابی ہوئی۔
اسی طرح ابن عمر اگر جناب امام حسین کے ساتھ ہوتے تو پھر کسی کو شاید ہی اتنی جرأت ہوتی کہ حضرت پر ہاتھ اٹھاتا۔
مگر وہ عداوت جو موروثی تھی۔ اور وہ برتاؤ جو اپنے باپ خلیفہ دوم کا دیکھ چکے تھے اُس نے ابن عمر کو نکلنے دیا
اور اُن کے نہ نکلنے نے حضرت کو اس طرح شہید کرایا۔

المختصر وہ لکھا ہے کہ ابن عمر کو نہایت درجہ اقوال و افعال رسول کا احترام تھا مگر افسوس یہی مولوی شبلی
الفاروق میں لکھتے ہیں :-

"کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ نے کوئی کام کرنا
چاہا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمر نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی ص۲۳۲)

پھر یہ لکھتے ہیں :- فاقلوا الروایۃ عن رسول اللہ وانا شریککم۔
یعنی عمر نے حکم دیا کہ جہاں تک ہو سکے رسول اللہ سے روایت کم کی جائے اور میں تمہارا شریک ہوں ص۲۳۳)

ان عمر حبس ثلثۃ - ابن مسعود وابا الدرداء والمسعود الانصاری فقال قد اکثرتم
الحدیث عن رسول اللہ۔

حضرت عمر نے عبد اللہ بن مسعود۔ ابو درداء اور ابو مسعود کو محبوس کیا۔ اور کہا کہ تم لوگوں نے آں حضرت سے بہت
حدیثیں روایت کرنی شروع کیں ص۲۳۴ الفاروق)

اس حبس بیجا کا اثر جو ابن مسعود پر پڑا اس کو خود مولوی شبلی صاحب ان الفاظ سے لکھتے ہیں :-
"عبد اللہ بن مسعود جو مقالات علمی میں حضرت عمر کے تربیت یافتہ خاص تھے اُنکی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔
وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنی شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی
نہ کریں۔ محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سال بھر قال رسول اللہ
نہیں کہتے تھے (صفحہ ۲۲۵ الفاروق)

عمر اور ابن عمر کا جب ہم موازنہ کرتے ہیں تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے کہ ان کے حالات و خیالات بالکل ضد میں واقع
ہوئے تھے اپنے باپ کے کیونکہ عمر کی تو یہ تاکید تھی کہ حضرت کی حدیثیں جہاں تک ہو کم بیان کی جائیں۔ اور ابن عمر کا یہ
حال کہ اقوال و افعال رسول سے انھیں حد سے زیادہ دلچسپی تھی۔

یہ الزام ابن عمر پر اسی زمانہ میں قائم ہوا تھا کہ وہ خلاف فتوائے عمر فتویٰ دیتے ہیں۔
کسی شخص نے عبد اللہ بن عمر سے پوچھا حج تمتع جائز ہے (یعنی عمرہ و حج ایک ساتھ) تو عبد اللہ بن عمر نے کہا
حلال ہے۔ شامی نے کہا مگر تمہارے باپ تو منع کرتے تھے۔ ابن عمر نے کہا اگر ہمارے باپ منع کریں اور رسول اللہ
اجازت دیں۔ تو کس کا حکم مانا جائے۔ شامی نے کہا حکم رسول اُس پر ابن عمر نے کہا تو رسول اللہ نے ایسا
کیا ہے۔ (صحیح ترمذی)

جس سے معلوم ہوا کہ خود ابن عمر پر یہ اعتراض کیا گیا کہ تم اپنے باپ کے خلاف فتوی دیتے ہو جس کو ابن عمر نے تسلیم کیا اور جواب دیا کہ یہ تو بتاؤ باپ کا حکم زیادہ قابل قبول ہے یا حکم رسولؐ۔

طرفہ تو یہ ہے کہ سنن نسائی میں ہے:۔

باب التمتع من كتاب مناسك الحج

عن ابن عباس قال سمعت عمر بن الخطاب يقول والله انی لا نهاكم عن المتعه وانها لفی كتاب الله ولقد فعلها رسول الله يعنی العمرة بالحج

ابن عباس کہتے تھے کہ ہم نے عمر کو کہتے سنا قسم خدا کی ہم منع کرتے ہیں حج تمتع سے حالانکہ وہ کتاب خدا میں ہے اور رسول اللہ نے خود کیا ہے۔

اس سے کمال درجہ کی جرأت عمر ظاہر ہے کہ باوصفیکہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ حکم خدا و فعل رسولؐ سے ثابت ہو مگر ہم اس سے منع کرتے ہیں۔ مگر ابن عمر حکم خدا و رسولؐ کو حجت مانتے ہیں اور حکم پدر کو رد کرتے ہیں مگر افسوس تو یہ کہ یہاں تو ابن عمر نے اس دلیل کو پیش کیا مگر دوسری جگہ اسکو بھول گئے:۔

کسی نے ابن عمر سے پوچھا کہ عورتوں سے تمتع جائز ہے یا نہیں؟ تو ابن عمر نے کہا وہ حرام ہے۔ اس نے کہا ابن عباس تو اس کا فتوی دیتے ہیں۔ ابن عمر نے کہا تو عمر کے زمانہ میں کیوں نہ بولے اگر عمر کے زمانہ میں کوئی متعہ کرتا تو ضرور سنگسار کرتے۔ (کنز العمال)

یہاں عقل انسانی حیران ہے کہ ابن عمر متعہ الحج میں تو رائے ظاہر کرتے ہیں کہ حکم رسولؐ ماننے کے لائق ہے نہ حکم عمر، اور یہاں بالکل الٹ گئے کہ متعۃ النسا میں یہ کہا ابن عباس عمر کے زمانہ میں کیوں نہ بولے۔ اگر عمر کے زمانہ میں کوئی کرتا تو سنگسار ہی کیا جاتا۔

الندوہ۔ لکھتا ہے کہ:۔

"ابن عمر کو خواب دیکھنے کا شوق پیدا ہوا تو ایک روز دیکھا کہ دو فرشتے مجھے پکڑ کر دوزخ کی طرف لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کنوئیں کی طرح تہ بتہ ہے اسکے دو کنارے ہیں اور اسمیں کچھ لوگ ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں"

اقول۔ مگر افسوس آڈیٹر النجم نے ترجمہ اسد الغابہ میں اسکو الٹ دیا کہ:۔

ابن عمر نے خواب دیکھا میرے ہاتھ میں ایک ٹکڑا استبرق کا ہے میں جنت کے جس مقام کی طرف اشارہ کرتا ہوں وہ ٹکڑا مجھے وہیں اڑا لیجاتا ہے۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۶ ص۲)

اس افترا کا کیا جواب دیا جائے کہ اصل روایت کیا ہے اور انھوں نے کیا بنا دیا۔ کیونکہ جواب رسول اللہ دونوں روایت میں ایک ہی ہے جس سے معلوم ہوا اصل خواب ایک ہی ہے:۔

"حضورؐ نے فرمایا عبد اللہ کیا اچھا آدمی تھا کاش وہ رات کو نماز پڑھتا"

جس سے معلوم ہوا کہ حضرتؐ نے ان کو جنتی نہیں کہا۔

الندوہ۔ صحابہ میں رسولؐ اللہ کے اقوال اور اوامر کے بلاکم و کاست بجالانے میں عبداللہ بن عمر سے زیادہ کوئی محتاط نہ تھا"

اقول مگر افسوس ہے وہ بالکل باپ کے مخالف تھے کیونکہ عمر صاحب کا حال معلوم ہو چکا ہے انھوں نے کوئی دقیقہ مخالفت سنت رسولؐ میں اٹھا نہ رکھا۔ پس اگر فعل ابن عمر ممدوح تھا تو عمر کے حق میں وہی کہنا چاہیئے جو مخالف رسول اللہ کے لیئے حکم ہے۔

الندوہ۔ اسی بنا پر عبدالملک بن مروان نے حجاج کو لکھا تھا کہ حج میں حضرت عبداللہ بن عمر کی اقتدا کرو۔

اقول ابتداء اسکی یہ ہوئی کہ ۷۳ھ میں جب حجاج نے ابن الزبیر کا محاصرہ کیا ہے اور خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسانا شروع کیا تو عبداللہ بن عمر نے از خود حج کی ابتدا کی اور حجاج کو کہلا بھیجا:۔

اتق اللہ واکفف ہذہ الحجارۃ عن الناس — کہ خدا سے ڈر اور سنگ باری موقوف کر (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۳۰)

جس سے معلوم ہوا کہ دربار خلافت میں اُن کو کیسا رسوخ تھا کہ حجاج ایسے ظالم و سفاک کے مقابلہ میں یہ اسطرح حج کرتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ اگر یہ ہمراہی جناب امام حسینؑ سفر عراق کرتے تو مخالفین پر کیسا اثر پڑتا اور حضرت کیوں اس بیکسی سے شہید ہوتے۔

مگر یہ عجیب فقرہ لکھا "وہ موقع ریا سے ہمیشہ اجتناب کرتے تھے اور اپنی اقتدا اُسی حد تک جائز رکھتے جہاں تک اتباع سنت سے تعلق تھا اور اپنے ذاتی افعال کی تقلید وہ کبھی پسند نہ کرتے چنانچہ ایک دفعہ حج میں سر کے ساتھ سینہ کا بال بھی منڈوایا تو کہہ دیا یہ سنت نہیں بلکہ میرے بال مجھے تکلیف دیتے تھے اس لیئے میں نے منڈوا دیئے۔

اقول مگر اس تقریر کو مسئلہ ریا سے کیا تعلق کیونکہ اس کا اظہار تو اُن پر واجب تھا ہاں یہ معلوم ہوا کہ اُس زمانہ کے صحابہ اور تابعین ایسے جاہل تھے کہ اُنکو شریعت کے احکام کچھ نہ معلوم تھے جب صحابی کو کوئی فعل کرتے دیکھتے اُس کو سنت سمجھ لیتے۔ جس سے مذاہب اربعہ کی بنیاد پڑی مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی اپنی کتاب امام الکلام میں لکھتے ہیں:۔

وکان الصحابۃ رض یختلفون فی الامور الشرعیۃ ویقیمون علی ماذھبوا الیہ بدلائل ظنیۃ او نصوص صریحۃ (صفحہ ۵)

یعنی خود صحابہ امور شرعیہ میں اختلاف کرتے اور اپنی اپنی رائے پر دلائل ظنی یا نصوص صریح سے قائم کیا کرتے پھر بتایئے اختلاف نہ پیدا ہو تو کیا ہو یہاں تک کہ حدیث ہی اس بارے میں بنا ڈالی اختلاف اصحابی لکم رحمۃ جس پر اسحاق موصلی و عمرو بن بحر جاحظ فرماتے ہیں:۔

لو کان الاختلاف رحمۃ لکان الاتفاق نقمۃ (امام الکلام صفحہ ۳)

کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو چاہیئے اتفاق نقمت ہو (یعنی غضب خدا)

الندوہ۔ ابن عمر نے اپنی تمام زندگی زہد اور اعراض عن الدنیا میں بسر کی۔

اقول مگر تواریخ کہتی ہیں وہ ایسے خلیع تھے کہ دین کو دنیا کے ہاتھ بیچ ڈالا تاریخ کامل میں ہے:۔

فلما مات زیاد عزم معاویۃ علی البیعۃ لابنہ یزید فارسل الی عبد اللہ بن عمر مائۃ الف درھم فقبلھا فلما ذکر البیعۃ لیزید قال ابن عمر ھذا اراد ان دینی عندی اذا لرخیص وامتنع (ط۱۹۱)

یعنی موت زیاد کے بعد معاویہ نے یزید کی بیعت لینی چاہی تو عبد اللہ بن عمر کو لاکھ درہم بھیجا جس کو انھوں نے قبول کیا اسکے بعد بیعت یزید کا تذکرہ کیا گیا تو کہا اسی لیئے یہ روپیہ بھیجا تھا۔ تو ہمارا دین بہت سستا ہے۔ اسکے بعد بیعت سے انکار کیا۔

جنکی غرض تھی کہ اور ملے چنانچہ وہی ہوا اور پھر ایسے یزید کے طرفدار ہوئے کہ جو اُسکی مخالفت کرتا اس سے لڑنے کو تیار ہوتے۔

الندوہ۔ زہد و اعراض عن الدنیا کا صحیح اندازہ صرف جاہ پرستی کے موقع پر ہوتا ہے حضرت عبد اللہ بن عمر کے زمانہ میں خلافت سلطنت سے بدل کر جاہ پرستی اور عیش پسندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہو گئی تھی اس بنا پر مدعیان خلافت میں باہم جنگ و جدل رہتی تھی حضرت عبد اللہ بن عمر اگر چاہتے تو تمام لوگ اُنکی خلافت پر آمادہ ہو جاتے لیکن انھوں نے اس کی خواہش نہیں کی۔

اقول۔ یہ سچ ہے کہ عبد اللہ بن عمر کی طبیعت بالکل خلاف طبیعت حضرت عمر پیدا ہوئی تھی۔ عمر صاحب کو اگر محو شریعت رسول کا شوق تھا۔ تو اُن کو بقول آپ کے اتباع سنت کا شوق تھا۔ عمر اگر اُن درختوں کو کٹوا دیتے۔ جہاں رسول اللہ نے کوئی کام کیا تھا تو بقول آپ کے یہ پانی دیا کرتے۔ اس لیئے ممکن ہوا انکو بخلاف عمر خلافت کی خواہش نہ ہو۔ مگر بات یہ تھی کہ ایک موقع پر حضرت عمر نے ان کی نا اہلی خلافت کے لیئے بیان کی تھی، اس سے پھر اُن کو بھی جرات نہ ہوئی اور سمجھتے تھے کسی طرح خلافت اُن کو مل ہی نہیں سکتی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں ہے۔

حضرت عمر نے قصہ شوریٰ میں جب جناب امیر عثمان طلحہ۔ زبیر سعد بن ابی وقاص عبد الرحمان کو نامزد کیا ہے کہ انھیں چھ آدمیوں سے کوئی خلیفہ ہو تو کہا ہمارے بیٹے عبد اللہ کو شریک مشورہ کرنا مگر انکو استحقاق نہیں ہے اُس پر لوگوں نے کہا یا امیر المومنین وہ لائق خلافت ہیں اُن کو خلیفہ بنائیے ہم سب راضی ہیں عمر نے کہا کافی ہے آل خطاب کا ایک شخص اُن میں سے خلیفہ ہو۔ اس کو کوئی حق خلافت نہیں ہے۔ پھر کہا اے عبد اللہ (بن عمر) تم ہرگز ہرگز خلافت کا جامہ نہ پہننا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خود عمر صاحب کی خوشامد میں لوگوں نے اس وقت کہا تھا اُن کو خلیفہ بنایئے۔ مگر عمر صاحب اُن کی قابلیت کو جانتے تھے اور سمجھتے تھے کسی طرح اُن کو خلافت نہیں مل سکتی۔

عبد اللہ بن عمر کا یہاں نام لینا محض خوشامد عمر میں ایسا ہے کہ خود عمر صاحب نے بھی اس تصریح کر دی۔

یعنی کسی نے عمر سے کہا کہ ابن عمر کو خلیفہ بناؤ تو عمر نے کہا خدا تجھے قتل کرے یا تجھ پر لعنت کرے تو نے یہ کلمہ رضائے خدا کے لیئے نہیں کہا بلکہ رضائے عمر کے لیئے کیونکر ہم اس شخص کو خلیفہ

بنا ئیں جو اس کو بھی نہ جانتا ہو کہ اپنی زوجہ کو کیونکر طلاق دیتے ہیں کیونکہ عہد رسول اللہ میں اپنی زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دیا تھا جس پر حضرت نے عمر سے کہا کہ اپنے بیٹے کو کہو کہ رجوع کرے (تاریخ الخلفاء، صواعق محرقہ ص۱۱)

بلکہ ازالۃ الخفاء میں ہے۔ "قاتلک اللہ واللہ ما اردت اللہ بھا باللہ لا استعملہ علیھا ولا علی غیرھا وانت فقم فاخرج فمنذ الاٰن لا اسمیک الا المنافق فقام الرجل فخرج (ص۱۹۵ مقصد دوم)

یعنی عمر نے کہا تو نے خدا کے لئے یہ کلمہ نہیں کہا ہے نہ ہم اسکو کسی طرح حکومت دینگے تو فوراً نکل جا کہ آج کے روز سے ہم تجھے منافق کہیں گے۔

پھر کیونکر ممکن تھا کہ عبد اللہ بن عمر کو یہ خلافت ملتی اور وہ خلیفہ ہوتے کیونکہ سب کو انکی نااہلی معلوم تھی صرف دو چار خوشامدی اس طرح کی باتیں کرتے جس کو آپ انکی دلیل بناتے ہیں کہ ان کو طمع خلافت نہ تھی حالانکہ وہ ایسے عیش پسند و آرام طلب ہو گئے تھے کہ حدیث بنی الاسلام علی خمس سے لفظ جہاد کو بھی انھوں نے نکال دیا تھا۔

اگر یہ لڑائی کو خلافت کے لئے ناجائز سمجھتے تو سب سے پہلے ان پر فرض تھا کہ ابو بکر صاحب کے زمانہ میں خلافت بکری سے علیحدہ ہو جاتے کیونکہ انھوں نے صدہا نہیں ہزارہا صحابہ کو صرف اس جرم پر قتل کیا تھا کہ وہ انکی خلافت کو نہیں مانتے تھے جبراً وہ مرتد بنا کر قتل کیے گئے!۔

پھر عمر صاحب کی بیعت نہ کرتے جن کو صحابہ اہل شام نے خلافت سے خارج کیا تھا مگر وہ سب خلافتیں انکو بسر و چشم منظور ہوئیں اور خلافت جناب امیرؑ کسی طرح منظور نہ ہوئی حالانکہ احادیث رسول اللہ کے علاوہ جو ہزاروں ہیں خود اپنے باپ کے صدہا مرتبہ سن چکے تھے کہ جناب امیرؑ سے کوئی بڑھ کر مستحق خلافت نہیں ہے چنانچہ کتاب احکام سلطانیہ ابو الحسن ماوردی میں ہے:۔

ابن اسحق روایت کرتے ہیں کہ جب عمر زخمی ہو کر گھر میں داخل ہوئے تو کوئی آواز سنائی دی۔ پوچھا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا کچھ لوگ آپکے پاس آنا چاہتے ہیں۔ اجازت دی تو انھوں نے کہا یا امیر المومنین عثمان بن عفان کو خلیفہ بناؤ۔ عمر نے کہا کیسے بناؤں عثمان دوست رکھ سکتا ہے مال او جنت کو یہ سن کر چلے گئے تو دوسرا گروہ آیا اس نے کہا حضرت علی ابن ابی طالب کو خلیفہ کر جائیے۔ کہا البتہ وہ تم لوگوں کو ایسی راہ پر لے چلے گا جو حق ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں یہ سنکر ہم ان کے پیروں پر گر پڑے اور کہا کہ اے امیر المومنین پھر کیا مانع ہے جو آپ انکو خلیفہ نہیں کرتے۔ عمر نے کہا اے بیٹے کیا زندگی اور موت دونوں میں ہم اسکے متحمل ہوں۔ (تشئید المطاعن ص۵۲۳)

اس روایت میں جو عمر صاحب نے عثمان کو محب مال کہا ہے اس سے تو ہم کو یہاں بحث نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے ابن عمر جو خود باپ کی زبانی یہ کو سن چکے تھے کہ جناب امیرؑ اگر خلیفہ ہوں تو سب کو راہ حق پر لے چلیں گے مگر اس پر بھی جناب امیرؑ کی بیعت اس زمانہ میں بھی نہ کی جبکہ سب نے بیعت کی تھی۔

دیکھیے اس وقت تو عمر صاحب کی خوشامد کرتے ہیں اور پیر پڑتے کہ حضرت کو خلیفہ کر جاؤ۔ مگر آگے چلکر وہ ایسے مخالف بن جاتے ہیں کہ پناہ بخدا۔

استیعاب ابن عبد البر مکی میں ہے :- عن عبد اللہ بن عمر قال قال عمر لاھل الشوریٰ
للہ درھم لو ولوھا الاصلع کیف یحملھم علی الحق ولو کان السیف علی عنقہ
فقلت اتعلم ذالک منہ ولا تولیہ قال ان لم استخلف واترکھم فقد ترکھم
من ھو خیر منی (ص۴۵۵ جلد ۲)

یعنی عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ عمر نے اہل شوریٰ سے کہا کس قدر بہتر ہو تا اگر یہ لوگ اصلع (جناب امیرؑ) کو خلیفہ کرتے کہ کس طرح وہ انکو حق پر چلائیں گے اگرچہ تلوار آپ کی گردن پر ہوتی۔ عبد اللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ ہم نے کہا آپ اس کو جانتے ہیں اور پھر خلیفہ نہیں کرتے تو عمر نے کہا اگر ہم خلیفہ نہ کریں تو آپنے بھی نہیں خلیفہ کیا جو ہم سے بہتر تھا۔
یہ روایت ابن عمر مستدرک امام حاکم۔ کنز العمال۔ ریاض النضرۃ۔ طبقات ابن سعد فتح الباری سب میں موجود ہے کہ ابن عمر نے اپنے باپ عمر سے اس قسم کے کلمات سُنے جس سے بعلم الیقین معلوم تھا کہ ہدایت اور حق منحصر ہے خلافت جناب امیرؑ میں۔ مگر نہ عمر نے آپ کو خلیفہ بنایا اور نہ ابن عمر نے آپکی بیعت کی۔ بلکہ برعکس اسکے یزید کی اور عبد الملک کی نہایت خوشی سے بیعت کی چنانچہ خود مولوی شبلی صاحب اسی مضمون میں لکھتے ہیں۔

عبد الملک بن مروان کی بیعت جب لوگوں نے کی تو انھوں نے ایک خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے تمھاری بیعت پر اتفاق عام کیا ہے۔ میں بھی اس چیز میں داخل ہوتا ہوں جس میں مسلمان داخل ہوئے ہیں۔
یزید بن معاویہ کی بیعت کی خبر جب انکو پہونچی تو انھوں نے کہا کہ اگر یہ خیر ہے تو ہم اس پر راضی ہیں اور اگر بلا ہے تو ہم صابر ہیں (الحدیث ص ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ)

اب کون ان سے پوچھے کہ عبد الملک اور یزید کی بیعت آپنے اس خوشی سے کی اور جناب امیرؑ و امام حسنؑ کی بیعت کسی طرح نہ کی حالانکہ وہاں بھی ایسا ہی اتفاق مسلمانوں کا ہو چکا تھا۔ اس کا باعث بجز عداوت جناب امیرؑ کیا تھا جس پر علامہ سبط ابن الجوزی کتاب تذکرۂ خواص الامہ میں لکھتے ہیں:-

قال الزھری والعجب ان عبد اللہ بن عمر وسعد ابن ابی وقاص لم یبایعا
علیاً وبایعا یزید بن معاویہ

یعنی کہا امام زہری نے تعجب ہے کہ عبد اللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی اور یزید بن معاویہ کی بیعت کی۔ (استقصاء الافحام جلد ۲)

کتاب عدیم الفرید ابن مسکویہ میں ہے کہ عبد اللہ بن حارث نے ابن عمر سے کہا۔
تم نے پہلے جناب امیرؑ کی بیعت کی بلا جبر و اکراہ پھر آکر اس کا اقالہ کیا اور کہا کہ ہم کو معاف کیجئے اسکے بعد حجاج کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہو اور کہتے ہو ہم سے بیعت لے لو کیونکہ ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ جو شخص ایک رات بھی بلا بیعت کسی امام کے رہے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی پھر جب اضطراب پیدا ہوا تو تم نے گمان کیا کہ نہ ہم حق کو پہچانتے ہیں کہ اہل حق کی نصرت کریں اور نہ باطل کو کہ اہل باطل سے جنگ کریں۔ عبد اللہ بن عمر نے کہا

بس کر ولے ابو محمد کہ ہمنے اس سے خیر کا ارادہ کیا تھا اور لوگوں نے بھی عبد اللہ بن حارث کو کہا! کہ جانے دو۔ (استقصار الافحام)

غرض مولوی شبلی صاحب اس ذریعے سے چاہتے ہیں کہ ابن عمر کو ایک اعلیٰ درجہ کا متقی اور زاہد قرار دیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اُن میں اس درجہ کی عشرت پسندی تھی کہ اکثر روزہ جو افطار کرتے تو مجامعت سے، جیسا کہ بحار الانوار میں ہے (صفحہ ۲۹۵ جلد ۳)

وابن عمر فقد کان یفطر بالجماع وانه جامع ثلثة جوارئ فی رمضان قبل العشاء۔

یعنی ابن عمر روزہ کا افطار جماع سے کرتے تھے اور اُنھوں نے تین جاریہ کے ساتھ مجامعت کی قبل عشاء۔

پھر جو شخص ایسا عیش پسند ہو وہ کب خلافت کر سکتا ہے اسی وجہ سے عمر صاحب نے اُس شخص کو جس نے اُن کے خلافت کی رائے دی تھی منافق کا خطاب دیا کیونکہ باپ سے بڑھ کر مزاج بیٹے کا کون پہچان سکتا ہے غرض حضرت عمر اور اُن کے فرزند عبد اللہ بن عمر کے مزاج اور فطرت میں کچھ ایسا تباین واقع ہوا تھا کہ جو بات عمر کو پسند تھی وہ ابن عمر کو ناپسند۔

مولوی شبلی صاحب بار بار اُن کے خلافت کا تذکرہ کرتے ہیں کہ لوگوں نے مشورہ دیا مگر اُنھوں نے قبول نہ کیا حالانکہ ازالۃ الخفا میں ہے۔

کہ معاویہ نے ایک روز دربار میں کہا جس میں ہمت کلام کی ہو وہ ہمارے سامنے آئے ہم اس خلافت کے بہ نسبت اس کے زیادہ مستحق ہیں اور نیز اُسکے باپ سے۔

حبیب بن مسلمہ نے ابن عمر سے کہا تمنے کیوں نہ جواب دیا تو عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ ہم نے چاہا تھا کہ جواب دیں تجھ سے زیادہ وہ شخص مستحق خلافت ہے جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے جہاد کیا مگر اس خیال سے چپ رہے کہ کہیں اس کے وجہ سے خونریزی نہ ہو (یعنی خود قتل نہ کیے جائیں) اور ہمارے قول کا دوسرا مطلب نہ نکالا جائے لہذا خدا نے جو وعدہ جنت کیا ہے اس کو یاد کر کے چُپ ہو رہے حبیب نے کہا تو خوب کیا اپنی حفاظت کی اور جان بچائی۔

اب اس سے بڑھ کر کیا بے عزتی ہو سکتی ہے کہ معاویہ اس طرح ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا ہے کہ ہم عمر سے بھی زیادہ مستحق خلافت ہیں اور عبد اللہ بن عمر صرف جان کے خوف سے سکوت کرتے ہیں کیا ایسا شخص خلیفہ ہو سکتا ہو۔ اس واقعہ کو مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"جو امیہ کی تعدی اُن کو بھی ناگوار تھی لیکن آخرت کے خوف سے رُک جاتے تھے چنانچہ امیر معاویہ نے ایک دفعہ کہا ہم سے زیادہ خلافت کا کون مستحق ہو سکتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہوں وہ لوگ جنھوں نے تم کو

اور تمھارے باپ کو اسلام کے لئے مارا تھا (فتح مکہ) میں مگر فتنہ و فساد کے خوف سے رُک گیا۔

مگر افسوس اُس جملہ کو حذف کر دیا جس میں معاویہ عمرؓ پر بھی اپنی فضیلت ثابت کرتا ہے حالانکہ کوئی غیور بیٹا اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔

مولوی شبلی صاحب کہتے ہیں "حضرت عبداللہ بن عمر اگر چاہتے تو تمام لوگ اُن کی بیعت پر آمادہ ہو جاتے" مگر یہ ایسا کلمہ ہے کہ اسکی حقیقت کو وہ خوب جانتے ہیں کیونکہ طلحہؓ زبیرؓ سعد ابن وقاص تین مدعی خلافت موجود تھے جن کے استحقاق کو عمر بیان کر چکے اور عمر کا یہ قسم کہنا کہ یہ کسی طرح خلافت کے قابل نہیں ہیں سبکو یاد تھا پھر کیونکر وہ خلیفہ ہو سکتے تھے اور اگر دو چار اُنکی بیعت بھی کرتے تو وہ سب ہلاک کر دیے جاتے۔

دیکھئے تاریخ طبری میں ہے صفحہ ۱۵۵ جلد ۵ :- ثم انھم اتوا ابن عمر عبداللہ فقالوا انت ابن عمر فقم بھذا الامر فقال ان لھذا الامر انتقاما واللہ لا اتعرض لہ فالتمسوا غیری

یعنی اس پر عبداللہ بن عمر کے پاس آئے تو انھوں نے جواب دیا کہ اس امر کا ضرور انتقام لیا جائے گا لہذا ہم اسکے متعرض نہیں ہوتے دوسرے کی تلاش کرو جس سے معلوم ہوا کہ وہ ان وجوہ سے خلافت کے متمنی نہیں ہوئے نہ کہ از راہ زہد و قناعت۔

رسالہ کا موضوع بحث یہ ہے کہ صحابہ کا برتاؤ اہلبیتؑ اطہار کے ساتھ کیسا تھا جس کو آپ نے ابن عمر کے حالات میں اچھی طرح ملاحظہ فرمایا کہ عبداللہ اس تقدس اور احتیاط کے ساتھ کہ بقول اہلسنت سُنّت رسُول کو نہیں چھوڑتے اس معاملہ میں کیسا سخت تھے کہ یزید کی بیعت کی۔ عبدالملک کی بیعت کی۔ حجاج کے پیچھے نماز پڑھی اور نہ معلوم کتنے فاسقوں اور فاجروں کو اپنا مقتدا بنایا۔ مگر نہ جناب امیرؑ کی بیعت کی نہ امام حسنؑ کی نہ امام حسینؑ کی حالانکہ جس قسم کا اتفاق یا اجماع یزید و عبدالملک پر ہوا اُس سے بڑھ کر جناب امیرؑ اور امام حسنؑ پر ہوا تھا۔ مگر اس شخص کے نفس نے اسکو گوارا نہ کیا کہ جناب امیرؑ کی بیعت کریں۔

جناب امیرؑ کے بیعت کے وقت جو حالت ہوئی وہ اس سے ظاہر ہے کہ تاریخ کامل میں ہے :-

جب ابن عمر بیعت کے لیے لائے گئے تو کہا جب تک سب بیعت کریں گے ہم بیعت کریں گے حضرتؑ نے کہا اچھا کوئی ضامن لا۔ اس نے کہا کوئی کفیل ہمارا نہیں ہے۔ مالک اشتر نے کہا اگر حکم دیجیے تو گردن اڑا دوں جناب امیرؑ نے فرمایا چھوڑ دو اس کے ہم ضامن ہیں کیونکہ ہم اسکو جانتے ہیں بچپنے سے اس وقت تک یہ بد خلق رہا ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۸۰ یہی عبارت طبری کی بھی ہے تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۱۵۲)

یہاں آپ کو واقعہ بیعت خلیفہ اول یاد آیا ہوگا کہ جب جناب امیرؑ نے اُن کے بیعت سے انکار کیا تھا تو خلیفہ دوم آگ لکڑی لے کر گھر جلانے گئے تھے اور یہاں جناب امیرؑ خود ابن عمر کی ضمانت اور کفالت کرتے ہیں اس واقعہ نے کہ ابن عمر نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی اور حضرت سے منحرف رہے حضرات اہلسنت کو بہت بے چین کیا ہے جس کے لیے یہ روایت نکالی جیسا کہ اسد الغابہ میں ہے صفحہ ۲۲۸ جلد ۳

حضرت علیؑ کیساتھ بھی انکے کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے مگر بعد میں حضرت علی کے ساتھ ہو کر نہ لڑنے پر نادم ہوئے۔

عبداللہ بن حبیب نے بیان کیا وہ کہتے ہیں :-

مجھے میرے والد نے خبر دی ہے کہ جب حضرت ابن عمر کے وفات کا وقت آیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے دل میں کسی بات کی آرزو نہیں پاتا ہاں اسکا مجھے افسوس ہے کہ میں نے گروہ باغی سے قتال کیوں نہ کیا۔

اس حدیث کو علامہ ابو عمر نے بھی استیعاب میں لکھا ہے اور انھوں نے اتنی بات زیادہ روایت کی ہے کہ۔

"علی کے ساتھ ہو کر میں نے گروہ باغی سے قتال کیوں نہ کیا"

مگر افسوس ابن حجر نے اس پردہ کو فاش کر دیا اور بتا دیا کہ وہ کس کو باغی جانتے تھے۔

عبداللہ بن عمر نے کہا کہ ہم کو صرف اسکی حسرت رہ گئی کہ اس فئۃ باغیہ سے قتال نہیں کیا جس کا حکم خدا نے دیا تھا تو حمزہ نے کہا تم کس کو فئۃ باغیہ قرار دیتے ہو کہا یہی ابن الزبیر جس نے بغاوت کی اس قوم بنی امیہ پر کہ ان کو ان کے دیار سے خارج کیا اور ان کے عہد کو توڑا۔ (فتح الباری جلد ۲ ص ۵۵۶)

جس سے معلوم ہوا کہ وہ کیسے طرفدار بنی امیہ تھے کہ عبداللہ بن زبیر کو باغی قرار دیا جس نے فوج یزیدی سے خانہ کعبہ میں جنگ کی تھی۔ پھر بھلا وہ بنی امیہ کو کب باغی قرار دیسکتے ہیں۔

عداوت جناب امیرؑ ان میں اس درجہ پر تھی کہ حضرتؑ سے حدیث کی روایت بھی نہیں کرتے تھے جیسا کہ اصابہ میں ہے۔

وھو من المکثرین عن النبیؐ و روی ایضاً عن ابی بکر و عمر و عثمان و ابی ذر و معاذ و عائشہ و غیرھم۔ (ص ۱۰۷ جلد ۴)

کہ آں حضرت سے بہت روایت کرتے تھے اور نیز ابو بکر۔ عمر۔ عثمان۔ ابوذر۔ معاذ۔ عائشہ وغیرہ سے روایت کرتے تھے مگر جناب امیرؑ کا نام نہ لیا جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب امیرؑ سے انکو کیسی عداوت تھی۔

اب یہاں دوسری مصیبت سنیئے کہ انھیں ابن عمر نے یہ روایت کر دی جس سے عجب طرح کی پریشانی اہلسنت میں پیدا ہوئی۔

عن ابن عمر قال کنا نقول علی عھد رسول اللہ ابو بکر۔ ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت۔ (قرۃ العینین شاہ ولی اللہ ص ۲۴۰)

یعنی ابن عمر کی حدیث ہے کہ ہم عہد رسول اللہؐ میں کہا کرتے تھے۔ ابو بکر۔ پھر عمر۔ پھر عثمان اسکے بعد سکوت کر جاتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جناب امیرؑ کو وہ چوتھے درجہ میں بھی قابل فضیلت نہیں جانتے بلکہ کل صحابہ کو ایک درجہ میں قرار دیتے تھے اس پر اہلسنت کے یہاں عجب شورش ہے چنانچہ ابو عمر ابن عبدالبر مکی صاحب استیعاب لکھتے ہیں۔

جو شخص اس کا قائل ہے کہ ابن عمر کہتے ہیں بعد عثمان ہم سکوت کرتے تھے کسی کو فضیلت نہ دیتے تھے تو

یہ ایسا امر ہے کہ جیسے ابن معین نے اس پر سخت انکار کیا اور اسے نیز لغو کہا کیونکہ اتنا قائل اجماع اہلسنت کا سلف سے
خلف تک مخالف ہے کیونکہ تمامی اہل نقد واثر کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب امیرؑ بعد عثمان سب سے افضل ہیں جس میں
کسی طرح کا اختلاف نہیں مگر خلافت کے زمانہ میں کہ جناب امیرؑ افضل ہیں یا عثمان ایک سلف میں تو یہ بھی اختلاف رہا ہے کہ جناب
امیرؑ افضل ہیں یا ابوبکر مگر بعد عثمان حضرت کے افضلیت میں تو کسی طرح کا اختلاف ہی نہیں لہذا یہ حدیث
ابن عمر وہم اور غلط ہے۔ اور کسی طرح معنی اسکے صحیح نہیں ہیں اگرچہ اسناد اس کے صحیح ہوں۔ (قرۃ العینین ۱۴۳)
ہم کو یہاں اس حدیث سے صرف اسی قدر سروکار ہے کہ ابن عمر کے متعلق یہ حدیث بڑی معرکۃ الآرا ہے
لہذا یہ بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ ابن عمر کو جناب امیرؑ سے ایسی عداوت تھی کہ درجہ چہارم میں بھی حضرت کے خلافت یا
فضیلت کے روادار نہیں ہیں کہ بعد عثمان بھی کسی طرح کی فضیلت ثابت ہو بلکہ تمام صحابہ کو ایک درجہ میں مانتے ہیں
نہیں نہیں ابن عمر نے اس پر بھی قناعت نہیں کی کہ جناب امیرؑ کو کسی طرح درجہ چہارم خلافت پر رہنے دیں
بلکہ نظام خلافت سے نکال دیا جیسا کہ تاریخ الخلفا میں ہے۔ (ص ۱۴۳)

واخرج ابن عساکر عن عبد اللہ بن عمر قال ابو بکر الصدیق اصبتم اسمہ
عمر الفاروق قرن من حدید اصبتم اسمہ ابن عفان ذوالنورین قتل مظلوما یوتی
کفلین من الرحمۃ معاویہ وابنہ ملکا الارض المقدسہ والسفاح وسلام
ومنصور وجابر والمہدی والامین وامیر الغضب کلہم من بنی کعب بن لوی
کلہم صالح لا یوجد مثلہ قال الذہبی لہ طرق عن ابن عمر لم یرفعہ احد۔

یعنی ابن عمر سے بارہ خلیفہ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ ابوبکر صدیق کا نام تم نے پالیا۔ عمر فاروق قرن
حدید میں جنکا نام پالیا عثمان بن عفان جو مظلوم قتل ہوئے دو حصہ رحمت کا دیا جائے گا۔ معاویہ اور اس کا
بیٹا۔ یزید جو مالک ارض مقدس (شام) ہوئے۔ سفاح۔ منصور۔ جابر۔ مہدی۔ امین۔ امیر غضب۔ جو
بنی کعب سے ہیں اور سب صالح ہیں جن کا مثل و نظیر نہیں پایا جاتا۔ کہا ذہبی نے یہ روایت چند طریقوں سے ابن عمر
سے منقول ہے مگر کسی نے اسکی نسبت رسولؐ کی طرف نہیں دی۔

اس روایت کو بہ غور ملاحظہ فرمائیے اور پھر ابن عمر کی ایمانداری کی داد دیجیے کہ اس قدر بھی
ان کو گوارا نہ ہوا کہ جناب امیرؑ کا اسم مقدس کسی طرح اس فہرست میں جو انھوں نے بارہ خلیفہ کی بنائی تھی معاویہ
یزید کو جو صالح و بے نظیر بتاتے ہیں اس سے ہم کو بحث نہیں کیونکہ اگر ابوبکر و عمر صالح تھے تو یہ ان سے زیادہ اصلح تھے۔
اب آیئے اس زمانہ کو دیکھیے جب کہ جناب امام حسینؑ شہید ہو چکے اور لوگوں نے یزید کے افعال قبیحہ سے تنگ
آکر اس کو معزول کرنا چاہا ہے تو ان کو کیسی غیرت اور حمیت آئی۔

جب اہل مدینہ نے یزید کو خلافت سے خلع کیا تو ابن عمر نے اپنے اولاد و خدم و حشم کو جمع کیا اور کہا کہ ہم نے
رسول اللہ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے ہر غدر کرنے والے کے لیے روز قیامت ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا کہ

نصیحت ہو) اور ہم نے اُس شخص کی بیعت کی ہے اور بیعت خدا اور رسول کے لہذا ہم جہاں تک جانتے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ بیعت کرنے پر اس سے قتال کیا جائے تو اب جو شخص اس سے قتال کرے گا یا اُس کو خلع کرے گا تو ہمارے اُس کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔

(صحیح بخاری ص۵۵۵ حاشیہ فتح الباری جلد ۶)

اب اس سے بڑھکر کونسی طرفداری ہو سکتی ہے کہ یزید تو انکا امام اور مقتدا بنا اور جو اُس کو خلع کرنا چاہے اس سے آمادہ مخالفت ہوں پھر امام حسینؑ کی وہ کیا حمایت کرتے۔

چونکہ دنیا کو یزید اور معاویہ کے فسق و فجور کی خبر ہے لہذا ہم کو زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں مگر یہ تو آپنے دیکھ لیا کہ یزید کو جب لوگوں نے خلع کرنا چاہا تو انکو یہ جوش آیا مگر امام حسینؑ کا خون ناحق اُن کے نزدیک اس قابل نہ تھا کہ اُس پر جوش و خروش دکھایا جائے۔

حضرات اہلسنت یہاں آکر صحابہ کی بے بسی و بیکسی دکھاتے ہیں کہ وہ کیا کر سکتے تھے اُن کے پاس نہ فوج تھی نہ لشکر کوئی اختیار تھا مگر یہ سب اوصاف اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جبکہ اہلبیتؑ اطہار کے حقوق کھائے جاتے ہیں ورنہ دشمنان اہلبیتؑ کی تائید اور امداد میں اُن کو ہر طرح کی قوت و قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس واقعہ بیعت عبداللہ بن عمر نے جو یزید کی تھی اہلسنت کو اس درجہ منفعل اور نادم کیا ہے کہ ہم اُس کی تفصیل نہیں لکھ سکتے ہیں نہ ضرورت ہے کیونکہ ثمرۃ الخلافہ اور تشئید المبانی میں بشرح و بسط مذکور ہے اور مولوی حیدر علی نے ازالۃ الغین میں اس کا جواب دیا ہے جس کی رکاکت قابل دید ہے لہذا ہم اُس سے بحث نہیں کرتے صرف یہی دکھاتے ہیں کہ ابن عمر جو ایسے زاہد اور عابد کہے جاتے ہیں محبت اہلبیت طاہرین سے اُن کا دل کسقدر خالی تھا جس کا سبب بجز حب دنیا اور محبت اہل دنیا اور کیا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ خود مولوی شبلی صاحب اسی مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"شافعی کا بیان ہے کہ میں نے اُنکو پانچسو تک کی چادر اوڑھے ہوئے دیکھا ہے (الحدیث ص۱۲ ۱۳۲۳ھ)

پھر بتائیے تو اگر یہ جناب امیرؑ کے طرفدار ہوتے یا جناب امام حسینؑ کے مددگار تو یہ چادر اُنکو پانچسو کی کہاں سے ملتی اس حالت کے ساتھ مولوی شبلی صاحب کا یہ فقرہ کیا دلچسپ ہے:۔

"باوجود اس فقر و فاقہ کے حضرت عبداللہ بن عمر ہمیشہ مستغنی اور قانع رہے"

کیونکہ جو شخص پانچ پانچ سو کی چادر اوڑھے اُس کو کوئی فقیر کب جان سکتا ہے حالانکہ اسی نافع کی روایت فتح الباری میں ہے۔

ان نافع انکران یکون علی عمر دین وقد باع من ورثۃ میراثہ بمائۃ الف (ص۳۳۳ جلد ۱)

کہ عمر کے ایک وارث نے اپنے میراث کو ایک لاکھ پر فروخت کیا۔

تو انھیں وارثوں سے ابن عمر بھی تھے انکو کہاں سے فقر آکر گھیر سکتا ہے حالانکہ خود لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ عبد العزیز بن مروان نے زمانہ فتنہ میں اُنکے پاس کچھ مال بھیجا تو اُنھوں نے بخوشی قبول کیا"
پھر خود ہی لکھتے ہیں :۔
"ایک مرتبہ امیر معاویہ نے ایک لاکھ درہم یا دینار (طبقات ابن سعد میں تعین نہیں ہے) بھیجے اور چاہا کہ اس لالچ سے یزید کی بیعت کرلیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا کہ کیا میرا دین اسقدر سستا ہے"
اس سے اور بھی اس کی تصدیق ہوگئی کہ بیعت یزید اسی لالچ میں کی تھی کیونکہ بیعت کرنا یقیناً صحیح بخاری سے ثابت ہے اور پھر اس قسم کا جوش و خروش دکھانا اسکی حمایت میں تو اب اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ اسی لالچ میں اُنھوں نے یہ بیعت کی وہ اگر اس بیعت کو جائز نہ جانتے تو اُس مال کو واپس کرتے اور مردانہ وار اُسکے مخالفت پر آمادہ ہو جاتے مگر بائے حب دنیا نے اُن کے باپ کو اس پر آمادہ کیا کہ مخالفت خدا و رسولؐ کرکے خود خلیفہ بنیں وہی دنیا اُن کو اس پر آمادہ کر رہی کہ معاویہ و یزید کے طرفدار ہوں۔ ورنہ دنیا میں کونسا عقلمند یزید ایسے شخص کو اپنا امام اور مقتدا بنا سکتا ہے جس پر سارے جہان کی لعنت برس رہی ہے۔
اس بحث کو اس وجہ سے طول ہو گیا کہ مولوی شبلی صاحب نے ابن عمر کے تعریف میں بڑا طومار باندھا تھا اور اس مضمون کو اہل حدیث بلکہ مرزائیوں نے بھی اپنے اخبار میں شائع کیا تھا لہذا حقیقت حال واضح کرنا پڑا کہ یہ کیسے دیندار تھے جس کا نتیجہ بھی اُنکو خود اس دنیا میں مل گیا کہ جن لوگوں کے خاطر اُنھوں نے اپنے دین و ایمان کو دنیا کے ہاتھ بیچا تھا انھیں نے قتل بھی کیا۔ چنانچہ اسد الغابہ میں ہے کہ :۔
بحکم عبد الملک بن مروان حجاج حاکم مدینہ حج میں اُن کی اقتدا کرتا تھا یہ اُس پر بہت شاق تھا اُس نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ زہر کا بجھایا ہوا حربہ ابن عمر کے سر پر مارے چنانچہ ایسا ہی ہوا چند روز اُس کے اثر سے بیمار رہے اور آخر مر گئے حجاج نے انکے جنازہ کی نماز پڑھی۔ (صـ۲ جلد ۶)
دفن میں بھی وہی حجاج مزاحم ہوا استیعاب میں ہے :۔
وكان اوصى ان يدفن فى الحل فلم يقدر على ذالك من اجل الحجاج و دفن بذى طوى فى مقبرة المهاجرين (صـ۳۸۱)
یعنی ابن عمر نے وصیت کی تھی کہ (حل) میں دفن کیے جائیں مگر حجاج کی وجہ سے نہ ممکن ہوا لہذا ذی طوی میں دفن کیے گئے جہاں مقبرہ مہاجرین تھا۔
دیکھیے جو حالت عثمان کی ہوئی تھی کہ روضۂ رسولؐ کے قریب نہ دفن ہو سکے۔ بلکہ یہودیوں کے باغ میں دفن ہوئے جہاں یہودی رفع حاجت کیا کرتے) وہی حالت ابن عمر کی ہوئی اور نیز ابن زبیر کی جس کو حجاج نے سولی دلوایا تھا اور بے نماز پڑھے دفن کیا گیا۔
اب اس کے مقابلہ میں جناب امام حسین علیہ السلام کے مزار اقدس کو دیکھیے کہ خود حضرت پر کیسے کیسے ظلم ہوئے مگر آج آپ کا مزار اقدس کس عظمت و شان کا ہے کہ سب اُسکی عظمت کرتے ہیں بلکہ حضرت مسلم وہانی

کے مزار اقدس کو دیکھئے کہ اُس کوفہ میں پشت مسجد کوفہ پر دفن ہیں جہاں ان کی کیسی بے عزتی کی گئی تھی۔ یہ ہے نتیجہ اُس اخلاص کا جو ان حضرات کو خداوند عالم کے ساتھ تھا کہ دنیا بھر کی مخالفت کے باوجود اُن کو یہ عظمت ملی۔ ابن عمر کے حال میں یہ بھی لکھا ہے:۔

ما ذکر ابن عمر رسول اللہ الا بکیٰ ولا مر بربعهم الا غمض عینیه (ص۴۱ اصابہ)

یعنی رسول اللہ کا جب تذکرہ آتا تو یہ رو دیتے اور جب حضرت کے مکانات وغیرہ کی طرف سے گذر ہوتا تو آنکھ بچکایا کرتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ وہ اس طرح اپنی محبت کا اظہار کرتے مگر حقیقت یہ تھی کہ اولاد رسولؐ کی انھیں ایسی محبت بھی نہ تھی کہ انکے ساتھ کسی طرح اظہار عقیدت کرتے۔

اب ہم بقیہ اصحاب کے حالات پر ایک نظر اجمالی ڈالتے ہیں تاکہ اُن کے اعمال و افعال سے معلوم ہو کہ وہ اس فریضہ مودت اہلبیتؑ کو کس طرح انجام دیتے تھے اگرچہ اہلسنت نے صرف چار ہی آدمی کا نام لیا ہے ابن عمر۔ جابر بن عبد اللہ۔ ابو سعید خدری۔ ابو واقد لیثی۔ ابن عباس جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا۔ مگر ہم کو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی اور لوگوں کو چھوڑ دیں لیکن قبل اس کے کہ ہم ان صحابہ پر نظر ڈالیں ایک حدیث جناب امام جعفر صادقؑ کی کتاب کافی سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ فرائض مہاجرین و انصار کیا تھے اور اسکو کس قدر صحابہ نے نباہا۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

لعنکم اللہ یا معشر الانصار تلتا ما علیٰ ہذا عاہدتم رسول اللہ ولا بایعتموہ

(صافی شرح کافی ص۲۶)

یعنی خدا کی لعنت ہو تم پر اے گروہ انصار کہ تم نے اس طرح کا عہد نہیں کیا تھا رسول اللہ سے نہ ایسی بیعت کی تھی

یہ حدیث حضرت نے اُس موقع پر فرمائی ہے جب کہ اولاد امام حسن کو گرفتار کر کے بحکم منصور دوانقی لے گئے ہیں اور صدمہ سے حضرت کو بیس روز تک بخار آیا ہے پھر اس زمانہ کا کیا ذکر ہو جبکہ خود فرزند رسول احیاء اسلام کو مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق کی جانب روانہ ہوئے اور کسی صحابی نے آپ کی بیعت نہ کی۔

(۱) ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف زہری۔ انکی عظمت ان کے نام سے ظاہر ہے کہ عبد الرحمن بن عوف کے بیٹے ہیں جنھوں نے عثمان کو خلیفہ بنایا ۷۵ھ میں ان کی وفات ہے (اسد الغابہ ص۵۵)

خود صحابی بھی ہیں اور صحابی کے بیٹے ہیں اگر یہ جناب امام حسینؑ کی رفاقت کرتے تو آپ سمجھ سکتے ہیں حضرتؑ کی قوت کس درجہ بڑھ جاتی۔

ان کے باپ عبد الرحمان بن عوف خلیفہ ساز اتنے مال دار تھے کہ اسد الغابہ میں ہے انھوں نے اپنے ترکہ میں سونا بہت چھوڑا تھا وہ کلھاڑیوں سے کاٹا گیا اس سے مال کی اس قدر کثرت تھی کہ لوگوں کے ہاتھ بھر گئے اور ایک ہزار اونٹ سو گھوڑے اور تین سو بکریاں جو بقیع میں چرا کرتی تھیں چھوڑیں اور اُن کی چار بیبیاں تھیں جس میں سے ایک عورت کو اسّی ہزار روپیہ دیکر ان کے وارثوں نے رخصت کیا (ص۳۱۹ ج ۳)

احنف بن قیس۔ ان کے بارے میں عمر نے خط لکھا تھا کہ احنف اہل بصرہ کے سردار ہیں۔ اس وقت سے اُن کی عزت بڑھتی گئی، جنگ جمل میں یہ ان لوگوں سے تھے جو کسی طرف نہ تھے اور جنگ صفین میں یہ جناب امیر کی طرف تھے مگر شریک معرکۂ کربلا نہیں ہوئے۔ استیعاب میں ہے:۔

کان الاحنف احد جلة العلماء السادة الحکماء العقلاء (ص۵۹)

یعنی احنف بڑے جلیل القدر ہوشیار، عاقل حکیم تھے ۶۷ھ میں وفات ہے (ص۵۹ اسد الغابہ)

اسود بن حازم ان کا سن حدیبیہ میں تیس برس کا تھا ۱۲۵ برس زندہ رہے مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی (ص۸۴ اسد الغابہ)

(۴) **اسود بن عوف**۔ یہ بھی صحابی ہیں جو ابن زبیر کی طرف سے حاکم مدینہ تھے اور اُنکے بیٹے جابر بن اسود نے سعید بن المسیب کو اس جرم پر درے لگائے کہ ابن زبیر کی بیعت نہیں کی (ص۸۵ اسد الغابہ)

(۵) **اسود بن بلال** محاربی کوفی ۸۰ھ میں بمقام جماجم مارے گئے (ص۸۲ اسد الغابہ)

(۶) **اسود بن یزید بن قیس**۔ کوفہ کے فقہا اور وہاں کے مشاہیر میں سے تھے ۷۵ھ میں انکی وفات ہے (ص۸۷)

(۷) **اسیر بن جابر**۔ انصاری مدینہ کے رہنے والے ہیں زمانہ عبدالملک میں انہوں نے انتقال کیا۔ (ص۸۵)

(۸) **اسیر بن عمرو دو کنی**۔ عبداللہ بن مسعود کے بڑے شاگردوں میں سے تھے حضرتؐ کے زمانہ کے لوگوں میں سے ہیں ۸۵ھ میں انتقال ہے (ص۸۸ اسد الغابہ)

(۹) **اشعث بن قیس**۔ یہ اشعث ان لوگوں سے ہیں جو رسول اللہؐ کے بعد مرتد ہو گئے اور ابوبکر کے پاس قید ہو کر آئے تو کہا اپنی لڑائی کے لیے ہمیں چھوڑ دیجیے اور اپنی بہن کا نکاح ہم سے کر دیجیے اور یہی محمد بن اشعث کی ماں تھیں۔ (ص۹۸ اسد الغابہ)

ہم نے اس نام کو صرف اس وجہ سے لکھا ہے کہ ناظرین کو معلوم ہو محمد بن اشعث قاتلان امام حسینؑ سے ہے اور وہ خلیفہ اول کا حقیقی بھانجا ہے، جعدہ بنت اشعث بھی شاید اسکی بیٹی ہے جو قاتل امام حسنؑ علیہ السلام ہے۔

(۱۰) **انس بن حارث**۔ شہید کربلا ان کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا یہ میرا بیٹا یعنی حسینؑ سرزمین عراق میں شہید ہو گا پس جو شخص اسکو پائے اُن کی مدد کرے۔ چنانچہ انس بھی حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے (ص۱۲۳ اسد الغابہ)

استیعاب ص۳۳ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور نیز اصابہ ج ۱ ص۶۹ میں ہے:۔

مگر بہت سے اکابر اہلسنت کو یہ ناگوار گذرا کہ کسی صحابی کا نام بھی فہرست شہدائے کربلا میں آنے پائے اسی وجہ سے ذہبی نے تو صاف صاف کہہ دیا لا صحبة له مگر شکر خدا کہ بہت سے علماء اسکے طرفدار ہو گئے چنانچہ ابن البغوی ابن سکین ابن شاہین۔ دعبلی۔ ابن زبیر۔ باوردی۔ ابن مندہ۔ ابونعیم وغیرہ سبھی نے ان کے صحابی ہونے کا اقرار کیا مگر امام بخاری نے دوسری روش اختیار کی کہ ان کے صحابیت کو تو مانا مگر حدیث کو چاہا کہ ضعیف کر دیں چنانچہ اصابہ میں ہے:۔

انس نے حضرت سے روایت کی ہے کہ ہم نے سنا ہے آں حضرتؐ فرماتے تھے میرا فرزند حسین زمین کربلا

میں شہید ہوگا جو اُس وقت موجود ہو اُسکو لازم ہے کہ اُس کی نصرت کرے۔

چنانچہ انس بن حارث گئے اور امامؑ کے ساتھ شہید ہوگئے بخاری نے سعید کے بارے میں جنہوں نے انس سے روایت کی ہے کہا ہے کہ لوگ اس سعید کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ (اصابہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۹)

جس سے معلوم ہوا کہ نہ اُن کے صحابی ہونے میں عذر ہے نہ اس میں کہ یہ حضرتؐ کے ساتھ شہید ہوئے مگر چونکہ اس حدیث سے اُن کل صحابہ پر زد پڑتی ہے جو اُس وقت موجود تھے لہذا بخاری نے راوی مابعد کو مجروح کر دیا مگر ایسا ادھچا وار ہے کہ جس سے کوئی کام نہیں چل سکتا کیونکہ اگر کوئی حدیث بھی نہ ہوتی تو صحابہ کے لیے یہی کافی تھا کہ یہ فرزند رسولؐ ہیں بہر حال یہ بھی اہل کوفہ سے ہیں۔

(۱۱) انس بن مالک۔ ان کا حال پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ان کے سامنے سر امام حسینؑ کا ابن زیاد کے پاس لایا گیا اور اُنکو اسلامی حمیت نہ آئی۔ ان کی وفات ۹۱ھ میں ہے یا ۹۲ھ یا ۹۳ھ (اسد الغابہ صفحہ ۱۸۱)

اوس بن اعور بن جوشن بن عمرو بن مسعود۔ اسد الغابہ میں ہے کہ یہ الد شمر بن ذی الجوشن کے جس کا واقعہ حضرت حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ مشہور ہے۔ (صفحہ ۱۹۵)

اس شخص کے حالات کو ذوالجوشن کے نام میں کچھ تفصیل سے لکھا ہے ملاحظہ ہو اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۲۔

مگر ہم کو اس سے زیادہ بحث نہیں کیونکہ یہ معرکہ کربلا کے وقت غالباً زندہ نہ تھا۔ اس کے اسلام کی بھی حالت عجیب ہے کہ آں حضرتؐ نے اُس سے فرمایا کہ تو اسلام کب لائے گا تو اُس نے جواب دیا جب آپ کعبہ پر غالب آئینگے اور وہاں رہنے لگیں گے فتح مکہ کی خبر جب اُسکو معلوم ہوئی تو اسلام قبول کیا۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۲)

اس سے یہ تو بخوبی معلوم ہوا کہ دنیاداری کا مادہ اس میں پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا۔ کہ اسلام کو جو قبول بھی کیا تو نہ اس حیثیت سے کہ یہ دین حق ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ اب یہ دین غالب آچکا ہے مکہ فتح ہو چکا۔

مگر یہاں دوسرا فائدہ۔ یہ معلوم ہوا کہ اسد الغابہ میں ہے "بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ابو اسحاق نے ان سے نہیں سنا بلکہ انھوں ان کی حدیث اُن کے بیٹے شمر بن ذی الجوشن سے سنی ہے (صفحہ ۱۹۲)

استیعاب میں ہے:۔ قیل ان ابا اسحق لم یسمع منہ وانما سمع حدیثہ من ابنہ شمر ذی الجوشن (صفحہ ۱۲ ج ۱ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵)

جس سے ہر شخص کو معلوم ہوا کہ شمر بن ذی الجوشن قاتل امام حسینؑ کی یہ عزت افزائی کی گئی ہے کہ ائمہ اہلسنت نے اُس سے روایت لی ہے حالانکہ ابن عمر کے حال میں مذکور ہو چکا ہے کہ اُس نے جناب امیرؑ سے بھی روایت نہ کی مگر شمر کی روایتیں خود صحاح اہلسنت میں موجود ہیں کیونکہ سنن ابی داؤد اُن کے صحاح ستہ میں داخل ہے۔

ایاس بن معاویہ مزنی۔ بصرہ کے قاضی تھے وفات ان کی ۱۲۲ھ میں ہوئی اسد الغابہ مگر افسوس شرکت اعانت جناب امام حسینؑ سے محروم رہے

ایقع بن خبید کلاعی۔ بھی صحابی ہیں [illegible]ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ص۲۲۲)

ایمن بن خریم۔ بھی صحابی ہیں ان کے باپ بدری تھے مروان کے عہد خلافت تک زندہ رہے۔ (اسد الغابہ ص۲۲۴) مگر جناب امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ ایسے جلیل القدر تھے کہ خود زبان آنحضرت سے طالب نصرت ہوا تھا۔

براء بن عازب۔ بڑے پایہ کے صحابی ہیں رسول اللہ کے ساتھ چودہ جہاد کیے [illegible]ھ میں ملک رے کو فتح کیا جنگ جمل و صفین و نہروان میں جناب امیرؑ کے ساتھ تھے بالآخر کوفہ ہی میں رہ گئے اور وہیں گھر بنا لیا تھا مصعب بن زبیر کے زمانہ میں وہیں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ص۱۳۵)

اصابہ میں ہے:۔ ابن حبان نے [illegible]ھ ان کے وفات کا سنہ بتایا ہے اور بہت سی حدیثیں انھوں نے آں حضرتؐ سے روایت کی ہیں اور ابوبکر، عمر وغیرہ سے بھی جو اکابر صحابہ سے تھے اور خود صحابہ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ (اصابہ جلد اول ص۱۴۲)

مگر ہائے نصرت امام حسینؑ نہ کر سکے حالانکہ خود کوفہ میں رہتے تھے جہاں کے لوگوں نے حضرتؑ کو دعوت دی تھی مگر ایسا جلیل القدر صحابی نصرت امام حسینؑ کو نہ نکلا حالانکہ حضرتؐ نے [illegible] انصار سے اس شرط پر بیعت لی تھی "میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ تم جن باتوں سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو ان سے میری بھی حفاظت کرنا" کعب بن مالک کہتے ہیں کہ براء بن معرور نے حضرتؐ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا قسم اس کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو بھیجا کہ ہم ضرور ان باتوں سے آپ کی بھی محافظت کریں گے جن سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں لہذا اے رسول خدا ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں اور قسم خدا کی ہم لوگ بڑے جمعیت اور اتفاق والے ہیں۔

(صفحہ ۱۴۱ ج ۲ اسد الغابہ)

یہ براء بن عازب ایسے مقدس صحابی تھے کہ ریاض مستطابہ میں ہے کہ قبل تشریف آوری رسول اللہ مدینہ میں یہ بہت سے سورے قرآن کے یاد کر چکے تھے مفصل سوروں سے سبح اسم ربک الاعلیٰ کی ایسی سورہ پڑھ چکے تھے یہ اور ابن عمر ایک سن کے تھے اس وجہ سے جنگ بدر میں نہیں شریک کیے گئے

ان سے چالیس حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منقول ہیں جن میں پندرہ حدیثوں میں بخاری متفرد ہیں اور چھ میں مسلم باقی دونوں کے یہاں متفق علیہ ہیں۔ (ریاض مستطابہ ص۹)

ان حالات سے آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اگر یہ جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتے تو کیا فرزند رسول اس آسانی سے قتل ہو جاتا مگر ہائے کہاں تھا وہ دردِ دین جس سے وہ اس وعدہ کو پورا کرتے جو وقت اظہار اسلام کیا تھا کہ ہم آپکی ویسی ہی حفاظت کریں گے جیسا کہ اپنے اہل بچوں کی کرتے ہیں۔

تواریخ و رجال سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ آخر انھوں نے فرزند رسولؐ کی نصرت کیوں نہ کی۔ مگر یہ کہا جائے **ابن زیاد** نے روکا جیسا کہ اور اہل کوفہ کے ساتھ بھی برتاؤ کیا مگر یہ عذر چنداں معقول نہیں ہے کیونکہ حضرت حبیب ابن مظاہر، مسلم بن عوسجہ بھی تو کوفہ ہی میں رہتے اور باوجود محاصرہ ابن زیاد میں مبتلا تھے

مگر نصرت امام کو کربلا پہونچ گئے۔

بریدہ بن حصیب اسلمی۔ یہ بھی بزرگان صحابہ سے ہیں بعد جنگ احد خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے اور جنگ حدیبیہ اور بیعۃ الرضوان میں شریک تھے پہلے یہ بصرہ میں جا کر رہے پھر خراسان چلے گئے اور بمقام مرو سکونت اختیار کی رسول اللہ نے جب جناب امیرؑ کو یمن کی طرف بھیجا کہ خالد بن ولید سے خمس وصول کریں تو بریدہ بھی خالد کے ساتھ تھے انھوں نے آکر جناب امیرؑ کی شکایت کی رسول اللہ سے "آپ نے فرمایا کہ اے بریدہ کیا تم علی سے بغض رکھتے ہو" میں نے عرض کی کہ ہاں آپ نے فرمایا ان سے بغض نہ رکھا کرو اور روح کبھی یوں کہتے تھے کہ حضرت نے فرمایا ان سے محبت رکھا کرو کہ خمس میں ان کا حصہ اس سے زیادہ ہے۔ (اسد الغابہ ص ۲۱۲)

اس واقعہ کو صحیح ترمذی میں اسطرح لکھا ہے:۔

"حضرت نے ایک لشکر کا سردار بنا کر جناب امیرؑ کو بھیجا تو آپ نے ایک لونڈی کو اپنے حصہ میں لیا جس پر چار صحابی نے باہم عہد کیا کہ جب خدمت رسول اللہ میں پہونچیں گے تو آپ کی شکایت کرینگے چنانچہ جب وہ لوگ آئے تو پہلے ایک کھڑا ہوا اور شکایت کرنے لگا آں حضرتؐ نے اسکی طرف سے منھ پھیر لیا اسی طرح دوسرے تیسرے صحابی نے شکایت کی ہر مرتبہ حضرتؐ نے منھ پھیر لیا۔ جب چوتھا کھڑا ہوا تو حضرت اس کی طرف متوجہ ہوئے اس حالت میں کہ آثار غضب آپ کے چہرے سے نمایاں تھے اور فرمایا تم کیا چاہتے ہو علیؑ سے تم کیا چاہتے ہو علیؑ سے۔ میں علیؑ سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں وہ ہمارے بعد ہر مومن و مومنہ کے ولی ہیں۔ (صحیح ترمذی ص ۲۱۲)

یہ روایت بریدہ اسلمی سے بھی مروی ہے اور اصل اس کی صحیح بخاری میں ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے دل میں کیسا بغض جناب امیرؑ سے بھرا تھا کہ باہم عہد کر کے خدمت رسولؐ میں آتے تھے اور شکایت کرتے تھے۔

اور روضۃ الصفا میں ہے:۔

بریدہ اسلمی نے اپنے قبیلہ میں ایک علم آراستہ کیا اسے لیکر مدینہ آئے اور حضرت علیؑ کے دروازہ پر نصب کر دیا حضرت عمر کو اسکی اطلاع ہوئی انھوں نے بریدہ سے کہا سب لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے اب تم ابوبکر کی مخالفت کیوں کر رہے ہو بریدہ نے کہا میں اس گھر والے (علی ابن ابی طالبؑ) کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کروں گا۔ اسکے بعد صحابہ اکٹھا ہوئے اور انھوں نے بریدہ کو بلا بھیجا بریدہ آئے لوگوں نے کہا تمھیں کیا ہوا ہے اور یہ کیسی باتیں تمھارے متعلق بیان کی جا رہی ہیں بریدہ نے کہا صورت حال یہ ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر خدا نے مجھے اور خالد بن ولید کو علیؑ کی ماتحتی میں یمن کی طرف روانہ کیا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس زمانہ میں علیؑ سے بڑھ کر میں کسی اور کا دشمن نہ تھا جب میں سفر سے واپس آیا تو میں سب سے پہلے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا پیغمبرؐ نے مجھ سے پوچھا تم نے علیؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے میں نے بتایا اس کدورت کے جو میں علیؑ کی طرف سے دل میں رکھتا تھا علیؑ کی بدگوئی کی میری باتوں سے پیغمبرؐ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا پیغمبرؐ نے فرمایا بریدہ کیا تم ایسے شخص کی

بدگوئی کر رہے ہو جو میرے بعد تمام لوگوں سے بہتر اور ان کا ولی و سید و سردار ہے میں نے جب آں حضرت
کی زبان سے یہ بات سنی عرض کیا یا رسول اللہ میں ہر اس چیز سے توبہ کرتا ہوں جو آپ کی ناخوشی و برہمی کا باعث ہو
میری درخواست ہے کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیے اور میری بخشش کی خدا سے درخواست کیجئے پیغمبرؐ
نے فرمایا علیؑ کو آ لینے دو اتنے میں علیؑ آ گئے اور مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر نعلین ٹھیک کرنے لگے میں نے
پیغمبر خدا سے عرض کی یا رسول اللہ علیؑ آ گئے ہیں اب اپنا وعدہ پورا کیجئے پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے
فرمایا اے خاصف النعل یہ بریدہ آئے ہیں اور تمہاری شکایتیں کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا کلیجہ
تمہارے خلاف مشتعل ہے میں نے ان سے کہا کہ تم ایسے شخص کی بدگوئی کر رہے ہو جو میرے بعد تم لوگوں کا سید
و سردار اور حاکم ہے ان بریدہ نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے لئے استغفار کروں میں بھی استغفار کرتا
ہوں تم بھی استغفار کرو۔ بریدہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد پیغمبرؐ نے میرے لئے دعائے مغفرت کی اور علیؑ نے بھی دعا
کی اسکے بعد میں اپنے گھر واپس آیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بریدہ جنگ جمل و صفین میں حضرت علیؑ کے ہمرکاب
رہے۔ (روضۃ الصفا ص۳۳)

مگر افسوس کہ یہ بھی شریک معرکۂ کربلا نہیں ہوئے جس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ بہت دور رہتے تھے وفات
ان کی ۶۳ھ میں ہوئی بزمانہ حکومت یزید۔ (اصابہ ص۱۵۱)

بسر بن ارطاۃ۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں بوقت وفات رسولؐ یہ کمسن تھا مگر اہل شام کہتے ہیں اس نے
رسول اللہ سے حدیثیں سنی ہیں۔ اسکو عمر بن الخطاب نے فتح مصر میں عمرو بن عاص کے مدد میں بھیجا تھا۔ جنادہ
بن امیہ کی روایت ہے کہ سفر دریا میں ایک چور اسکے سامنے لایا گیا تو کہا ہم نے رسولؐ سے سنا ہے کہ سفر میں چور کے
ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

بسر جنگ صفین میں معاویہ کی طرف تھا اور حضرت علیؑ اور انکے ساتھیوں کے لئے بہت سخت تھا
یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ بسر صحابی نہیں ہیں اور وہ کہتے تھے کہ وہ برا آدمی تھا اس وجہ سے کہ اسلام میں
اس سے بہت ناشائستہ کام ہوئے منجملہ ان کے وہ جو محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے کہ اس نے عبدالرحمان
اور قثم کو جو دونوں عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کے بیٹے تھے ان کی ماں کے سامنے ذبح کر دیا
اور یہ دونوں بچے کمسن تھے معاویہ نے اسے حجاز اور یمن کی طرف بھیجا تھا کہ شیعہ علیؑ کو قتل کرے اور معاویہ
کے لئے لوگوں سے بیعت لے۔ چنانچہ یہ مدینہ منورہ آیا اور وہاں بہت برے برے کام کئے اور یمن گیا اور اس وقت
یمن میں عبیداللہ بن عباس حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی طرف سے عامل تھے۔ عبیداللہ وہاں سے بھاگ گئے
پس بسر وہاں پہنچا تو یہ فعل یعنی ان صاحبزادوں کو ذبح کرنا وہیں کیا اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ بسر نے
یہ فعل مدینہ میں کیا مگر پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ ابو عمر نے کہا ہے کہ دارقطنی نے لکھا ہے کہ بسر بن ارطاۃ صحابی
تو ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ مستقیم نہ رہا جب اس نے حضرت عبیداللہ کے صاحبزادوں کو قتل

گیا تو اُنکی والدہ عائشہ بنت عبدالمدان کو سخت صدمہ ہوا اور اُنھوں نے یہ چند اشعار کہے جن میں کا ایک شعر یہ ہے

ھامن احس بابنی الذین ھما   کالدرتین تشظی عنھما الصدف

یہ اشعار مشہور ہیں پھر انھیں جنون ہو گیا موسم حج میں (لوگوں کے سامنے) کھڑے ہو کر اس شعر کو پڑھتی تھیں اور اپنے منھ پر طمانچہ مارتی تھیں اس واقعہ کو ابن انباری اور مبرّد اور طبری اور ابن کلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے پھر بسر مدینہ گیا مدینہ کے بھی بہت سے لوگ بھاگ گئے جن میں جابر بن عبداللہ اور ابو ایوب انصاری وغیرہ تھے وہاں بھی بسر نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور یمن میں بھی قبیلۂ ہمدان پر تاخت کی اور ان کی بیبیوں کو لونڈی بنایا یہ سب سے پہلی مسلمان عورتیں تھیں جو اسلام میں لونڈی بنائی گئیں نیز بسر نے مدینہ میں بہت سے گھر بھی گرا دیے تھے یہ حادثہ کتب تواریخ میں مذکور ہے اس میں طول دینے کی حاجت نہیں بعض لوگوں کا قول ہے کہ بسر نے مدینہ میں بعہد خلافت معاویہ وفات پائی اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ بعہد عبدالملک بن مروان ملک شام میں وفات پائی آخر عمر میں سٹھیا گیا تھا (عقل زائل ہو گئی تھی) اس کا تذکرہ تینوں نے کیا ہے (ص ۱۲۲۹ اسد الغابہ جلد اول)

ہمنے انکا حال اسوجہ سے لکھا ہے کہ اہلسنت کے یہاں یہ بھی صحابی ہیں اور ان کے ایسے افعال تھے نہ اس خیال سے کہ اُن سے نصرت امام حسینؑ کی امید تھی۔ مگر اُن کے ایسے افعال تھے کہ خود اہلسنت کو بھی اقرار کرنا پڑا چنانچہ مترجم اسد الغابہ اس پر حاشیہ لکھتے ہیں "بسر کو اگر صحابی مان لیں تب بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم اُن صحابہ کے فضائل کے معتقد ہیں جو تادم مرگ شریعت پر مستقیم رہے اب اُن کا شریعت پر مستقیم رہنا خواہ ہمیں روایات سے معلوم ہوا ہو یا قرآن عظیم سے مثلاً قرآن مجید میں اُنکی تعریف ہو یا خدا نے اپنی رضامندی اُن سے ظاہر فرمائی ہو جیسے مہاجرین و انصار اور اصحاب بیعۃ الرضوان کے لئے ان صحابہ کے مستقیم رہنے کا ہم کو قرآن سے علم ہوا کیونکہ خدا عالم الغیب ہے اگر اُن کا انجام اچھا نہ ہوتا تو ہرگز اُن کی تعریف نہ فرماتا نہ اپنی رضامندی ظاہر کرتا باقی رہے وہ بعض صحابہ جو مبتلائے فتن ہوئے ان کے فضائل کے ہم معتقد نہیں ہیں صرف یہ پاس ادب صحبت سید الانبیاء صلعم ان کی نسبت ہم خاموش ہیں"

اقول الحمدللہ معلوم ہماری کن حالتکاریوں نے آپسے یہ کلمہ کہلوایا جسکے بعد ہمارے آپکے کل اختلافات مٹ جاتے ہیں اگر صدق دل سے یہ کلمہ کہا ہو کیونکہ شیعہ سنی میں اختلافی امر یہی ہے کہ آیا کل صحابہ مغفور ہیں یا نہیں اہلسنت اسکے قائل ہیں

الصحابۃ کلھم عدول بایھم اقتدیتم اھتدیتم

صحابہ کے سب عادل ہیں ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

شیعہ اور اب انھم اہلسنت بھی اسکے قائل ہیں کہ بہ نص قرآن (منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرۃ) صحابہ میں ممدوح و مقدوح دونوں ہیں جو تادم مرگ شریعت پر مستقیم رہے وہ ممدوح ہیں۔

الحمدللہ کہ آپنے بھی اسکا اقرار کیا۔ "ہم اُن صحابہ کے فضائل کے معتقد ہیں جو تادم مرگ شریعت پر مستقیم رہے" جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو شریعت پر مستقیم نہیں رہے تو وہ کلیہ غلط ہوا الصحابۃ کلھم عدول بایھم اقتدیتم اھتدیتم

ذرا یہ تحقیقات جو آپ نے قرار دیا کہ آیات و روایات وہ بسر و چشم کل مسلمانوں کو منظور ہے مگر افسوس کہ قرآن کا

کوئی آیۃ یہ نہیں کہتا کہ خداوند عالم کل مہاجرین وانصار سے راضی ہے بلکہ اور شرائط بھی اُسکے ساتھ ہیں۔
چنانچہ خود آیۂ رضوان سورۂ فتح میں ہے:۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات منھم مغفرۃ واجراً عظیماً۔

یعنی اُن لوگوں میں سے جنھوں نے ایمان قبول کیا اور عمل نیک کیا ان سے خدا نے مغفرت و اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے
منھم نے بتا دیا کہ سب ایسے نہیں ہیں بلکہ بعض ہیں پھر آیہ لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ میں بھی یہ قید بیان موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ کل صحابہ یا کل مہاجرین وانصار مغفور نہیں ہیں بلکہ وہی جو مومن ہیں لہٰذا قرآن تو تمامتر آپکے خلاف ہے اس سے تمامتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نہ کل صحابہ ممدوح ہیں نہ کل مغفور بلکہ منکم من یرید الدنیا و یمیز الخبیث من الطیب موجود ہے جس سے اکثر صحابہ کا طالب دنیا اور خبیث ہونا ظاہر ہے۔
رہے روایات تو تمامی صحاح ستہ میں لن یزالوا مرتدین منذ فارقتھم اور من احدثوا بعدک روایات موجود ہے جس سے ثابت ہوا کہ عموماً تمامی صحابہ ممدوح نہیں ہیں لہٰذا بجز اس کے چارہ نہیں کہ عموم آیات کے ساتھ خصوص روایات ملا کر نتیجہ نکالا جائے جس کے لیئے ضروری ہے کہ وہ روایات قبول ہوں جو متفق علیہ فریقین ہوں کہ سنی شیعہ کسی کو بھی اسکے قبول میں عذر نہ ہو پھر دیکھئے نتیجہ کس کے حسب خواہ نکلتا ہے۔
بہر حال آپ کا یہ جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ "باقی رہے وہ بعض صحابہ جو مبتلائے فتن ہوئے انکے فضائل کے ہم معتقد نہیں" جس سے بخوبی ظاہر ہوا کہ اگرچہ وہ بظاہر صحابی ہیں مگر بوجہ ابتلائے فتن آپ اُنکے فضائل کے معتقد نہیں تو آپ غور فرمائیے خلفائے ثلٰثہ سے بڑھ کر کون مبتلائے فتنہ ہوا کیونکہ فتنہ تو رسُول کے بعد سے شروع ہوا پھر دیکھئے کون مبتلائے فتنہ ہوا کیا آپ کہہ سکتے ہیں جن لوگوں نے بطمع دنیا جنازۂ رسُول میں شرکت نہ کی اُن سے بڑھ کر کوئی مبتلائے فتنہ ہوا خدا فرماتا ہے۔

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین۔

کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے وہ فتنہ میں ڈالے نہ جائیں گے۔ حالانکہ پہلے لوگوں کو ہمنے فتنہ میں ڈالا ہے تاکہ خدا معلوم کرے (ظاہر کرے) صادقوں کو اور کاذبوں کو۔
رہا آپ کا یہ جملہ "صرف بپاس ادب صحبت سرور انبیاء اُن کا سب وشتم جائز نہیں سمجھتے" تو اس خیال سے عام مخلوقات خدا زیادہ قابل احترام ہیں کیونکہ وہ خدا کے پیدا کیئے ہوئے ہیں اور حضرت آدم و حوا کے نسل سے ہیں پھر اُن کا سب وشتم بلکہ قتل کیوں واجب ہوا۔ آپکے خلفاء تو ایسے صحابی کے سب وشتم بلکہ قتل کو بھی واجب کہیں جو اُن کے مخالف رائے ہوں لیکن آپ دشمنان رسُول و اہلبیت اطہار کے احترام کو ضروری قرار دیں۔ ان ہذا لشئی عجاب۔
دوسرا حاشیہ یہ ہے دیتے ہیں۔ "منافقوں کا ایک گروہ تھا جو اپنے کو شیعہ علی کہتا تھا یہ انھیں باغیوں کا گروہ تھا جنھوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا اور طرح طرح کے فتنے برپا کیئے انھیں کا قتل معاویہ کو منظور تھا یہ ظلم و ستم جو بسر نے حضرت عبید اللہ کے معصوم بچوں پر کیئے جنھیں سننے سے ہمارے دل آج کانپتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اقول یہ تحقیقات سب سے نرالی ہے کہ منافق اپنے کو شیعہ علی کہیں حالانکہ خود صحیح مسلم وغیرہ صحاح میں ہے:-

اناکنا نعرف المنافقین ببغض علی ابن ابی طالب
منافق کی شناخت اسی سے ہوتی تھی کہ وہ دشمن علی ہے۔

پھر یہ کلام آپ کا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ یہ منافقوں کا ایک گروہ تھا جو اپنے کو شیعہ علی کہتا تھا، کیونکہ اگر صحیح مسلم کی حدیث صحیح ہو آپکا کلام غلط ہے اور اگر آپ سچے ہیں تو وہ غلط۔

ہاں مترجم صاحب تذکرہ اسود میں اس کے قبل لکھ چکے ہیں: "شیعیان علی سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت علیؑ کا ساتھ دیا تھا اور اُنکے ساتھ ہو کے اُن کے مخالفین سے لڑتے تھے جو تمام تر اہلسنت کے عقائد رکھتے تھے گو یہ لفظ یعنی شیعہ اب زیادہ تر مخالفین اہلسنت پر اطلاق پاتا ہے مگر زمانہ قدیم میں اہلسنت ہی کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا تھا اور باعتبار لغت کے یہ لفظ بالکل عام ہے جو شخص کسی کے گروہ میں ہو اُسکو اُس کا شیعہ کہتے ہیں اسی معنی کے لحاظ سے خود قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کو نوح علیہ السلام کا شیعہ فرمایا ہے (ص ۱۱۱)

کیوں صاحب وہاں بھی اسی بسر بن ارطاۃ کا ذکر تھا کہ معاویہ نے قتل شیعیان علیؑ کے لیے اسے بھیجا تھا جس پر آپنے شیعہ کی یہ تعریف کی کہ وہ قدمائے اہلسنت تھے اور وہ ہمراہیان جناب امیرؑ سے تھے یہاں آکر کیا ہو گیا جو شیعہ کا خطاب منافقوں کو عنایت کیا گیا ہاں اگر یہ مطلب ہو کہ وہی منافق قدمائے اہلسنت تھے تو یہ دوسری بات ہے مگر وہ تو کسی زمانہ میں بھی شیعہ نہیں کہے گئے کیونکہ شیعہ اور منافق میں تو وہی نسبت ہے جو روز اور شب میں ہوتی ہے کہ دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

بہرحال ڈیٹر صاحب النجم کا یہ کہنا کہ معاویہ کا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کو قتل کریں جو شریک قتل عثمان ہوئے محض غلط ہے کیونکہ خود تاریخ کامل میں ہے۔ (ص ۱۵۳ جلد ۵)

کہ بسر بن ارطاۃ جب داخل مدینہ ہوا تو منبر پر جا کر آواز دی۔ یا دینار۔ یا نجار یا زریق یہ تین قبیلے تھے جن سے اُسکو رشتہ قرابت تھا اُسکے بعد کہا ہمارا شیخ یعنی عثمان کہاں ہے اگر معاویہ نے اس کا عہد نہ لیا ہوتا تو ہم مدینہ میں ایک جوان کو بھی زندہ نہ چھوڑتے" جس سے معلوم ہوا کہ اُسکی نظر میں اہل مدینہ قاتلان عثمان سے تھے مگر بسر نے اُن سب کو چھوڑ دیا۔

رہا واقعہ شہادت فرزندان عبید اللہ بن عباس تو تاریخ کامل میں اس طرح ہے:-

کہ بسر مدینہ سے جانب مکہ روانہ ہوا تو ابو موسیٰ اشعری اُسکے خوف سے بھاگ گئے اس کے بعد جانب یمن روانہ ہوا۔ عبید اللہ بن عباس وہاں کے عامل تھے وہ بھاگ کر جناب امیرؑ کے پاس آئے اور عبید اللہ بن عبد المدان حارثی کو اپنا نائب کیا بسر نے جا کر اُنہیں قتل کیا اور اُنکے بیٹے کو گرفتار کر لیا اور دونوں فرزندان عبید اللہ بن عباس کو جو کمسن تھے اُن کا نام عبد الرحمان اور قثم تھا اور وہ دونوں ایک شخص کے پاس تھے جو قبیلہ کنانہ سے تھا اور صحرا میں رہا کرتا تھا جب بسر نے ان لڑکوں کو گرفتار کیا اور چاہا کہ قتل کریں تو اس کنانی نے کہا ان کو کیوں قتل کرتا ہے حالانکہ دونوں بے قصور ہیں اور اگر تو انکو قتل کرتا ہے تو مجھکو بھی قتل کر ڈال۔ چنانچہ بسر نے اُسکو بھی قتل کیا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ پہلے وہ لڑا ہے اور مارا گیا اور ان دونوں لڑکوں کو بھی اس کے ساتھ دفن کر دیا

فخرج نسوة من بنی کنانه فقالت امرءة منهن یا هذا قتلت الرجال فعلام یقتل هذین والله ما کانوا یقتلون فی الجاهلیة والاسلام والله یابن ابی ارطاة ان سلطان لا یقوم الا بقتل الصبی الصغیر والشیخ الکبیر ونزع الرحمة وعقوق الارحام لسلطان سوء وقتل بسر فی مسیره ذالک جماعة من شیعة علیؑ بالیمن (ص ۱۵۳)

یعنی بنی کنانہ کی عورتوں نے نکل کر غل مچایا کہ اے بن ارطاۃ تو نے مردوں کو قتل کیا پھر ان لڑکوں کو کیوں قتل کرتا ہے حالانکہ بچے نہ تو جاہلیت میں قتل کئے جاتے تھے نہ اسلام میں۔ جو سلطنت ایسی ہو کہ بغیر قتل اطفال و شیخ کبیر نہ قائم ہو اور جب تک بیرحمی اور عقوق ارحام اس میں شامل نہ ہو تو وہ سلطنت نہایت بد ہے۔ اسی سفر میں بسر نے بہت سے شیعیان جناب امیرؑ کو قتل کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ اُن کا جرم صرف اسی قدر تھا کہ وہ شیعہ جناب امیرؑ تھے نہ یہ کہ کوئی اُن میں قاتلان عثمان سے ہو بلکہ قاتلان عثمان کو تو اُسنے دیدہ و دانستہ مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔

اس واقعۂ قتل فرزندان عبید اللہ بن عباس کا اثر جناب امیرؑ پر کیا ہوا اسی تاریخ کامل میں ہے ص ۱۵۴
یعنی جناب امیرؑ نے جب اس واقعہ کو سُنا تو بہت روئے اور بُسر پر بد دعا کی کہ خدایا اسکے عقل و دین کو سلب کرلے چنانچہ یہ بد دعا قبول ہوئی اور وہ دیوانہ ہو گیا کہ کہا کرتا تلوار لاؤ لوگ لکڑی کی تلوار دیدیا کرتے اور وہ مشک وغیرہ پر مارا کرتا۔ جب معاویہ کی حکومت قائم ہوئی تو ایک روز عبید اللہ بن عباس اسکے پاس گئے اور بُسر بھی وہاں بیٹھا تھا تو عبید اللہ بن عباس نے کہا ہم تو چاہتے تھے جس وقت تو نے ہمارے لڑکوں کو قتل کیا زمین ہم کو گھاس بنا کر وہاں اُگا دیتی بُسر نے کہا یہ میری تلوار حاضر ہے عبید اللہ نے چاہا لیں معاویہ نے روکا اور کہا خدا تجھے رسوا کرے کہ شیخ خرف ہو گیا ہے اگر یہ تلوار ان کے ہاتھ میں پڑ جاتی تو پہلے ہمکو قتل کرتے عبید اللہ نے بیشک پہلے تجھے قتل کرتے تب اس ملعون کو۔

افسوس کہ صاحب اسد الغابہ نے اسکو تو لکھا ہے کہ بُسر آخر میں مجنون ہو گیا تھا مگر اس کو نہ لکھا کہ یہ اثر بد دعائے جناب امیرؑ تھا نہ معلوم اس میں کیا مصلحت تھی۔

بہر حال بسر بن ارطاۃ بھی قریش سے اور لوی بن غالب بن فہر کے اولاد سے تھا استیعاب میں ہے کہ خلیفہ دوم نے اسکو بھی مدد عمرو عاص کے لئے مصر روانہ کیا تھا (یہی اسکی ابتدائی تاریخ ہے) وہ حدیثیں رسول اللہ سے روایت کرتا ہے مصنف استیعاب لکھتے ہیں "یہ اسلام میں بہت سے امور عظیم کا مرتکب ہوا جس میں سے یہ بھی ہے کہ عبید اللہ بن عباس کے دونوں فرزند صغیر کو اُن کے ماں کے سامنے ذبح کیا دارقطنی کہتے ہیں بعد رسولؐ اس میں استقامت نہیں رہی لما وجہہ معاویہ بسر بن ارطاۃ لقتل شیعة علی رضی اللہ عنہ اس کو معاویہ نے اس غرض سے مکہ

مدینہ یمن کی طرف روانہ کیا کہ وہاں جاکر شیعیان جناب امیرؑ کو قتل کرے۔

اغار بسر بن ارطاۃ علی ھمدان وقتل و سبی نساءھم فکن اول مسلمات سبین فی الاسلام وقتل احیاء من بنی سعد۔

یعنی بسر بن ارطاۃ نے قبیلہ ہمدان کو غارت کیا اور لوگوں کو قتل کیا اور عورتوں کو قید کیا یہ پہلا واقعہ ہے کہ مسلمان عورتیں قیدی بنائی گئیں اسلام میں پہلی عورتیں ہیں جو قید کی گئیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ بنی حنیفہ کی عورتیں جو جنگ یمامہ میں قید ہوئیں زمانۂ ابوبکر میں انکو یہ لوگ مسلمان نہیں مانتے تھے ورنہ پہلا قید تو انھیں عورتوں کا ہوا تھا) اور چند قبیلوں کو بنی سعد سے قتل کیا۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ وہ دو چیزوں سے پناہ مانگتے تھے ایک اس زمانہ سے کہ مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں۔ دوسرے اس وقت سے کہ مسلمان عورتیں قید کی جائیں۔ بعد قتل عثمان معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو مسلمان عورتیں قید کرکے لائی گئیں اور بازار میں انکی قیمت لگائی گئی۔ بسر کو معاویہ نے جب روانہ کیا تو وہ شام سے مدینہ آیا وہاں ابو ایوب انصاری جناب امیرؑ کے عامل تھے بھاگ کر خدمت جناب امیرؑ میں حاضر ہوئے اور بسر منبر رسولؐ پر گیا اور کہا ہمارا وہ شیخ کہاں ہے جس کو کل ہم چھوڑ گئے تھے مقصود اس سے عثمان تھے اس کے بعد اہل مدینہ سے خطاب کرکے کہا اگر معاویہ سے ہم عہد کرکے نہ آئے ہوتے تو اس مدینہ میں کسی کو زندہ نہ چھوڑتے مگر سب کو قتل کر ڈالتے اسکے بعد حکم دیا کہ سب معاویہ کی بیعت کریں اسکے بعد بنی سلمہ کو بلوا بھیجا اور کہا جب تک جابر بن عبداللہ انصاری کو حاضر نہ کروگے تم کو امان نہ ملے گی۔ حضرت جابر۔ ام سلمہ زوجۂ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حالات بیان کئے اور کہا یا تو بیعت ضلالت ہم اختیار کریں یا قتل کئے جائیں حضرت ام سلمہ نے کہا کہ بیعت کرلو تب جابر بسر کے پاس آئے اور بیعت کی اس کے بعد بسر نے بہت سے مکانات مدینہ گروا دیئے وہاں سے مکہ کا قصد کیا۔ ابو موسیٰ اشعری وہاں کا حاکم تھا یہ خبر سنکر وہ بھاگ گیا تو بسر نے کہا وہ ناحق بھاگا ہم اسکو قتل نہ کرتے کیونکہ اس نے تو جناب امیرؑ کو خلافت سے خلع کیا تھا اسکے بعد یمن گیا اور وہاں نائب عبیداللہ بن عباس عبداللہ بن عبدالمدان حارثی کو اور اسکے بیٹے کو قتل کیا اور حضرت عبیداللہ کے دونوں کمسن فرزندوں کو ذبح کیا تب جاکر شام لوٹ آیا۔

بسر کو معاویہ نے صفین کی لڑائی میں حکم دیا تھا کہ جاکر جناب امیرؑ سے مقابلہ کرے کیونکہ اگر حضرتؑ کو قتل کرے گا تو پھر دنیا و آخرت دونوں کا کام بن جائے گا۔ آخر وہ مقابلہ کیلئے نکلا اور جناب امیرؑ نے اسکو زمین پر گرا دیا تو اسکے ساتھ بھی وہی پیش آیا جو عمرو بن العاص کے ساتھ پیش آیا تھا جس پر یہ اشعار اسی زمانہ میں تصنیف ہوئے۔

وفی کل یوم فارس لیس ینتھی — وعورتہ وسط العجاجۃ بادیہ

ہر روز نیا سوار آتا ہے جس کی انتہا نہیں ہوتی — حالانکہ شرمگاہ اس کی سر راہ کھلنے والی ہے

یکف لھا عنہ علی سنانہ — ویضحک منھا فی الخلاء معاویہ

باز رکھتے ہیں بسبب اسکی شرمگاہ کے علی اپنے نیزہ کو — اور ہنستا ہے اس پر تنہائی میں معاویہ

کل عمرو عاص کی شرمگاہ کھلی کہ حضرتؑ نے منہ چھپالیا — اُسی طرح بسر کی شرمگاہ کھلی برابر برابر

فقولا لعمرو وابن ارطاۃ انظرا — سبیلکما لا تلقیا اللیث ثانیہ

پس کہو عمرو عاص اور بسر بن ارطاۃ سے کہ دیکھو — اپنی راہ کہیں پھر شیر سے دوبارہ سامنا نہ ہو

ولا تحمدا الا الحیا و خصاکما — هما کانتا واللہ للنفس واقیہ

اور نہ شکر گذار ہو مگر اپنی شرمگاہ اور خصیوں کا — کہ یہی دونوں بخدا جان کے بچانے والے ہیں

فلولا هما لم ینجوا من سنانہ — وتلک بما فیها عن العود ناهیہ

پس اگر وہ دونوں نہ ہوتے تو ہرگز حضرتؑ کے نیزہ سے نہ بچتے — اور یہ بات بسبب اُس عار کے دوبارہ مقابلہ سے مانع ہے

متی تلقیا الخیل المغیرۃ صبحۃ — وفیها علی فاترکا الخیل ناحیہ

جب کسی لشکر غارت دار کو دیکھو — کہ اس میں علیؑ ہوں تو لشکر سے نکل بھاگو

وکونا بعیدا حیث لا یلتقی القنا — نحورکما ان التجارب کافیہ

اور دور کھڑے ہو کہ نیزہ نہ پہونچ سکے — تم لوگوں کے گلے تک کیونکہ تجربہ کافی ہو چکا ہے

واضح رہے کہ یہ طریقہ کشف عورتین کا جو عمرو عاص نے اور بسر بن ارطاۃ نے کہ دونوں مشہور صحابی ہیں اختیار کیا۔ اس میں ان دونوں نے شاگردی کی ہے طلحہ کافر کی کیونکہ جنگ اُحد میں جو ۳ہجری میں روبرو حضرت رسولؐ کے ہوئی جناب امیرؑ نے علمدار لشکر کفار پر کہ نام اُس کا طلحہ بن ابی طلحہ تھا حملہ کیا تو اُس کی عورتیں کھل گئیں یعنی بے ستر ہو گیا تو جناب امیرؑ نے اُسکو چھوڑ دیا جیسا کہ شیخ عبد الحق دہلوی فرماتے ہیں:-

اسکے بعد طلحہ بن ابی طلحہ جو علمدار لشکر قریش تھا باہر آیا اور دعوت مبارزت دی میدان جنگ کے سوار اور لڑائی کے شیر علی مرتضیٰ میدان میں آئے اور اُسکے سر پر ایسی تلوار ماری کہ اس کا سر شگافتہ ہو گیا اور وہ بھاگ کر اپنی صف میں آگیا علیؑ کے ساتھیوں نے علیؑ سے کہا آپ نے طلحہ کا کام کیوں نہیں تمام کر دیا آپ نے جواب دیا کہ جب طلحہ زخم کھا کر نیچے گرا اسکی شرمگاہ کھل گئی اس نے مجھے قسم دی کہ میں اسکی جان بخشی کروں مجھے شرم معلوم ہوئی کہ پھر اس پر حملہ کروں . مجھے یقین تھا کہ طلحہ عنقریب مر جائے گا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۴۷ تاریخ کامل ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۵۷) پس یہ حرکت عمرو عاص اور بسر بن ارطاۃ کی بانتدا اُسی کافر کے تھی مگر فرق یہ ہے کہ اُس سے بے اختیاری میں یہ فعل سرزد ہوا اور ان دونوں نے قصداً یہ حرکت کی۔

علامہ ابن اثیر اسکے بعد لکھتے ہیں:-

جناب امیرؑ نے جو ان دونوں کے کشف عورت پر منہ پھیر لیا تو اس وجہ سے کہ حضرت کا عمل باغیوں کے بارے میں یہ تھا کہ نہ بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جائے اور نہ زخمی پر حملہ کیا جائے اور نہ قیدی قتل کیا جائے حضرتؑ کے جتنے حروب ہیں اسلام میں سب میں آپ کی یہی سیرت رہی اور یہی مذہب علمائے امصار کا ہے حجاز و عراق کا مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر بھاگ کر فرقہ مسلمین میں چلے تو اسکا تعاقب کیا جائے اور اگر کسی گروہ میں جا ملے

تو اس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ (تاریخ کامل جلد دوم صفحہ ۲۶)

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:-

یعنی معاویہ نے اسکو اوائل سنہ ۴۰ھ میں حجاز و یمن کی طرف اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہاں جاکر دیکھے جو شخص اطاعت جناب امیرؑ میں ہو اسکو قتل کرے اسکی موت بقولے ۸۶ھ میں ہے۔ (اصابہ جلد ا صفحہ ۱۵۲)

اب کہاں ہیں مولوی عبد الشکور مترجم اسد الغابہ جو اس عبارت کو دیکھیں اور پھر اپنے تحریف پر نظر کریں کہ آیا معاویہ نے قاتلان عثمان کے قتل کو بھیجا تھا یا صرف ان لوگوں کے قتل کو جو اطاعت جناب امیرؑ میں تھے کیونکہ اگر قتل قاتلان عثمان منظور تھا تو حضرت جابر کے ساتھ کیوں وہ سلوک کیا گیا کیا وہ بھی قاتلان عثمان سے تھے۔ بہرحال حضرات اہلسنت کو ایسے ایسے صحابہ پر جہاں تک ناز ہو سکتا ہے ناز کریں جو ظلم میں سب سے آگے اور جب شر سے مقابلہ ہو جائے تو .... قربان کر دیں۔

نصائح کافیہ میں ہے کہ معاویہ نے قصہ تحکیم کے بعد ہی جناب امیرؑ کے زندگی میں بسر بن ارطاۃ کو ایک لشکر کے ساتھ غارت گری کے لیے بھیجا اور ضحاک بن قیس فہری کو دوسرے لشکر کا سردار بنا کر روانہ کیا اور قبیلہ غامد سے ایک شخص کو تیسرے لشکر کا سردار بنایا وامرھم ان یسیروا فی البلاد فیقتلوا کل من وجدہ من شیعۃ علیؑ بن ابی طالبؑ واصحابہ حکم دیا کہ تمام شہروں میں جائیں اور جہاں جہاں شیعہ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام پائیں ان سب کو قتل کریں اور جو طرز عمل ان کا ہو سب میں فساد کریں اور حضرتؑ کے اصحاب کو قتل کریں ولا تبقوا بایدیھم من النساء والصبیان نہ عورتوں کو چھوڑیں نہ بچوں کو، بسر بن ارطاۃ یہاں سے روانہ ہو کر مدینہ پہونچا اور بہت سے اصحاب جناب امیرؑ کو قتل کیا وھدم بھا دورا اور بہت سے لوگوں کے مکانوں کو گرا دیا اور وہاں سے مکہ کیطرف گیا اور خاندان آل مہلب سے لوگوں کو قتل کیا پھر سراۃ گیا اور وہاں بھی جس کو اصحاب جناب امیرؑ سے پایا قتل کیا پھر نجران آیا اور عبد اللہ بن عبد المدان حارثی اور اسکے بیٹے کو قتل کیا جو عبید اللہ بن عباس کے سسرالی رشتہ دار تھے اور جناب امیرؑ کی طرف سے عامل تھے پھر یمن آیا وہاں عبید اللہ بن عباس عامل جناب امیرؑ تھے ان کو نہ پایا ووجد ابنین لہ صبیین فاخذھما بسر لعنہ اللہ وذبحھما بیدہ بمدیۃ کانت معہ انکے دو کمسن بچے مل گئے انکو بسر نے پکڑ کر اپنے ہاتھ سے چھری سے ذبح کیا اسکے بعد معاویہ کی طرف لوٹ گیا۔

معاویہ کے اور لشکروں نے بھی اسی قسم کی کاروائی کی چنانچہ غامدی نے انبار کے طرف رخ کیا اور وہاں ابن حسان بکری کو قتل کیا وقتل رجالا کثیرین ونساء من الشیعۃ (صفحہ ۳) یعنی بہت سے مردوں اور عورتوں کو قوم شیعہ سے قتل کیا اسکے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ غارت گری اور یہ سب خونریزی اس غرض سے ہوئی کہ خون عثمان کا قصاص لیا جائے کیا عورتیں اور بچے بھی اس میں شریک تھے جن کو اہلسنت کے مقدس صحابیوں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

بسر بن راعی العیر کا سنہ وفات نہیں لکھا ہے مگر یہ بائیں ہاتھ سے کھاتے تھے حضرتؐ نے فرمایا داہنے ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا اس ہاتھ سے نہیں کھا سکتے تو حضرتؐ نے ناخوش ہو کر اس سے کہا اب

نہ کھا سکے گا۔ چنانچہ پھر اُس کا داہنا ہاتھ اُس کے منہ تک نہ اُٹھتا تھا (صفحہ ۲۵۱ اسد الغابہ)

ایسے ہی صحابہ پر اہلسنت کو ناز ہے کہ وہ رسول کے فرمانبردار اور مطیع تھے حالانکہ کیسے کیسے سرکش اُن میں ہیں اس روایت کو صحیح مسلم میں لکھا ہے مگر نام غائب کر دیا اور دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا کہ بسبب کبر سنی کے اُس نے کہا جس کے معنی یہ ہوئے کہ رسول نے ناحق بددعا دی قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ وہ منافق تھا مگر امام نووی اس کو رد کرتے ہیں کہ لوگوں نے اُس کو صحابہ میں لکھا ہے مگر ابن حجر اُس کو بھی رد کرتے ہیں (اصابہ صفحہ ۱۵۱ ج اول)

بشر بن حنظلہ جعفی

کا بیان ہے کہ ہم وائل بن حجر حضرمی کے ساتھ جا رہے تھے کہ اُن کے دشمنوں نے آکے گھیر لیا اور پوچھا کہ ان میں وائل ہے کہا نہیں انھوں نے پہچان کر کہا یہ وائل ہیں تو ہم لوگوں نے قسم کھائی یہ ہمارے بھائی ہیں ہمارے ماں باپ کے بیٹے ہیں (صفحہ ۲۵۵)

کیا اب بھی کوئی سنی تقیہ پر اعتراض کرے گا جبکہ ان کے صحابہ کا اس پر عمل تھا اور حضرت نے اُن کی تائید فرمائی۔

بسر بن عاصم بن سفیان ثقفی

یہ حضرت عمر کی طرف سے قبیلہ ہوازن کے صدقات وصول کرنے پر مامور تھے عمر نے جب اُن کو مقرر کیا تو یہ نہ گئے عمر نے کہا تم جانتے ہو میری بات کا ماننا اور سننا تم پر فرض ہے کیوں نہیں گئے اُنھوں نے کہا یہ تو ہم کو معلوم ہے مگر میں نے رسول خدا سے سُنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام پر مامور کیا جائے گا وہ قیامت کے دن جہنم کے پل پر لا کر کھڑا کیا جائیگا اگر اچھا کام کیا ہے تو نجات پائیگا اور بُرا کام کیا ہے تو وہ پل پھٹ جائے گا اور وہ جہنم میں بقدر ستر برس کی مسافت کے گہرائی کے گر جائے گا عمر وہاں سے بہت غمگین اور محزون اُٹھے راہ میں حضرت ابوذر سے ملاقات ہوئی تو عمر نے اس حدیث کو بیان کیا اُنھوں نے کہا ہم نے بھی رسول خدا سے یہ حدیث سُنی ہے اور انھوں نے زہری کے بعد وفات پائی اور زہری نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔ (صفحہ ۲۵۸ اسد الغابہ۔ اصابہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)

افسوس کہ ایسا صحابی ۱۲۴ھ تک زندہ رہے اور امام حسینؑ کی مدد نہ کرے اُنھوں نے جو اس حدیث کو بیان کیا تو غالباً عمر کے تنبیہ کے لئے مگر وہاں نشہ حکومت چڑھا ہوا تھا اسکی کب شنوائی تھی۔

بشر غنوی

کا اُنھوں نے سلمہ بن عبد الملک سے بیان کیا کہ حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ قسطنطنیہ کو فتح کرلوگے اُس وقت مسلمانوں کا سردار بہت عمدہ شخص ہوگا اور وہ لشکر بھی بہت عمدہ لشکر ہوگا تب اُس نے قسطنطنیہ کا جہاد کیا (صفحہ ۲۶۰)

اس روایت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ محض خوشامد میں سلمہ بن عبد الملک کے یہ حدیث وضع کی گئی ہے ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرتؐ ایسی حدیث فرمائیں جبکہ مروان کے آخری نسب تک حضرتؐ لعنت کر چکے ہیں جیسا کہ تاریخ خمیس میں ہے:۔

استاذن الحکم بن ابی العاص علی رسول اللہ صلعم ائذنوا لہ لعنہ اللہ ومن خرج من صلبہ الا المومنین وقلیل ماھم یشرفون فی الدنیا ویتضعون فی الاخرۃ۔ (صفحہ ۳۲۲)

یعنی حکم بن ابی العاص نے حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو آپ نے فرمایا اسکو اجازت دو خدا اس پر لعنت کرے اور جو اسکے صلب سے پیدا ہو بہ استثناء مومنین کے جو بہت کم ہیں دنیا میں تو عزت پائینگے اور آخرت میں ذلیل ہونگے۔

بشر بن عقربہ جہنی اصابہ میں ہے کہ اس نے ۸۵ھ کے بعد وفات پائی۔ (ص ۱۵۹) مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دست کش رہا عبدالملک کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے جو شخص بغرض ریا و سمعہ خطبہ کہے تو خدا اسکو داخل جہنم کرے گا۔

بشیر بن حارث انصاری کا بیان ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا جب تم قرآن کے کسی حرف میں اختلاف کرو کہ یے ہو یا تے تو اسکو یے کے ساتھ لکھ دو۔ (ص ۲۶۵ اسد الغابہ)

کیا اچھی تعلیم ہے اور کیا خوب قرآن کی تعظیم ہے اس پر اہلسنت کو قرآن دانی کا دعوی ہے خدا رحم کرے۔

بشیر بن خصاصیہ بصرہ کے رہنے والے ہیں حضرتؐ نے اُن سے شہادتین حج و زکوٰۃ جہاد کی فرمائش کی تو کہا ہمارے پاس دس اونٹ کل ہیں پھر زکوٰۃ کیونکر دیں جہاد کے بارے میں سنا ہے کہ جو بھاگ جاتا ہے خدا اُس پر عذاب کرتا ہے لہذا مجھکو خوف ہے کہ موت کے خوف سے بھاگ جاؤں تو حضرتؐ نے اُن کے ہاتھ کو زور سے حرکت دی اور فرمایا نہ صدقہ دوگے نہ جہاد کروگے پھر داخل جنت کیونکر ہوگے۔ (ص ۲۲۶)

بشیر بن ابی زید نام ان کا ثابت بن زید ہے ابو زید اُن چھ آدمیوں میں تھے جنھوں نے رسول اللہ کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا جنگ حرہ میں مارے گئے مگر افسوس کہ ان کو بھی شریک جمع قرآن نہیں کیا اور لوگوں کو جو جامع قرآن تھے نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔ (ص ۲۶۵)

بشیر بن سعد بن ثعلبہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ سقیفہ میں حضرت ابو بکر صدیق سے انصار میں سب سے پہلے انھیں نے بیعت کی (ص ۱۶۰)

بشیر عدوی ان کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس نے ان سے کہا فلاں فلاں حدیث پھر پڑھو جب وہ پڑھ چکے تو ابن عباس نے فرمایا ہم رسول خدا سے حدیثیں روایت کرتے تھے جب آپ پر جھوٹ نہ جوڑا جاتا تھا مگر جب لوگوں نے ہر قسم کی حدیثیں بنانا شروع کیں تو ہم نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا۔ (ص ۲۷۵ اسد الغابہ)

اب تو صحابہ کرام کے دروغ گوئی اور افترا بر رسول میں کسی کو شبہ نہ ہوگا کہ خود حضرت ابن عباس کا بیان ہے۔

بشیر بن ربیعہ جہنی سعد بن ابی وقاص نے مال خراج تقسیم کیا تو اس میں کچھ بچ رہا عمر کو لکھا کیا کریں تو انھوں نے لکھا حاملان قرآن پر تقسیم کر دو عمرو بن معدیکرب اُس میں سے حصہ لینے آیا تو سعد نے پوچھا قرآن کس قدر یاد ہے اُس نے کہا ہم تو جہاد میں مشغول تھے لہذا قرآن کچھ نہ یاد کیا تب بشیر جہنی آیا اُس سے پوچھا گیا تو کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم اس کو بھی کچھ نہ دیا۔ اور عمر کو لکھا گیا وہاں سے حکم آیا بسبب تلاوت بسم الرحمن الرحیم دو دو ہزار ان دونوں کو دے دو۔

دوسرے سال پھر اسی طرح کچھ مال بچا تو عمر کو لکھا گیا کہ پہلے تو سات قاری قرآن تھے اب ستر ہو گئے عمر نے لکھا وہ روپیہ اُن لوگوں کو دو جو جہاد میں زیادہ محنت کرتے ہیں۔ (ص ۱۶۱ اصابہ)

اس روایت سے جہاں سے قدر و عافیت صحابہ کی معلوم ہوئی کہ بجز بسم اللہ انکو کچھ بھی یاد نہ تھا اور اُس پر مقدس

صحابی رسولؐ کہے جاتے ہیں وہاں مال کی قدر و منزلت بھی معلوم ہوئی کہ اس حال سات تھے تو انعام پاتے پر وہ ستر ہو گئے پھر عمر صاحب کی محبت قرآن کو دیکھئے کہ جب تعداد اُن کی بڑھ گئی تو انعام موقوف کر دیا گیا اس پر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسے صحابہ کی روایت یا بیان کوئی وقعت رکھتا ہے اور عمر صاحب کو کس درجہ قرآن کی محبت تھی۔

اللہ اللہ کیا یہ صحابی نماز بھی نہ پڑھتے تھے جو کسی کو سورۂ الحمد اور قل ہو اللہ احد یاد ہوتا جو صرف ایک آیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لا کر سنایا۔

کیا ہزاروں صحابہ میں جو مصروف جنگ و پیکار تھے یہی سات صحابی تھے جو مستحق انعام قرار پائے کیونکہ اس کی تو شرط نہ تھی کہ پورا قرآن یاد ہو ایک سورہ پر بھی انعام کے مستحق ہو سکتے تھے مگر افسوس کہ سات ہی آدمی ایسے نکلے جو اتنے بڑے جم غفیر میں قرآن کے پڑھنے والے تھے اسکے ساتھ انھیں صحابہ کے اجماع و تواتر سے قرآن کی ترتیب ہوئی۔

بشیر بن معاذ اسدی کہتے ہیں کہ ہم دس برس کے تھے کہ خدمت رسول میں حاضر ہوئے حضرت کو دیکھا کہ جناب جبرئیل کی طرف نظر کرتے ہیں جو مثل ابر تھے، وہ حرکت کرتا تو آپ رکوع کرتے۔ ایک سو ساٹھ برس کے سن میں وفات پائی۔ (اصابہ صـ۱۶۰)

مگر نصرت امام حسین علیہ السلام سے دستکش رہے۔

بشیر بن ابی زید انصاری یہ بھی صحابی ہیں جن کے باپ نے عہد رسول میں قرآن جمع کیا جنگ حرہ میں سنہ ۶۳ھ میں قتل ہوئے۔ (اصابہ صـ۱۶۳)

مگر نصرت امام حسینؑ سے محروم رہے۔

بشیر بن نعمان یہ بھی جنگ حرہ میں مارے گئے۔ (اصابہ صـ۱۶۵)

مگر شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے۔

تمیم بن جراشہ ثقفی یہ اُن لوگوں سے ہیں جو وفد بنکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؐ سے ایک تحریر چاہی جسمیں چند باتوں کی اجازت ہو حضرت نے کہا لکھوا لا وہ جناب امیرؑ سے لکھوانے گئے اس میں سود اور زنا کی اجازت مانگی حضرتؑ نے انکار کر دیا تب وہ خالد بن سعید بن عاص (صحابی) کے پاس لکھوانے کو لے گئے جناب امیرؑ نے فرمایا کہ دیکھو یہ لوگ ان چیزوں کو لکھوانا چاہتے ہیں خالد نے کہا ہم کو کیا جو یہ کہیں گے وہ ہم لکھ دینگے جب حضرتؐ کے پاس یہ تحریر پیش ہوئی آپؐ نے ربا اور زنا کے متعلق آیتیں پڑھ کر کٹوا دیا۔ (صـ۲۱۵ ج ۱ اسد الغابہ)

اس سے جہاں ان تازہ مسلمانوں کا حال معلوم ہوا ان قدیم صحابیوں کا بھی حال معلوم ہوا کہ انھوں نے بے تامل لکھ دیا اور یہ نہ سمجھے کہ ان جاہلوں کو پہلے ہی سمجھا دینا چاہیے کہ حضرت کو دوبارہ زحمت نہ کرنی پڑے۔

تبیع حمیری سنہ ۱۰۱ھ میں ان کی وفات ہے۔
مگر نصرت امامؑ نہ کی۔ (اصابہ صـ۱۹۵ ج ۱)

تمیم بن معتل
ایک سو بیس برس تک زندہ رہے۔
مگر نصرت امام ع نہ کی۔ (ص۱۹۵ اصابہ)

ثور بن ثلدہ
یہ وہی شخص ہے جس نے معاویہ سے کہا تھا
امیہ بن عبد الشمس ادرکتہ وقد عمی یقود عبدہ ذکوان فقال معاویہ

انما ھو ابنہ قال ھذا شیئ قلتموہ انتم۔ (ص۱۱۵ اصابہ)

یعنی معاویہ نے پوچھا تم نے ہمارے اجداد سے کسی کو دیکھا ہے کہا امیہ بن عبد الشمس کو جو اندھا ہو گیا تھا اور غلام اُسکا ذکوان لئے پھرتا تھا تو معاویہ نے کہا وہ اس کا بیٹا تھا ثور نے کہا یہ قول تم لوگوں کا ہے۔
یہ ۱۲۰ سنہ میں مرا مگر نصرت امام ع نہ کیا۔ اس روایت سے حال دیانت معاویہ بھی معلوم ہوا کیونکہ خود صحابہ اسکو کاذب کہتے ہیں۔

تمیم بن زید بن عبد اللہ بن زید انصاری
کی روایت ہے کہ میں نے رسول خدا کو دیکھا کہ آپنے وضو فرمایا ہے اور آپنے دونوں پیروں پر پانی پھیر لیا۔ (ص۱۲۳ اسد الغابہ جلد ۲)

اس پر اڈیٹر النجم حاشیہ دیتے ہیں " اصل لفظ عربی کا یہ ہے مسح الماء علی رجلیہ ہمارے زمانہ کے بعض وضو دینے والے لوگوں نے اپنے رسالہ الوضو میں اس قسم کے الفاظ بعض حدیثوں سے نقل کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ اہلسنت کے یہاں بھی وضو میں پیروں کا مسح آیا ہے "
(رسالہ وضو حضرت حجۃ الاسلام آقا مولانا السید علی اظہر طاب ثراہ کے تصنیفات سے ہے جس میں بہت سے روایتوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ طریقہ رسولؐ وضو میں یہی تھا جو حکم قرآن ہے کہ پیر پر مسح کرو مگر خلیفہ دوم نے اسکی ایجاد کی کہ بجائے مسح غسل کیا کرو پھر ان روایات بخاری کی بھی تنقید کی گئی جس سے وہ غسل قدمین کا حکم نکالتے ہیں اس رسالہ نے تمامی اہلسنت میں تہلکہ ڈال دیا اور ہزارہا اہلحدیث مسح رجلین پر عمل کرنے لگے۔)
اڈیٹر النجم سے چونکہ جواب اُس کا ممکن نہ تھا اس لیئے یہاں اس قدر لکھ دیا ملاحظہ ہو رسالہ وضو صفحہ ۹ جس میں تصریح کہ ابن حجر عسقلانی (۱) روایت کے راوی امام بخاری۔ احمد بن حنبل۔ ابن ابی شیبہ۔ ابن ابی عمر۔ بغوی۔ طبرانی۔ باوردی سب ہی ہیں جسکے آخر میں لکھا رجالہ ثقات کل رواۃ اسکے معتمد ہیں بلکہ ابو عمر نے جو ضعیف کہا تو اسکو رد بھی کیا۔

ثابت بن ضحاک
جنگ حدیبیہ میں شریک تھے وفات اُنکی بقول بعض فتنۃ الزبیر میں ہوئی (ص۳۶) مگر معرکہ کربلا سے محروم ہی رہے۔

ثابت بن قیس
جو جنگ یمامہ میں مارے گئے اُن کے بدن پر نہایت قیمتی زرہ تھی دوسرے صحابی کا جو گذر ہوا تو اس مردہ جسم سے وہ زرہ اتار لی ثابت نے خواب میں دکھایا کہ فلاں شخص نے ہماری زرہ اتار لی زرہ کے اوپر اُس نے ایک دیگ بند کردی ہے اور دیگ پر کجاوہ رکھ دیا ہے خلیفہ سے کہو کہ اُس

زرہ کو لینا میرے پاس قدر قرض ہے اور فلاں فلاں غلام میرا آزاد ہے ابوبکر نے اس وصیت کو قبول کیا وصلّم یہ خواب تھا اور صرف ایک شخص نے دیکھا تھا اسکی تو تصدیق کر لی گئی جس پر مصنف لکھتے ہیں نہیں معلوم ان کے سوا اور کسی کی وصیت بعد موت جائز رکھی گئی "مگر رسول اللہ کو نہ وصیت نامہ لکھنے دیا نہ دعوئ ہبہ جناب سیدہ کو مانا جس پر جناب امیرؑ اور ام ایمن نے گواہی بھی دی تھی۔

دوسرا فائدہ اس روایت کا یہ بھی ہے کہ وہ بھی مقدس صحابی تھے جنھوں نے اس طرح زرہ چرائی اور اس ترکیب سے چھپائی تو محض صحابی ہونے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے جب تک ایمان نہ ہو۔

ثابت بن مخلد ضبی	صحابی تھے جو جنگ حرہ میں مارے گئے۔ مگر کربلا میں نہ شریک ہوئے۔ (ص[illegible])
ثعلبہ بن حاطب	حضرتؐ کے دعا سے بڑے مالدار ہو گئے تھے مگر جب صدقہ دینے کا حکم ہوا تو انھوں نے انکار کیا اور حضرتؐ نے اُن پر بددعا کی (ص[illegible])
جابر بن سمرہ	سعد بن ابی وقاص کے بہن کے بیٹے ہیں کوفہ میں رہتے تھے وہیں گھر بنا لیا انھوں نے رسول اللہ سے بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں [illegible] میں بعہد مختار وفات کی۔ (ص[illegible])

مگر کوفہ سے نکل کر جناب امام حسینؑ کے نصرت کو نہ گئے۔

جابر بن عبداللہ انصاری	رسول اللہ کے ساتھ ستر[illegible] غزوہ میں شریک ہوئے صفین میں جناب امیرؑ کے ساتھ تھے آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے [illegible] میں وفات پائی جبکہ آپ کی

عمر ۹۴ سال کی تھی۔ (ص[illegible])

اڈیٹر النجم نے ان پر بھی اعتراض کیا ہے کہ شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے مگر شاید یہی سبب ہو کہ وہ آخر میں نابینا ہو چکے تھے ورنہ بڑے بزرگ صحابی تھے زیارت اربعین سب سے پہلے انھیں نے پڑھی ہے جب مدینے سے اسی غرض سے کربلا آئے تھے ان کے فضائل و مناقب سے کتب رجال فریقین مملو ہے جناب امام محمد باقرؑ کے زمانہ تک آپ زندہ رہے اور رسول اللہ کا سلام حضرت کو پہونچایا اصابہ میں ہے کہ انکا بھی ایک حلقۂ درس تھا مسجد رسولؐ میں۔

جابر بن عتیک	۹۱ برس کے سن میں وفات پائی [illegible]۔ (ص[illegible]) واقعہ کربلا کے ایک برس بعد مگر شریک جہاد نہ ہوئے۔
جابر بن سمرہ	ان کا بیان ہے کہ دو ہزار مرتبہ سے زیادہ انھوں نے حضرت کیساتھ نماز پڑھی کوفہ میں رہتے تھے مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی [illegible] میں وفات ہے (ص[illegible] ج ۱)
جاجل	ابو مسلم الصدقی اس حدیث کے راوی ہیں: اِنّ احصاهم لهذا القرآن من امّتی منافقوهم (۱۲۵ اصابہ جلد اول)

یعنی اس قرآن کے بارے امت سے سب سے زیادہ حافظ وہ لوگ ہیں جو منافق ہیں۔

اہل سنت کو مبارک باد کیونکہ کثرت خلفاء پر وہی فخر کرتے ہیں۔

جد بن قیس	منافق تھا جو بیعت الرضوان سے دست کش رہا حسب بیان حضرت ابن عباس و منھم من یقول ائذن لی ولا تفتنی اسی کے بارے میں نازل ہوا۔ (ص۲۳۹ اصابہ)
جرحد بن خویلد	اصحاب صفہ سے تھے گھر بھی مدینہ میں تھا آخر خلافت یزید میں انکی وفات ہے۔ (ص۲۲۱ اصابہ) مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔
جعد بن قیس مرادی	سو برس کا ہو کر مرا۔ (ص۲۴۸ اصابہ) مگر نصرت امام حسینؑ سے محروم رہا۔
جندب بن عبد اللہ بن سفیان	یہ زمانہ مصعب بن زبیر تک زندہ رہا۔ (ص۲۶۲ اصابہ) مگر نصرت امام حسینؑ سے محروم ہی رہا۔
جندب بن کعب	انہوں نے ایک ساحر کو اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ یہ تماشا دکھاتا کسی کی گردن مار دیتا پھر آواز دیکر اس کو زندہ کرتا اس نے یہ کہہ کر تلوار کا ہاتھ مارا کہ اگر تجھ میں قدرت ہے تو زندہ ہو جا۔

یہ واقعہ ولید بن عقبہ کے سامنے کا ہوا جو عثمان کی طرف سے والی کوفہ تھا اسنے جندب کو قید کیا جب عثمان تک یہ مرافعہ گیا تو کہا اگر رسول سے ہم تیرے بارے میں نہ سنے ہوتے تو مدینہ کے سب سے عمدہ تلوار سے تجھے قتل کر ڈالتے اسکے بعد حکم دیا کہ جبل دخان کی طرف جلاوطن ہو جا۔ (ص۲۶۱ اصابہ)

یہ ہے ایمان حضرت عثمان کہ بحمایت اپنے بھائی ولید کے ایک مہاجر کو قتل کیا چاہتے ہیں کہ کیوں اس نے ساحر کو قتل کیا۔

جراد بن طہیہ	کا بیٹا شبیب جناب امام حسینؑ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوا۔ (ص۲۷۲)
جبیر بن حارث اعرابی	سنہ۔۔۔ تک زندہ رہا۔ (ص۲۷۹ اصابہ)
جعفر بن نسطور رومی	بھی ۲۲۰ برس زندہ رہا۔ (ص۲۸۱)
جبیر بن عبد اللہ قبطی	ان کی وفات سنہ ۶۳ھ میں ہوئی۔ (ص۲۹۲)
جبیر بن عینک	مگر شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے حالانکہ حضرت معاویہ یہی لے کر مقوقس کے یہاں سے آئے تھے۔ (ص۲۳۲ اصابہ) سنہ۔۔۔ تاریخ وفات ہے ص۲۹۲ مگر اصابہ میں ۸۱ھ ہے۔
جرثوم بن ناسب	بیعت حدیبیہ میں شریک تھے ۷۵ھ میں بعہد عبد الملک وفات پائی۔ مگر نصرت امامؑ سے محروم رہے۔
جنادہ بن ابی امیہ	۸۰ھ میں بمقام شام وفات پائی۔ مگر نصرت امامؑ سے محروم رہے۔ (ص۳۲۷)
جندب بن عبد اللہ بن سفیان بجلی علقی	کنیت ان کی ابو عبد اللہ ہے کوفہ میں رہتے تھے پھر بصرہ چلے ...

وغیرہ روایت کرتے ہیں ملہ صفحہ ۱۴۷)

مصعب بن زبیر کا واقعہ ۶۶ھ و ۶۵ کا ہے انکی شرکت کی مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ کوفہ میں رہتے تھے

جندع انصاری اوسی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول خدا سے یہ فرماتے تھے کہ جو شخص عمداً میرے اوپر جھوٹ بولے اُسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے اور میں نے آں حضرت سے سنا ہے اگر نہ سنا ہو تو میرے کان بہرے ہو جائیں جبکہ حجۃ الوداع سے پلٹ اور غدیر خم میں پہونچے تو آپ لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھنے کھڑے ہو گئے اور آپ نے علی مرتضیٰ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا من کنت ولیہ فھذا ولیہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ عبید اللہ راوی کہتے تھے میں نے زہری سے کہا کہ یہ حدیث تم ملک شام میں نہ بیان کرو تم خود اپنے کانوں سے سب علی سن رہے ہو زہری نے کہا بس اسی حدیث پر تم کو ایسا خیال آیا۔ خدا کی قسم میرے پاس علی کے فضائل اس قدر ہیں کہ اگر میں انھیں بیان کردوں تو قتل کر دیا جاؤں۔ (صفحہ ۱۵۲ اسد الغابہ جلد ۱)

اس بیان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ زمانہ کیسا پر آشوب تھا پھر بھی وہ خیر القرون کہا جاتا ہے پھر بتلایئے جب امام زہری اس خوف سے فضائل جناب امیر نہ بیان کر سکتے تھے کہ قتل کیے جائیں گے تو اور کسی تابعی یا صحابی کا کیا حال ہو گا کیونکہ امام زہری خلفائے بنی امیہ میں بہت مقرب تھے۔ اُن کے سامنے جناب امیر کو گالیاں دی جاتی تھیں اور انھیں کچھ بھی اسلامی جوش نہ آتا تھا اگر یہ حدیث محض فضائل کے متعلق ہوتی تو کیوں اس قدر خوف ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ نص ہے خلافت پر۔

جنادہ بن اُمیّہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ جو شخص امامت جماعت کرے اُس حال میں کہ لوگ اُس کے جماعت سے کراہت کرتے ہوں تو اسکی نماز ترقوہ سے آگے نہیں بڑھتی اُنھوں نے شام میں اقامت کی ۶۷ھ میں وفات ہے۔ (اصابہ صفحہ ۲۵۲ ج ۱)

مگر افسوس نہ نصرت امام کی اور نہ جب اہلبیتؑ داخل شام ہوئے تو کوئی خدمت انجام دی۔

جبیر بن جبہ یہ حضرت عمر کے لشکروں کے سردار رہے ہیں زمانہ عبد الملک میں ان کی وفات ہے عراق میں کاتب دیوان تھے پھر زیاد نے انکو حاکم اصفہان بنایا۔ (صفحہ ۲۳۵ اصابہ)

مگر معرکہ کربلا میں اُنھوں نے شرکت نہ کی نہ کسی طرح امامؑ کی نصرت کی۔

حارث بن بدل سعدی کا بیان ہے کہ میں نبیؐ کے ہمراہ شریک تھا جب آپ کے اصحاب کے قدم ہٹ گئے سوا عباس بن عبد المطلب اور ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب کے (صفحہ ۱۶۹)

اہلسنت غور کریں کہ آپ کے خلفائے ثلاثہ کیسے بہادر تھے کہ رسول اللہ کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے، اور بجز جناب امیرؑ و حضرت عباس و ابوسفیان بن حارث کوئی نہ رہا کیونکہ انکی روایات سب اس پر متفق ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام موجود تھے۔

حارث بن عمرو ہذلی ۔۔۔ھ میں انتقال کرتے ہیں۔ (صفحہ ۱۹۸ اسد الغابہ)

مگر نصرت امام سے دست بردار رہتے ہیں۔

حارث بن عمرو انصاری
کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے مجھے ایک شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی منکوحہ سے شادی کر لی تھی مجھے حکم دیا کہ میں اسکی گردن ماردوں۔ (صفحہ ۱۹۱)

مگر امام ابوحنیفہ ایسے شخص پر حد زنا کبھی نہیں جاری کرتے خدا رحم کرے۔

حارث بن عمرو بن غزیہ مزنی
کی وفات سنہ ۵۰ھ میں ہوئی۔ (صفحہ ۱۹۹)
مگر نصرت امام سے محروم رہے۔

حارث ابن عوف ابو واقد لیثی
بڑے مقدس صحابی ہیں حنین میں حضرتؐ کے ساتھ تھے سنہ ۶۵ یا ۶۲ھ میں انکی وفات ہوئی (صفحہ ۲۰۱)

استیعاب میں سنہ وفات سنہ ۶۸ھ لکھا ہے اور یہ کہ مدینہ میں مقبرہ مہاجرین میں دفن ہوئے فتح مکہ میں یہ علمبردار تین قبیلہ کے تھے۔ بنی لیث۔ ضمیرہ۔ سعد بن بکر۔ (صفحہ ۲۰۲)

مگر اہلبیت رسولؐ سے آپ کو کسی قسم کا تعلق نہ تھا جو نصرت امامؑ کرتے۔

حارث بن مسلم تمیمی
ان کے باپ کا بیان ہے کہ رسولؐ نے ہمکو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا ہم نے آگے بڑھکر اُن لوگوں سے کہا لا الہ الا اللہ کہہ دو تو جان بچ جائے چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا جب میرے ساتھی آئے تو انھوں نے میری ملامت کی تم نے ہمیں مال غنیمت سے محروم کر دیا حالانکہ وہ ہمارے لئے ثابت ہو چکی تھی ہم جب وہاں سے لوٹے تو لوگوں نے رسول خدا سے شکایت کی حضرت نے ہمکو بلا کر تعریف کی اور فرمایا کہ انمیں ہر شخص کے عوض اسقدر تیرے لئے نیکیاں لکھی ہیں یہ (راد) عمر بن عبدالعزیز تک زندہ رہے اُس نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ (صفحہ ۲۰۷)

یہ ہے ان صحابہ کرام کا ایمان کہ لوگوں کے مسلمان ہونے سے اس وجہ سے ناراض ہوتے ہیں کہ مال غنیمت اب نہ ملیگا اسے کیا اسی کا نام محبت اسلام ہے پھر اُنسے کب اس کی امید ہو سکتی ہے کہ امامؑ کی نصرت کریں۔

حارث بن منبہ
انس بن حارث نے منہ سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا میرا فرزند سرزمین عراق میں شہید کیا جائے گا جو شخص اس وقت کو پائے اُسکی مدد کرے۔ چنانچہ انس بن حارث حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے۔ (صفحہ ۲۱۲)

مگر افسوس اور صحابہ کو اسکی توفیق نہ ہوئی کہ امامؑ کی مدد کریں۔

حارثہ بن نعمان
کہتے ہیں کہ حضرت جبریل نے رسول اللہ سے کہا یہ اسّی لوگوں میں سے ہیں رسول خدا نے پوچھا اسکے کیا معنی جبریل نے کہا اسّی آدمیوں کے سوا اور سب لوگ آپکے پاس سے بھاگ جائینگے (صفحہ ۲۲۳)

کیا اس پر بھی اہلسنت اپنے کل صحابہ کے ایمان و اسلام کو ثابت کر سکتے ہیں۔

حبیب بن بدیل بن ورقا
کہتے تھے کہ ایک روز حضرت علیؑ محل سے برآمد ہوئے تو چند سواروں نے

جو تلواریں لیے تھے آپ کا استقبال کیا اور کہا السلام علیک یا امیر المومنین السلام علیک یا مولانا ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' حضرتؑ نے پوچھا کہ یہاں اصحاب نبی سے کون کون لوگ ہیں بس بارہ آدمی کھڑے ہوگئے جن میں قیس بن ثابت بن شماس اور ہاشم بن عتبہ اور حبیب بن بدیل بن ورقا بھی تھے ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے نبیؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ (ص۲۳۳ جلد ۲ اسد الغابہ)

حبیب بن سباع کہتے تھے ایک روز صبح کو ہم رسولِ خدا کے حضور میں گئے ہمارے ہمراہ ابو عبیدہ بن جراح بھی تھے ابو عبیدہ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہم سے بھی بہتر کوئی شخص ہے۔ ہم اسلام لائے اور ہمراہ آپ کے جہاد کیا اور ہم آپ پر ایمان لائے حضرتؐ نے فرمایا تم سے بھی بہتر کچھ لوگ ہیں کچھ لوگ ہیں جو لوگ تمہارے بعد ہوں گے جو مجھ پر ایمان لائینگے۔ (ص۳۶۱)

کیا اس پر بھی اہلسنت اس کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ صحابہ خصوصاً خلفائے ثلاثہ سب سے افضل ہیں حالانکہ بنص رسولؐ اس زمانہ کے مسلمان ان سے یقیناً افضل ہیں الا من فضلہ اللہ۔

حتات بن یزید بن علقمہ رسولِ خداؐ صلعم نے اُن کے اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان میں مواخات کرادی تھی جب حضرت معاویہ کو خلافت حاصل ہوئی تو حتات اور جاریہ بن قدامہ اور احنف بن قیس اُن کے پاس گئے، یہ دونوں بھی قبیلہ بنی تمیم سے تھے حتات عثمان کے دوستوں سے اور جاریہ اور احنف حضرت علیؑ کے اصحاب سے تھے حضرت معاویہ نے ان دونوں کو حتات سے زیادہ دیا تو حتات نے اُن سے کہا کہ تم نے محرق (یعنی جلا دینے والے) اور مخذل (یعنی پریشان کرنے والے) کو مجھ پر فضیلت دی حضرت معاویہ نے کہا (میں نے فضیلت نہیں دی) بلکہ میں نے ان سے اُن کا دین مول لیا ہے اور تمکو اس محبت پر چھوڑ دیا ہے جو تم کو حضرت عثمان کے ساتھ ہے حتات نے کہا مجھ سے بھی میرا دین مول لیلو چنانچہ (ملا) انھوں نے جاریہ بن قدامہ کو کہا کہ انھوں نے ابن حضرمی کو جلا دیا تھا اور پریشان کرنے والا احنف بن قیس کو کہا کہ انھوں حضرت عائشہ وطلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم سے لوگوں کو پریشان کر دیا تھا بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حتات حضرت معاویہ کے پاس گئے اور انھیں کے یہاں وفات پائی اور حضرت معاویہ اس اخوت کے سبب سے اُن کے وارث ہوئے حضرت معاویہ اس زمانہ میں خلیفہ تھے فرزدق نے اس معاملہ میں معاویہ سے مخاطب ہوکر یہ اشعار کہے تھے۔

ابوک وعمی یا معاوی اورثا ۔۔۔ تراثا فیحتاز التراث اقاربہ

اے معاویہ تمھارے چچا اور میرے باپ نے اپنے ترکہ کو اپنے وارثوں کو وارث بنایا اور یہ قاعدہ ہی ہے کہ مرنے والے کے قریبی رشتہ دار میراث پاتے ہیں۔

فما بال میراث الحتات اکلتہ ۔۔۔ ومیراث صخر جامد لک ذائبہ

تو حتات کا ترکہ تم نے کیسے کھا لیا جبکہ صخر کی میراث تم کو مل ہی چکی ہے۔

فلو کان هذا الامر جاهلیۃ ۔۔۔ علمت من المرء القلیل حلائبہ

اگر یہ معاملہ زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ وہ شخص کون ہے جس کے دوست کم ہیں۔

اس قصیدہ میں اس سے زیادہ اشعار ہیں اور فخریہ اشعار ہیں سب عمدہ کلام ہے ان کا تذکرہ ابو عمر نے

کیا ہے۔ (صفحہ ۲۵۱ اسد الغابہ ج ۲)

ہم نے اسکو صرف اس غرض سے لکھا ہے کہ اولاً ایمانداری معاویہ معلوم ہو کہ حکم میراث بذریعہ مواخات منسوخ ہو چکا مگر معاویہ نے اس کو بھی منسوخ کیا اس سے بڑھ کر کیا محبت مال ہو سکتی ہے کہ تمام ممالک اسلامی کا مالک اس طرح ناجائز وارث بنتا ہے پھر یہ لوگ جائز وارث کو کیوں نہ محروم کریں۔ ثانیاً صحابہ ایسے تھے کہ چند پیسوں کے لالچ میں اپنا دین بیچ ڈالتے تھے پھر اُن سے کیا امید ہو سکتی ہے ثالثاً حتات ایسا دین فروش تھا کہ خود کہہ رہا ہے کہ ہمارا ایمان مول لے لو مگر معاویہ نہیں لیتا۔ رابعاً معاویہ بھی اسکا اقرار کرتا ہے کہ محبت جناب امیرؑ عین ایمان ہے جس کو معاویہ جاریہ اور احنف سے مول لے رہا ہے تو کیا اب بھی اہلسنت کو کفر و نفاق معاویہ میں شبہ ہو سکتا ہے جو ایسے ایسے مقدس صحابہ کا ایمان مول لینا چاہتا ہو۔ خامساً اشعار فرزدق سے جہاں معاویہ کا دین سے خارج ہونا معلوم ہوا وہاں تمامی صحابہ کے نسب کا حال بھی معلوم ہوا کیونکہ وہ صرف آل نبیؐ کو ہر عیب سے پاک و صاف کہہ رہا ہے ورنہ اپنے قبیلہ کو سب سے افضل ذاعلیٰ کہہ رہا ہے۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد۔

یہ حتات جو اپنا دین بیچ رہا ہے اُن لوگوں سے ہے جو جناب امیرؑ کے یہاں سے بھاگ کر معاویہ کے پاس آیا تھا جیسا کہ استیعاب میں ہے :- وھرب من علی رضہ الی معاویۃ۔ (صفحہ ۱۵۳)

تین چار شعر اور بھی اسکے استیعاب میں منقول ہیں :-

لعمر ابیک فلا تکذبن   لقد ذھب الخیر الا قلیلا
لقد فتن الناس فی دینھم   وخلی ابن عفان شرا طویلا
وحال ابو الحسن دونھا   فما تستطیع الیھا سبیلا

اور اصابہ میں ہے۔ (صفحہ ۲۲۵ ج اول)

وابقی ابن عفان شرا طویلاً جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیر تو سب جاتا رہا صرف تھوڑا بچ رہا عثمان بن عثمان بڑا شر چھوڑ کر چلا گیا جناب امیرؑ کی حالت اُن سے جدا گانہ ہے کہ وہاں کسی کا گذر نہیں۔

یہ اشعار ہیں اُس مقدس صحابی کے جو طرفدار حضرت عثمان تھا اور اپنا دین بیچنا چاہتا تھا مگر معاویہ نے نہ لیا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ عثمان سے تو بجز شر طویل کچھ نہ باقی رہا۔ افسوس کہ اسد الغابہ میں ان اشعار کو جگہ نہیں ملی حالانکہ استیعاب و اصابہ میں موجود ہے۔

حجاج بن علاط

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کیا تو حجاج بن علاط نے عرض کیا یا رسول اللہ مکہ میں میرا کچھ مال ہے اور وہیں میری بی بی بھی ہے میں چاہتا ہوں کہ وہاں جاؤں تو کیا مجھے اس بات کی اجازت ہے کہ میں آپ کی کچھ برائیاں کر دوں یا کچھ کہہ دوں۔ ہمیں عبید اللہ بن احمد بن علی نے اپنے سند سے یونس بن بکیر کے حوالے خبر دی وہ محمد بن اسحاق سے روایت کرتے تھے کہ انھوں نے مجھ سے کہا مجھ سے بعض اہل مدینہ نے بیان کیا کہ جب حجاج بن علاط سلمی اسلام لائے تو خیبر میں رسول خدا صلعم کے ہمراہ شریک ہوئے اور عرض کیا کہ یا

رسول اللہ مکّہ میں کچھ مال میرا تاجروں کے پاس ہے اور کچھ مال میری بی بی امّ ابی شیبہ بنت ابی طلحہ کے پاس ہے جو بنی عبد الدار کی بہن ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ میرے اسلام سے واقف ہو جائینگے تو میرا مال ہضم کر لیں گے پس آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں وہاں جاؤں شاید اپنا مال لے آؤں رسول خدا صلعم نے فرمایا میں نے تمھیں اجازت دی پھر اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہاں مجھے یہ بھی ضرور ہے کہ کچھ کہوں رسول خدا صلعم نے فرمایا کہو تم کو اجازت ہے چنانچہ حجّاج گئے وہ کہتے تھے کہ جب میں (مقام) ثنیہ بیضاء میں پہونچا تو وہاں قریش کے کچھ لوگ تھے جو خبروں کا تجسّس کر رہے تھے جب اُنھوں نے مجھے دیکھا تو کہا کہ یہ حجّاج ہیں ان کے پاس کچھ خبر ہوگی میں نے کہا کہ اُس شخص (یعنی محمد صلعم) کو تو بڑی شکست ہوگئی تم نے سنا ہوگا اور اُسکے اصحاب بھی مقتول ہوگئے اور محمد قید کر لیے گئے لوگوں نے کہا ہم اُن کو قتل نہ کرینگے اُن کو مکّہ لے جائینگے اور وہاں سب لوگوں کے سامنے قتل کرینگے پھر ہم مکہ پہونچے تو ان لوگوں نے مکّہ میں شور مچا دیا کہ یہ حجاج آئے ہیں اور خبر لائے ہیں کہ محمد قید کر لیے گئے اب صرف اس بات کا انتظار ہے کہ وہ یہاں لائے جائیں اور تم لوگوں کے سامنے قتل کیئے جائیں میں نے کہا تم لوگ میرا مال جمع کر دو کیونکہ میں خیبر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں محمدؐ کا جو مال لوٹا گیا ہے اُس کو مول لوں گا قبل اسکے کہ تاجر لوگ وہاں پہونچیں۔ چنانچہ اُن سب لوگوں نے اچھی طرح میرا مال جمع کر دیا اور میں نے اپنی بی بی سے کہا کہ میرا مال دو تاکہ میں خیبر جاؤں اور وہاں سے سستا مال خرید لاؤں اُس نے بھی میرا مال مجھے دیدیا جب اس خبر کا مکہ میں بہت چرچا ہوا تو عباس میرے پاس آئے اُس وقت میں ایک تاجر کے خیمہ میں ٹھہرا تھا وہ نہایت شکستہ خاطر اور رنجیدہ میرے پاس آ کے کھڑے ہوگئے اور اُنھوں نے کہا کہ اے حجاج یہ خبر کیسی ہے میں نے کہا کہ آپ ٹھہر جائیے مجھے خلوت میں ملئے وہ میرے پاس آئے اور کہا کہ اے حجاج تمھارے پاس کیا خبر ہے میں نے کہا میرے پاس واللہ وہ خبر ہے کہ آپ کو خوش کر دیگی میں نے واللہ آپکے بھتیجے کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اللہ نے خیبر اُن پر فتح کر دیا اور وہاں کے بہت سے لوگ مقتول ہوئے اور اُن کے مال آپکے بھتیجے کو اور اُن کے اصحاب کو ملے اور میں نے اُنکو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اُنھوں نے خیبر کی شاہزادی (حضرت ام المومنین صفیہ) سے نکاح کیا ہے اور میں تو مسلمان ہوں یہاں صرف اپنا مال لینے آیا ہوں پھر رسول خدا صلعم کے پاس لوٹ جاؤں گا آپ اس خبر کو تین دن تک محفوظ رکھیئے ورنہ مجھے خوف ہے کہ میرا تعاقب کیا جائے گا بعد اسکے میں چلدیا جب تیسرا دن ہوا تو حضرت عباس نے اپنا لباس پہنا اور خوشبو لگائی بعد اسکے عصا لے کر مسجد میں گئے اور حجر اسود کو بوسہ دیا قریش کے لوگوں نے اُن کو دیکھا تو کہا اے ابو الفضل تم اس سخت مصیبت پر ایسی سنگ دلی کرتے ہو حضرت عباس نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم خیبر فتح ہوگیا اور محمدؐ اور اُن کے اصحاب کو مل گیا اور محمدؐ نے وہاں کی شاہزادی سے نکاح کیا ہے اُن لوگوں نے پوچھا کہ تم سے یہ خبر کس نے بیان کی حضرت عباس نے کہا حجاج بن علاط نے وہ تو مسلمان ہوگئے ہیں اور اُنھوں نے محمدؐ کے دین کی پیروی کر لی یہاں وہ صرف اپنا مال لینے آئے تھے وہ پھر دینہ میں لوٹ جائینگے کفار قریش نے یہ سنکے بہت واویلا کیا اور کہا اے خدا کے بندو دیکھو وہ خدا کا دشمن ہمیں دھوکہ دے گیا پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد (فتح خیبر کی) خبر اُن لوگوں کو پہونچ گئی ان کا تذکرہ تینوں نے لکھا ہے گو ترجمہ اسد الغابہ

کیا اسکے بعد بھی کوئی سنی تقیہ پر اعتراض کر سکتا ہے کہ خود رسول اللہ اس کو اپنی بُرائی بیان کرنے کی

اجازت دیتے ہیں اور یہ صحابی ایسا سفیہ جھوٹ بول رہا ہے جسکی کوئی حد نہیں۔ استیعاب میں ہے :۔

واخص لعجر رسول اللہ ان یقول فیجھ بما شاء عند اہل مکۃ عام خیبر من اجل

مالہ و ولدہ۔ (صفحہ ۱۳۲ جلد اول)

حجر بن عدی

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ اور اُن کے بھائی ہانی حاضر ہوئے تھے اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے فضلائے صحابہ میں تھے جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار تھے اور نہروان میں لشکر کے میسرہ پر تھے اور جنگ جمل میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے مشاہیر صحابہ سے ہیں جب زیاد عراق کا حاکم ہوا اور اُس نے سختی اور بدچلنی شروع کی تو حجر نے اُسکی بیعت واپس کر دی اور حضرت معاویہ کی بیعت اُنھوں نے واپس نہ کی تھی شیعیان علی رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت اُنکی پیرو ہو گئی ایک دن تاخیر نماز کی بابت اُنھوں نے اور اُن کے اصحاب نے زیاد پر طعن و تشنیع کی تو زیاد نے اُنکی شکایت حضرت معاویہ کو لکھ بھیجی حضرت معاویہ نے لکھا کہ انکو مع ان کے اصحاب کے میرے پاس بھیجدو چنانچہ زیاد نے سب لوگوں کو وائل بن حجر حضرمی کے ساتھ بھیجدیا اُنکے ساتھ بڑی جماعت تھی جب یہ مقام مرج عذرا میں پہونچے تو اُنھوں نے کہا کہ میں پہلا مسلمان ہوں جو اس مقام میں تکبیر کہتا ہوں پھر یہ اور ان کے اصحاب مرج عذرا نامی قریہ میں جو دمشق کے قریب ہے آرہے حضرت معاویہ نے ان سب کے قتل کا حکم دیا مگر حضرت معاویہ کے اصحاب نے بعض لوگوں کی سفارش کی وہ چھوڑ دیے گئے۔ اور حجر اور اُنکے ساتھ چھ آدمی قتل کر دیے گئے اور چھ آدمی چھوڑ دیے گئے جب لوگوں نے اُنکے قتل کا ارادہ کیا تو اُنھوں نے دو رکعت نماز پڑھی بعد اسکے کہا کہ اگر تم میری طرف کسی ایسی بات کا گمان نہ کرتے جو مجھ میں نہیں ہے (یعنی بزدلی) تو بیشک میں ان دونوں رکعتوں کو طول دیتا بعد اسکے اُنھوں نے کہا کہ میرے ہتھیار نہ اُتارنا اور میرے خون کو نہ دھونا میں قیامت کے دن معاویہ سے اسی حال سے ملوں گا جب حضرت عائشہ کو حجر کے ساتھ زیاد کی اس سلوک کی خبر ملی تو اُنھوں نے عبد الرحمان بن حارث کو حضرت معاویہ کے پاس بھیجا کہ خدا کے لئے حجر اور اُنکے اصحاب کی بیحرمتی نہ کرنا مگر عبد الرحمان ایسے وقت میں پہونچے کہ وہ قتل ہو چکے تھے تو عبد الرحمان نے حضرت معاویہ سے کہا کہ ابو سفیان تو حجر اور اُن کے اصحاب کے ساتھ بہت بردباری کیا کرتے تھے یہ بات تم میں کون ہو گئی تمنے انکو قید کیوں نہ کر دیا کسی وبائی مقام میں کیوں نہ بھیجدیا حضرت معاویہ نے کہا اُس وقت میری قوم میں تمھارے ایسے نیک مشورہ دینے والے لوگ نہ تھے عبد الرحمان نے کہا خدا کی قسم اب اہل عرب تمکو حلیم سمجھیں گے اور نہ صاحب عقل تمنے ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جو مسلمان بھی تھے اور تمھارے پاس قید کر کے بھیجے گئے حضرت معاویہ نے کہا میں کیا کرتا زیاد نے مجھے انکے بہت سخت حالات لکھے تھے اور لکھا تھا کہ یہ لوگ ایسا رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں جو پھر بند نہ ہو سکے جب حضرت معاویہ مدینہ میں آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے حضرت عائشہ نے سب سے پہلے حجر کے قتل کے متعلق ایسی طویل گفتگو کی کہ حضرت معاویہ نے کہا میرا اور حجر کا معاملہ چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ ہم دونوں اپنے پروردگار کے یہاں ملیں نافع کہتے تھے کہ حضرت ابن عمر بازار میں تھے جب ان کو حجر کے وفات کی خبر ملی تو ان سے صبر نہ ہو سکا اُٹھ کر چلے ہوئے اور رونے کی آواز ان سے بلند ہو گئی

محمد بن سیرین سے قتل کے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کا مسئلہ پوچھا گیا اُنھوں نے کہا ان دونوں بھتوں کو حجر اور خبیب نے پڑھا ہے اور یہ دونوں بڑے فاضل تھے حسن (بصری) حجر اور ان کے اصحاب کے قتل کو بڑا حادثہ کہتے تھے ربیع بن زیاد حارثی کو جو حضرت معاویہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے حجر کے قتل کی خبر پہونچی تو انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ الٰہ اللہ ربیع کے لئے اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اسے اپنی طرف اٹھا لے اور جلدی کر چنانچہ وہ اس مقام سے ہٹنے نہیں پائے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی حجر کا وظیفہ دو ہزار یا پانچسو تھا اُن کا قتل ۵۱ھ میں ہوا اُن کی قبر مقام عذرا میں مشہور ہے مستجاب الدعوۃ تھے اُن کا تذکرہ ابو عمر وابو موسیٰ نے لکھا ہے۔ (ترجمہ اسد الغابہ مولوی عبد الشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ)

اس تحریر پر اڈیٹر صاحب النجم حاشیہ دیتے ہیں "شیعیان علیؑ سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ رہتے تھے نہ زرقہ روافض"

اقول۔ معلوم نہیں کہ آپنے روافض اور شیعہ میں کیا فرق نکالا ہے کیونکہ شیعہ ہی کو تو آپ رافضی کہتے ہیں گذشتہ صفحات میں اس رسالہ کے آپ کے تحقیقات کا جواب ہو چکا ہے کہ کبھی تو آپ شیعہ کو قدمائے اہلسنت کہتے ہیں اور کبھی منافق کا خطاب دیتے ہیں یہاں آکر شیعہ اور روافض کو الگ کر دیا بہر حال آپ کو اپنے معاویہ کی فکر کرنی چاہیئے کہ اس نے کیسے کیسے مقدس صحابی کو بلا جرم و خطا قتل کیا جس پر ابن عمر سا صحابی زور سے رویا ہے اور حضرت عائشہ نے اس قدر معاویہ کی ملامت کی تو کیا اب بھی معاویہ کے انجام میں آپ کو کوئی شبہ ہو سکتا ہے کہاں تک آپ آیات و احادیث کی تکذیب کریں گے۔ علامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں:۔

کہ معاویہ جب داخل مدینہ ہوا اور عائشہ کے ملاقات کو گیا تو عائشہ نے کہا اگر ہم کسی کو چھپا رکھتے جو لعوض محمد ابن ابی بکر تجھے قتل کرتا تو تیرا کیا نتیجہ ہوتا کیا در بارہ حجر تجھے خدا کا خوف نہیں ہوا کہ تو نے انکو قتل کیا معاویہ نے کہا اس کا گناہ ان لوگوں پر ہے جنھوں نے اُس پر گواہی دی مسروق روایت ہیں کہ عائشہ کہتی تھیں کہ اگر معاویہ جانتا کہ اہل کوفہ میں کچھ ہمت و غیرت ہے تو ہرگز وہ اس کی جرات نہ کرتا مگر ہندہ جگر خوار کے بیٹے نے سمجھ رکھا تھا کہ آدمی بجتے تھے کوفہ میں وہ سب جاتے رہے قسم خدا کی حجر اور اسکے اصحاب جمجمہ عرب تھے از راہ فقہ و قوت (استیعاب مثنا)

ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:۔

حجر ابن عدی جناب امیرؑ کی صحبت میں رہے اور حضرتؑ کے شیعہ ہوئے ۔ الخ (اصابہ) اور حجر بن عدی مثل یک دفن و کفن حضرت ابوذر تھے بمقام ربذہ (جہاں عثمان نے ابوذرؓ کو نکلوا دیا تھا)

وجہ قتل زیاد جو معاویہ کی طرف سے حاکم کوفہ تھا اس نے خطبہ میں بہت طول دیا کہ نماز عصر کا وقت جاتا تھا اس پر حجر نے اسکو یاد دلایا کہ نماز جاتی ہے مگر وہ خطبہ پڑھتا رہا اس پر حجر نے اور لوگوں نے بھی اس پر کنکریاں پھینکیں زیاد منبر سے اترا اور معاویہ کو لکھ بھیجا۔ معاویہ نے لکھا کہ ہمارے پاس بھیجو۔ جب حجر معاویہ کے پاس پہونچے تو کہا السلام علیک یا امیر المومنین معاویہ نے کہا کیا ہم امیر المومنین ہیں انکو لیجاؤ قتل کرو حجر نے کہا دیکھو ہمارے جسم سے بیڑیاں وغیرہ نہ نکالنا نہ ہمکو غسل دینا ہم اسی طرح سے خدا کے سامنے معاویہ سے مخاصمہ کریں گے ۔ ابن عمر نے جب

ان کے شہادت کی خبر سنی تو وہ بازار میں تھے روتے ہوئے آواز بلند وہاں سے روانہ ہوئے عائشہ نے معاویہ پر اس بارہ میں عتاب کیا اور کہا ہم نے رسول اللہ سے سنا ہو کہ ہمارے بعد کچھ لوگ قتل کیے جائیں گے جس پر خدا غضبناک ہوگا اور اہل آسمان۔ ابراہیم بن جنید نے کتاب الاولیا میں نقل کیا ہے کہ جب معاویہ کے پاس جا رہے تھے تو راہ میں ضرورت غسل جنابت ہوئی آپنے موکل سے کہا جو پانی تم کو کل دینے والا ہے وہ آج ہی دیدے کہ ہم غسل کر لیں کل نہ دینا موکل نے کہا خوف ہے کہ راہ میں تم پیاسے مرجاؤ اور معاویہ ہم کو اس وجہ سے قتل کرے۔ لہٰذا پانی نہیں دیا۔ حجر نے خدا سے دعا کی جس پر ایک ابر کا ٹکڑا نمایاں ہوا اور پانی برسا جس سے بقدر ضرورت انھوں نے لے لیا لوگوں نے کہا دعا کیجیے کہ خدا ہم کو اس بلا سے نجات دے تو انھوں نے دعا کیا خداوندا جو ہمارے حق میں بہتر ہو اسکو اختیار کر اسکے بعد وہ قتل کیے گئے شہادت آپ کی ۵۱ھ میں ہوئی آپکے دو بیٹے تھے عبداللہ عبدالرحمان دونوں مختار کے ساتھ شہید ہوئے جبکہ مصعب نے کوفہ پر غلبہ پایا۔ (اصابہ جلد ۱ ص ۳۲۹)

اب تو کچھ بتانیکی ضرورت نہ رہی کیونکہ ان کے مستجاب الدعا ہونیکو اصابہ۔ استیعاب۔ اسد الغابہ سب میں لکھا ہے مگر افسوس معاویہ نے کسی کا خیال نہ کیا حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ اس کی خبر دے گئے ہیں کہ خدا اور فرشتے اُن کے قتل پر غضبناک ہوں گے۔

جرم اُن کا صرف اس قدر قرار دیا گیا ہے کہ زیاد کو نماز کا وقت یاد دلایا کہ خطبہ کی وجہ سے نماز جاتی ہے کیا اب بھی کسی کو نفاق معاویہ میں شبہ ہو سکتا ہے دو فرزند ان کے تھے وہ سب مختارؓ کے شریک تھے کہ امام حسینؑ کے خون کا انتقام لیں مگر مصعب نے ان دونوں کو بھی قتل کیا۔

شہادت حجر بن عدی

اُن وقائع عظیمہ سے ہے جس پر تاریخ و حدیث کی ساری کتابیں بھری ہیں نصائح کافیہ میں ہے جو فاضل اجل محمد بن عقیل حسینی کی تصنیف ہے اور وہ حیدرآباد میں مدرس اعلیٰ ہیں۔

یعقوب بن سفیان اپنی تاریخ میں اور بیہقی دلائل النبوۃ میں روایت کرتے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا اے اہل کوفہ بہت قریب ہے کہ تم میں سے سات آدمی قتل ہونگے مقام عذرا میں جن کی مثال اصحاب اخدود کی ہوگی (جن کا ذکر قرآن میں ہے (قتل اصحاب الاخدود) گڑھا کھود کر رہنے والے قتل کیے گئے سورہ واذ السماء انشقت) پس قتل کیے گئے حجر اور اصحاب اُنکے کہا امام بیہقی نے کہ حضرت علیؑ کا اس طرح کہنا بغیر اسکے نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ سے سنا ہو ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ معاویہ جب عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عائشہ نے کہا تو نے حجر اور اُن کے اصحاب کو قتل کیا حالانکہ ہم نے یہ حدیث سنی ہے کہ مقام عذرا میں سات آدمی قتل کیے جائینگے جن کے لیے خدا اور اہل سما غضب میں آئینگے۔ یعقوب بن سفیان نے روایت کیا ہے کہ عائشہ نے معاویہ کے اس حرکت پر نہایت ناراضی دکھائی کہ حجر کو اور انکے اصحاب کو بمقام عذرا قتل کیا اور کہا کہ ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ مقام عذرا میں سات آدمی قتل کیے جائینگے جن کے لئے

خدا و رسول غضبناک ہوگا۔

ان احادیث کو دیکھ کر اب اس آیۂ کریمہ کی تلاوت فرمائیے۔

ومن یقتل مومناً متعمداً فجزاؤہٗ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہٗ عذاباً عظیما۔ (سورہ نساء پ ۵ ع ۱۰)

یعنی جو شخص کسی مومن کو عمداً و قصداً مار ڈالے تو اُسکی جزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کا غضب اُس پر ہے اور اُس پر خدا لعنت کریگا اور ایسے شخص کے لئے عذاب عظیم مہیا کیا گیا ہے۔

اب ہم اہلسنت کو مبارک باد دیتے ہیں کہ کیسے امام کو آپنے مقتدا بنا یا ہے جس پر خدا کی لعنت ہے اور اسکے رسول کی لعنت اصلی وجہ قتل اسکو تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ زیاد نے صرف اس جرم پر انھیں معاویہ کے پاس بھیجا تھا کہ انھوں نے نماز عصر کو یاد دلایا تھا کہ تیرے خطبہ کی وجہ سے اُسکا وقت نکلا جاتا ہے مگر وقت شہادت جرات جیت نئی اس سے پوری حالت معلوم ہو جاتی ہے۔ نصائح کافیہ میں ہے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے ہدبہ بن فیاض قضاعی حصین بن عبداللہ کلابی آیا شریف بدری کو حجر کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا ہے اُن لوگوں کو جاکر قتل کریں قبل قتل ہدبہ نے کہا ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ تم سے کہیں کہ اگر تم لوگ تبرا کرو گے علیؑ سے اور اُن پر لعنت کرو گے تو تم کو چھوڑ دینگے اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تم کو قتل کرینگے سب نے جواب دیا ہم اسکو نہیں کر سکتے لہذا حکم دیا کہ قبر کھود دی جائے اور کفن حاضر کیا جائے حجر اور اُنکے اصحاب نے اُس شب کو تمام شب عبادت کیا صبح کو جب بارادہ قتل حجر کی طرف بڑھے تو کہا ہمکو دو رکعت نماز پڑھ لینے دو اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم کہو گے ہم موت سے ڈرتے ہیں تو ضرور زیادہ پڑھتے اسکے بعد حجر اور اُنکے اصحاب سے چھ آدمی قتل کیے گئے۔

عبدالرحمان بن حسان عنزی کریم خثعمی (منجملہ قیدیان) نے کہا ہم کو معاویہ کے پاس لے چلو کہ جو وہ چاہتا ہے ہم بھی کہیں گے معاویہ نے اجازت دی جب داخل ہوئے تو خثعمی نے کہا اے معاویہ خدا سے ڈر کہ تو اس دنیا سے دار الآخرت کے طرف جانیوالا ہے وہاں تجھ سے سوال کیا جائے گا کہ کیوں ہم لوگوں کو ناحق قتل کیا معاویہ نے پوچھا تو علیؑ کے بارے میں کیا کہتا ہے خثعمی نے کہا جو تو کہتا ہے وہی ہم بھی کہتے ہیں ہم اس دین سے برات کرتے ہیں جس دین پر حضرت علیؑ عبادت خدا کیا کرتے تھے معاویہ سنکر چپ ہو رہا شمر بن عبداللہ نے کہا اس کو ہم کو بخشدیجئے معاویہ نے دیدیا اور یہ شرط لیا کہ کوفہ میں نہ داخل ہو لہذا اُنھوں نے موصل میں قیام کیا۔

پھر عبدالرحمان بن حسان سے پوچھا کہ تم علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو اُس نے کہا اس بارے میں نہ سوال کرو کہ یہ تیرے حق میں بہتر ہو معاویہ نے کہا قسم بخدا ہم اس سوال کو نہیں چھوڑ سکتے اُس نے کہا ہم خدا کو گواہ کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ ان لوگوں سے تھے جو خدا کو بہت یاد کرتے اور حکم حق کرتے اور عدل کے ساتھ قیام کرتے اور لوگوں سے درگذر کرتے تھے معاویہ نے کہا پھر عثمان کے بارے میں کیا کہتا ہے عبدالرحمان نے کہا وہ پہلا شخص ہے جس نے باب ظلم

کو کشادہ کیا اور باب حق کو بند کیا معاویہ نے کہا تونے اپنے کو قتل کیا عبدالرحمان نے جواب دیا بلکہ تجھے قتل کیا معاویہ نے اس کو زیاد کے پاس واپس کیا اور لکھ بھیجا کہ سب سے بدتر طریقہ سے قتل کرو چنانچہ زیاد نے اُسے زندہ دفن کیا۔ علامہ ابن اثیر جزری نے اس واقعہ کو تاریخ کامل جلد ۳ میں بڑے شرح و بسط سے لکھا ہے ملاحظہ ہو ص۱۸۰ لغایت ۱۹۴ جو اس رسالہ مختصرہ میں نہیں آسکتا مگر چند فقرات اسکے ضروری ہیں۔

(۱) معاویہ نے جب مغیرہ بن شعبہ کو ۴۱ھ میں حاکم کوفہ بناکر بھیجا ہے تو کہا۔

وقد اردت ایصاءک باشیاء کثیرۃ انا تارکھا اعتمادا علی بصرک ولست تارکا ایصاءک بخصلۃ لا تترک شتم علی وذمہ والترحم علی عثمان والاستغفار لہ والعیب لاصحاب علی والاقصاء لھم والاطراء بشیعۃ عثمان والادناء لھم فقال المغیرہ قد جربت وجربت وعملت قبلک لغیرک۔ (ص۱۸۰)

یعنی چاہا تھا کہ بہت سے باتوں کے بارے میں تجھے وصیت کریں مگر چونکہ تیری عقل و فہم پر پورا اعتماد ہے لہذا سب کو چھوڑ دیتے ہیں مگر یہ وصیت ضروری ہے جس کو کسی طرح نہیں چھوڑ سکتے کہ تو اسکو کبھی نہ چھوڑنا کہ حضرت علی کو گالیاں دیا کرے اور اُن کی مذمت بیان کرے اور عثمان پر رحمت بھیجا کر اور انکے لئے استغفار کیا کرے اور حضرت علیؑ کے اصحاب کا عیب بیان کر اور انکو دور رکھا کر اور شیعیان عثمان کی تعریف کیا کر اور انکو اپنے سے نزدیک کر مغیرہ نے کہا تم کو بھی تجربہ ہو چکا ہے اور ہمکو بھی اور پہلے خلفا کی طرف سے بھی ہم کام کر چکے ہیں۔

(۲) فاقام المغیرہ عاملا علی الکوفہ وھو احسن شئ سیرہ غیرانہ لایدع شتم علی والوقوع فیہ والدعاء لعثمان والاستغفار لہ۔

یعنی مغیرہ نے بطرح انتظام کیا مگر جناب امیرؑ کے گالے دینے اور مذمت کرنیکو کبھی نہ چھوڑا اسی طرح عثمان کے لئے دعا اور استغفار کو کبھی نہ ترک کیا۔

اسکے بعد وفات مغیرہ ہے اور حکومت زیاد اور حُجر بن عدی کے گرفتاری کا حکم اور اُن کا کوفہ سے بھاگنا اور صیفی کا گرفتار ہونا۔ اسکے بعد زیاد کا لوگوں کا گواہ بنانا۔

(۳) فشھد اسحق وموسیٰ ابنا طلحہ بن عبید اللہ والمنذر بن الزبیر وعمارہ بن عقبہ بن ابی معیط وعمر بن سعد بن ابی وقاص وغیرھم وکتب فی الشھود شریح بن الحرث القاضی وشریح بن ھانی فاما شریح بن ھانی فکان یقول ماشھدت وقد ندمت (ص۱۹۱)

یعنی زیاد نے جو خط بنام معاویہ لکھا اُس پر اسحق و موسیٰ پسران طلحہ نے گواہی کی اور منذر بن الزبیر نے اور عمارہ بن عقبہ (جو غالباً برادر مادری حضرت عثمان ہیں) اور عمر بن سعد ابی وقاص (قاتل امام حسینؑ) اور شریح بن حارث کا نام لکھ دیا اور شریح بن ہانی کا۔ حالانکہ شریح بن ہانی اس واقعہ سے انکار کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاندان طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص کو کیسی عداوت تھی جناب امیرؑ سے کہ اس جھوٹی شہادت

یہ لوگ شریک ہوئے۔

اب ہم اس واقعہ کو تمام کرتے ہیں حجر کے ساتھ یہ لوگ بھی شہید کر دئیے گئے شریک بن شداد حضرمی۔ صیفی بن فسیل شیبانی قبیصہ بن ضبیعہ عبسی۔ محرز بن شہاب سعدی تمیمی۔ کدام بن حیان عنزی۔ عبدالرحمان بن حسان عنزی جن کو زیاد نے زندہ دفن کیا (صفحہ ۱۹۲ کامل)

(۴) یعنی امام حسن بصری کہتے ہیں: ۴ خصلتیں معاویہ میں ایسی تھیں کہ ان میں سے ایک بھی اسکے ہلاکت کو کافی تھی ایک یہ کہ امت پر بزور تلوار مسلط ہوا بغیر مشورہ کے حالانکہ بہت سے صاحب اوا فضیلت ان میں موجود تھے دوسرے اپنے بیٹے کو خلیفہ کیا جو شراب خوار تھا ہر وقت بدمست رہتا ریشم پہنتا اور طنبورہ بجاتا تیسرے یہ کہ زیاد کو اپنا بھائی بنایا حالانکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے الولد للفراش و للعاھر الحجر۔ چوتھے یہ کہ حجر اور اس کے اصحاب کو قتل کیا پس وائے ہو اس پر حجر کی طرف سے اور وائے ہو اس پر حجر کے اصحاب کی طرف سے

حضرت حجر نے بوقت شہادت کہا تھا ہم کو ان ہی بیڑیوں سمیت دفن کرنا ہم معاویہ سے سمجھ لیں گے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصائح کافیہ میں ہے۔

قال ابن سیرین بلغنا ان معاویۃ لما حضرتہ الوفاۃ جعل یقول یومی منک یا حجر طویل۔ (صفحہ ۵۹)

کہ جب وقت وفات معاویہ قریب ہوا تو کہنے لگا اے حجر ہمارا دن تم سے بہت طویل ہے۔

چونکہ اس رسالہ کی بنا اختصار پر ہے اس لئے زیادہ طول دینا مناسب نہیں اگر اس سے زیادہ مفصل حال دیکھنا ہو تو نصائح کافیہ اور تشیید المطاعن وغیرہ ملاحظہ فرمائیے کیونکہ ہم جو کچھ لکھا ہے وہ اصابہ، استیعاب، اسد الغابہ۔ تاریخ کامل نصائح کافیہ سے جس سے آل و اصحاب کے تعلقات پر پوری روشنی پڑتی ہے حضرت اس جرم پر اصحاب کبار قتل کئے جاتے تھے کہ وہ شیدہ جناب امیر تھے اس شرط پر زندہ چھوڑے جاتے تھے کہ وہ جناب امیرؑ سے تبرا کریں ورنہ زندہ دفن کر دیئے جاتے کیسے کیسے مقدس صحابی سب و شتم جناب امیرؑ کو علانیہ منبروں پر ادا کرتے پھر دنیا میں مذہب شیعہ کیونکر باقی رہ سکتا تھا مگر یہ بھی معجزہ جناب امیرؑ و ائمہؑ اطہار ہے کہ اب بھی وہ مذہب حق باقی ہے اور مطابق وعدہ خدا و وعدہ رسولؐ سب پر غالب ہے اگرچہ عدد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔

حذیفہ بن یمان نبی صلعم کے حضور میں ہجرت کر کے آئے تھے ان کا نام اس طرح لیا جاتا تھا حذیفہ صاحب سر رسول اللہ فی المنافقین منافقوں کے حالات رسول خدا نے سوائے حذیفہ کے اور کسی کو نہ بتائے تھے۔ حضرت عمر نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ کیا میرے عمال میں کوئی منافق ہے حضرت حذیفہ نے کہا ہاں ایک ہے حضرت عمر نے پوچھا وہ کون ہے انھوں نے کہا میں نہ بتاؤں گا حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس منافق کو معزول کر دیا۔ نبی صلعم سے فتنہ کے حالات بہت پوچھا کرتے تھے تاکہ اس سے بچیں

ایک شخص نے حضرت حذیفہ سے پوچھا کہ سب سے زیادہ سخت فتنہ کون ہے انھوں نے کہا یہ کہ نیکی اور بدی دونوں تمہارے سامنے پیش کی جائیں اور تم نہ سمجھ سکو کہ کس کو اختیار کریں اُن کی وفات حضرت عثمان کی شہادت کے چالیس دن بعد ہوئی ۳۶ھ؁ اسد الغابہ صفحہ ۳۹۱ ج ۲)

اصابہ میں ہے :-

وروی مسلم عن عبد اللّٰہ بن یزید الخطمی عن حذیفۃ قال لقد حدثنی رسول اللّٰہ ما کان وما یکون حتّٰی تقوم الساعۃ

یعنی صحیح مسلم میں ہے کہ حذیفہ نے کہا رسول اللہ نے ہم کو خبر دی ہے کل ان باتوں سے جو ہو چکیں یا ہوں گی روز قیامت تک۔

کیا اس حدیث کو کبھی دیکھ کر اہل حدیث اس پر ایمان نہ لائیں گے کہ رسول اللہ کو علم ما کان و ما یکون یعنی علم غیب بتعلیم خدا حاصل تھا۔

روایت اسد الغابہ میں یہ ہے کہ عمر اپنے عمال کی نسبت پوچھتے تھے کہ ان میں کوئی منافق ہے یا نہیں حالانکہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

کسی نے حذیفہ سے سوال کیا کہ تم کو نام منافقین کا کیونکر معلوم ہوا حالانکہ ابوبکر و عمر تک نہ جانتے تھے حذیفہ نے کہا شب عقبہ ہم سواری رسول خدا کے پیچھے پیچھے جاتے تھے حضرت کو کچھ نیند آگئی تھی کہ ہم نے سنا کچھ لوگ کہتے ہیں اگر ہم لوگ حضرت کو اونٹ سے گرا دیں کہ گردن ٹوٹ جائے تو انکے ہاتھ سے خلاصی پائیں حذیفہ کہتے ہیں کہ یہ سنکر ہم درمیان میں آگئے اور آواز کو بلند کیا حضرت بیدار ہو گئے پوچھا کون ہے میں نے عرض کیا میں ہوں حذیفہ پھر پوچھا یہ کون لوگ ہیں میں نے سب کے نام بتلائے حضرت نے فرمایا یہ سب منافق ہیں کسی کو انکا نام نہ بتانا اور تاریخ سے منقول ہے کہ رسول خدا نے بجز حذیفہ کسی کو منافقین کے نام نہ بتلائے ہم لوگ بارہ آدمی تھے۔ (اسماء الرجال صفحہ ۱۷۷)

پھر اوسی کتاب میں ہے :-

وکان عمر یسئال حذیفۃ عن حدیث العقبۃ ویسئلہ عن علامات النفاق هل تری فیہ شیئًا۔

یعنی عمر پوچھا کرتے تھے حدیث عقبہ کو اور علامات نفاق کو اور اس بات کو کہ آیا ہم میں بھی کچھ علامت نفاق پاتے ہو۔

پھر تعجب ہے کہ اصل واقعہ کو یہ لوگ چھپا کر کیوں ایسی باتیں بناتے ہیں میزان الاعتدال علامہ ذہبی میں ہے کہ عمر نے کہا :-

یا حذیفۃ نشدتک باللّٰہ انا من المنافقین (صفحہ ۲۲۶) کہ اے حذیفہ قسم خدا کی ہم منافقوں سے ہیں۔

پھر نہ معلوم اس قسم کے افتراء پردازی سے کیا کیا فائدہ۔

حر بن قیس
یہ بھتیجے ہیں عیینہ بن حصین کے حر نے عیینہ کیلئے اجازت طلب کی عمر نے اجازت دی تو عیینہ نے عمر سے کہا اے ابن خطاب خدا کی قسم تم ہمیں مال نہیں دیتے اور ہمارے درمیان انصاف نہیں کرتے۔ (اسد الغابہ صفحہ)

اب اس سے بڑھ کر کونسی شہادت ہو سکتی ہے اسکی کہ عمر نا انصافی کرتے کیونکہ خود صحابی رسول گواہی دے رہا ہے۔

حرام بن ملجان
اصابہ میں اسی کے ترجمہ میں ہے۔

وکان مسلما یکتم اسلامہ لامرأۃ من قومہ (ص۲۷)

کہ اپنا اسلام خوف سے ایک عورت سے مخفی رکھتا تھا۔

کیا اب بھی تقیہ پر اعتراض ہو سکتا ہے جب ایسا صحابی اپنے اسلام کو مخفی رکھتا تھا۔

حرقوص بن زہیر سعدی
عمر نے ان کو مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجا تھا یہ پہلے جناب امیرؑ کے ساتھ بھی جنگ صفین میں تھے مگر آخر میں خارجی ہو گئے جب حضرت علیؑ نے خوارج سے قتال کیا تو یہ خوارج کے ساتھ اور اسی زمانہ میں ۳۸ھ میں مقتول ہوئے (اسد الغابہ صفحہ)

حریز بن شراحیل کندی
صحابی ہیں انھوں نے ۶۱ھ میں شہادت پائی (صفحہ اسد الغابہ) مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

حزن بن ابی وہب
رسول اللہ نے ان کا نام سہل رکھا انھوں نے عرض کیا کہ میں اپنا نام نہ بدلوں گا۔ (اسد الغابہ جلد)

کیا ایسے ہی صحابہ پر اہلسنت نازاں ہیں جو حضرت کے حکم سے اپنا نام بھی بدلنا پسند نہ کرتے۔

حسان بن ثابت انصاری
یہ اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے کفار و مشرکین کی ہجو کیا کرتے حضرت عائشہ پر تہمت لگانے میں یہ بھی شریک تھے حسان بن ثابت۔ مسطح بن اثاثہ۔ حمنہ بنت جحش۔ حضرت نے ان لوگوں کو اسی اسی درّے ملے یہ نہایت بزدل تھے حضرت نے غزوہ خندق میں انکو بھی عورتوں کے ساتھ ایک بلند مقام پر پہونچا دیا تھا جو بمنزلہ قلعہ تھا ایک کافر آیا تو حضرت صفیہ نے کہا اسے قتل کرو کہا ہم اس کام کے نہیں حضرت صفیہ نے خود اسے قتل کیا تو حسان سے کہا جاکر اس کا لباس وغیرہ اتار لو حسان سے یہ بھی نہ ہو سکا (صفحہ اسد الغابہ جلد ۲)

ہمنے اس غرض سے ان کا حال لکھا ہے کہ اہلسنت دعوی کرتے ہیں الصحابۃ کلھم عدول (یعنی صحابہ سب کے سب عادل ہیں) تو اب وہ غور کریں کہ جب خود رسول اللہ کے روبرو حضرت کی بیوی پر ایسی تہمت لگائی جس پر انکی اسی درّے لگائے گئے تو پھر اس پر کیونکر تعجب ہو سکتا ہے کہ وہ بعد وفات رسول اپنے ذاتی اغراض کیلئے افترا کریں اس لئے کہ اسلامی دنیا میں جو کچھ فساد ہوا وہ انھیں صحابہ کے بدولت۔

تاریخ کامل میں سولہ آدمیوں کا نام لکھا ہے جنھوں نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی ان میں حسان بن ثابت بھی ہیں

فاما حسان فکان شاعرا لایبالی مایصنع واما زید بن ثابت فولاہ عثمان الدیوان وبیت المال (صفحہ ۵۰ جلد ۳)

یعنی حسان تو مرد شاعر تھے انکو کچھ پرواہ نہ تھی کہ کیا کرتے ہیں اور زید بن ثابت کو عثمان نے دیوان اور بیت المال کا متولی قرار دیا تھا۔ اس وجہ سے انھوں نے جناب امیرؑ کی بیعت نہ کی یہی زید بن ثابت کاتب قرآن بھی ہیں جنھوں نے حسب خواہش عثمان ترتیب دیا تھا۔

جناب امام حسن علیہ السلام کا نام بھی اسی فہرست میں لیا گیا ہے لہذا ہم کو بھی یہیں لکھنا پڑا ورنہ آپ کا ذکر خیر تو رسول اللہ کے ساتھ ہوتا۔

سیدنا و ابن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

فرزند جگر گوشہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

ابن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ قریشی ہاشمی کنیت ابو محمدؑ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں والدہ ماجدہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں اور یہ جوانان الجنت کے سردار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی بہار ہیں (صورت میں بھی) آپ کے مشابہ تھے انکا نام حسن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔ ان کی کنیت ابو محمد آپ ہی نے قائم کی تھی اور ولادت سے ساتویں دن آپ نے عقیقہ کیا تھا اور انکے بال منڈوائے تھے اور حکم دیا تھا کہ ان کے بالوں کے ہموزن چاندی خیرات کیجائے اہل کساکے پانچویں شخص ہیں۔

ابو محمد عسکری نے کہا ہے کہ یہ نام جاہلیت میں (کسی کا) معلوم نہیں ہوتا اور انھوں نے ابن اعرابی سے انھوں نے مفضل سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے (یہ دو نام) حسن اور حسین چھپا رکھے تھے یہاں تک کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں صاحبزادوں کا نام حسنؑ اور حسین رکھا ابن اعرابی کہتے ہیں میں نے مفضل سے کہا کہ دو شخص یمن میں تھے (انکا نام بھی تو حسنؑ اور حسینؑ تھا) مفضل نے کہا ان کا نام حسن ساکن السین اور حسین بفتح حا وکسر سین تھا ان دونوں صاحبزادوں سے پہلے حسنؑ اور حسینؑ کسی کا نام نہ تھا صرف حسن کے نام سے ایک گاؤں بلاد ضبہ میں ہے (جس کی نسبت) ابن عنمہ (شاعر نے) یہ شعر لکھا ہے۔ عداۃ اضر بالحسن السبیل اسی مقام میں بسطام بن قیس شیبانی قتل کئے گئے۔

حسن بن ابی طالب جن کی والدہ فاطمہ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھیں نصف رمضان سنہ ۳ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور مدینہ منورہ میں سنہ ۴۹ ہجری میں ان کی وفات ہوئی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی ولادت نصف شعبان سنہ ۳ ہجری میں ہوئی اور بعض کہتے ہیں غزوہ احد

کے ایک سال بعد اور بعض کہتے ہیں دو سال بعد پیدا ہوئے تھے اور غزوہ احد کے درمیان میں دو برس چھ مہینے پندرہ دن کا فصل تھا۔ ام فضل نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا ایک عضو آپ کا میرے گھر میں ہے حضرت نے فرمایا کہ تم نے اچھا (خواب) دیکھا فاطمہ سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کو تم قثم کا دودھ پلاؤ گی چنانچہ حضرت حسن پیدا ہوئے اور ام فضل نے انکو قثم کا دودھ پلایا

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے تھے جب حسنؓ پیدا ہوئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ تم نے اسکا نام کیا رکھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے حضرت نے فرمایا (حرب) نہیں ہے بلکہ اس کا نام حسن ہے پھر جب امام حسینؓ پیدا ہوئے تو ہم نے اُن کا نام بھی حرب رکھا تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے (بدستور سابق) فرمایا میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ تم نے اسکا کیا نام رکھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے حضرت نے فرمایا وہ (حرب نہیں ہے) بلکہ (اسکا نام) حسینؓ ہے پھر جب تیسرا لڑکا پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے بیٹے کو مجھے دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا میں نے عرض کیا کہ میں نے اسکا نام حرب رکھا آپ نے فرمایا وہ (حرب نہیں ہے) بلکہ (اس کا نام) محسن ہے بعد اسکے آپ نے فرمایا کہ میں ان تینوں کے وہ نام رکھتا ہوں جو ہارون (پیغمبر علیہ السلام) کے بیٹوں کے نام تھے (یعنی) شبر اور شبیر اور مشبر (حضرت حسنؓ سے ام المومنین عائشہ نے اور شعبی اور سوید بن غفلہ اور شقیق بن سلمہ اور ہبیرہ بن یریم اور شتیب بن نجبہ اور اصبغ بن نباتہ اور ابوالجوزا اور داؤد بن خدیج اور اسحاق بن بشار اور محمد بن سیرین وغیرہم نے روایت کی ہے)

حضرت حسنؓ بن علی فرماتے تھے مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات تعلیم فرمائے ہیں جنکو میں وتر کی دعائے قنوت میں پڑھ لیا کرتا ہوں (وہ کلمات یہ ہیں):-

اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک وانہ لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت۔

یزید بن ابی مریم نے خبر دی وہ کہتے تھے میں نے حضرت حسن بن علیؓ سے عرض کیا کہ آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں یاد ہوں تو بیان کیجئے انھوں نے کہا مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ بات یاد ہے میں نے (ایک مرتبہ) صدقہ کے چھواروں میں سے ایک چھوارا لیکر اپنے منہ میں رکھ لیا تھا حضرت نے اسکو (میرے منہ سے) نکال لیا اس حال میں کہ اس میں میرا لعاب (دہن) لگ گیا تھا اور انکو صدقہ کے چھواروں میں ملا دیا کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ ایک چھوارے کی کیا بات تھی اگر آپ نے کھا لینے دیا ہوتا؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے لیے یعنی آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس بات میں تم کو شک ہو اسکو ترک کر دو کیونکہ سچائی نام اطمینان کا ہے اور شک جھوٹی چیز ہے اور حضرت ہمیں اس دعا

کی تعلیم دیا کرتے تھے اس کے بعد انھوں نے قنوت کی حدیث ذکر کی۔

سفیان ثوری نے خبر دی کہ وہ کہتے تھے حضرت حسنؑ بن علیؑ سے سنا وہ کہتے تھے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص نماز پڑھ کر اپنے مصلا پر بیٹھا رہے یہاں تک کہ آفتاب نکل آئے تو یہ کام اس کے لیئے دوزخ سے حجاب ہو جائے گا یا فرمایا کہ دوزخ ایک پردہ ہو جائے گا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں سوا دو خالہ زاد بھائیوں یعنی حضرت عیسیٰ اور یحییٰ بن زکریا علیہم السلام کے۔ اسامہ بن زید نے خبر دی وہ کہتے تھے کہ میں ایک رات کو کسی کام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ میرے پاس باہر تشریف لائے اور آپ کسی چیز کو اٹھائے ہوئے (چادر میں چھپائے ہوئے) تھے مجھے معلوم نہیں ہوا کہ آپ کس چیز کو اٹھائے ہوئے ہیں پھر جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے پوچھا حضرت یہ کیا چیز ہے جسکو آپ اٹھائے ہوئے ہیں آپ نے چادر کھول دی تو (معلوم ہوا کہ) وہ حسنؑ اور حسینؑ ہیں جنکو آپ اپنی گود میں لیئے ہوئے تھے پھر آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں پس تو بھی ان دونوں سے محبت رکھ اور جو شخص انسے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ۔ (ایک مرتبہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ میرا بیٹا (یعنی حسن) سردار ہے اسکے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں حسنؑ اور حسینؑ گھر سے باہر آئے سرخ کرتے پہنے ہوئے چلے آرہے تھے اور انکے پیر لڑکھڑاتے تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر سے اتر پڑے اور انکو گود میں اٹھا کر اپنے سامنے بیٹھا لیا بعد اسکے فرمایا اللہ سچ فرماتا ہے انما اموالکم واولادکم فتنۃ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلے آرہے ہیں اور انکے پیر لغزش کرتے ہیں تو مجھ سے نہ رہا گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات قطع کر دی اور انکو اٹھا لیا۔ نیز وہ کہتے تھے انس بن مالک سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے حسن بن علی سے زیادہ صورت میں رسول خدا صلی اللہ وسلم کے مشابہ کوئی نہ تھا۔ ابن عباس سے نقل کر کے خبر دی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) حضرت حسن کو اپنے شانہ پر سوار کیئے ہوئے تھے کسی نے کہا کہ اے صاحبزادے تم کیسی اچھی سواری پر سوار ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سوار بھی تو اچھا ہے۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حسن بن علی کو اپنے شانے پر سوار کیئے ہوئے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اے اللہ میں اسکو دوست رکھتا ہوں تو بھی اسے دوست رکھ۔ عمر بن ابی سلمہ ربیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر کے خبر دی کہ وہ کہتے تھے حضرت ام سلمہ کے گھر میں جب یہ آیت نازل ہوئی انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا تو ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی ان لوگوں میں ہوں تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر ہو اور تم بہتری پر ہو۔ زید بن ارقم سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دو گرانقدر چیزیں تم میں چھوڑے جاتا ہوں جب تک انکے ساتھ تمسک کرتے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک چیز ان میں سے بہ نسبت

دوسرے کے بڑی ہے (وہ دونوں یہ ہیں) کتاب اللہ جو (مثل) ایک رسی (کے) ہے آسمان سے زمین کیطرف لٹکی ہوئی اور میری عترت یعنی میرے اہلبیت اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگی یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر (ساتھ ہی ساتھ) پہونچ جائینگی پس خیال رکھو کہ میرے بعد تم ان دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے محبت رکھو بوجہ اُن نعمتوں کے جو روزانہ تم پر فائض ہوتی ہیں اور بوجہ اللہ کی محبت کے مجھ سے محبت رکھو اور بوجہ میری محبت کے میرے اہلبیت سے محبت رکھو لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت حسن بن علی نے کئی حج پا پیادہ کئے اور فرماتے تھے کہ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ میں اس حال میں اس سے ملوں کہ میں اسکے گھر تک پاپیادہ نہ جاؤں اور تین مرتبہ انھوں نے اپنا نصف مال اللہ کی راہ میں دیا (نصف بھی اس طرح کہ) ایک جوتی رکھ لیتے تھے اور ایک جوتی دیدیتے تھے اور دو مرتبہ اپنا پورا مال دیدیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ حسن بھی اسباط میں سے ایک سبط ہیں حضرت حسن بہت ہی بردبار اور کریم و پرہیزگار تھے انکی پرہیزگاری ہی نے اُنھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اُنھوں نے اللہ کے یہاں کے نازونعیم پر قناعت کر کے دنیا اور اسکی سلطنت چھوڑ دی اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حاکم بنوں اور میری حکومت میں کسی کا خون پچھنے سے بھی گرایا جائے۔ حضرت عثمان بن عفان کی مدد میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ بنائے گئے حضرت علی سترہ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہوئے تھے حضرت حسن کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے جان دینے کے اقرار پر بیعت کی تھی یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے اُنکے والد حضرت علی سے بھی بیعت کی تھی مگر وہ حضرت حسن کے زیادہ اطاعت کرنے والے اور اُنسے زیادہ محبت رکھنے والے تھے حضرت حسن قریب سات مہینہ تک عراق اور اُسکے ماسوا یعنی خراسان اور حجاز اور یمن وغیرہ کے خلیفہ رہے بجز حضرت معاویہ شام سے ان کی طرف چلے اور یہ حضرت معاویہ کی طرف چلے جب دونوں لشکر مقابل میں آگئے تو حضرت حسن نے خیال کیا کہ ایک کو دوسرے پر فتح نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرے لشکر کا اکثر حصہ مقتول نہ ہو جائے لہٰذا انھوں نے حضرت معاویہ کو پیغام دیا کہ میں تمھیں خلافت سپرد کئے دیتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ تمھارے بعد پھر میں خلیفہ کیا جاؤں اور میں اہل مدینہ اور اہل حجاز و عراق سے ان چیزوں کو طلب نہ کرونگا جو میرے والد کے وقت میں اُنھیں مل چکی ہیں اس کے علاوہ اور قواعد بھی تھے حضرت معاویہ نے انکی درخواست منظور کر لی اور وہ معجزہ جو ظاہر ہوا وہ یہ تھا کہ نبی نے فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ اسکے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا اور اس سے بڑھ کر اور کیا بزرگی ہوگی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو سردار فرمایا۔

حضرت حسن اپنے والد امیر المومنین (علی مرتضیٰ) کی وفات کے بعد (خطبہ پڑھنے) کھڑے ہوئے اور اللہ عزوجل کی حمد کے بعد فرمایا ہمیں اہل شام کی لڑائی سے کسی شک یا ندامت نے نہیں روکا ہم اہل شام سے سلامتی اور صبر کے ساتھ لڑاتے تھے مگر اب عداوت کی وجہ سے سلامتی میں فرق آ گیا اور جزع کی وجہ سے صبر چلا گیا جب صفین کیطرف

تم بلائے جاتے تھے تو اس وقت تمہارا دین دنیا سے مقدم تھا مگر اب تمہاری دنیا تمہارے دین سے مقدم ہو گئی ہے آگاہ ہو ہم تو اب بھی تمہارے لئے ویسے ہی ہیں جیسے تھے مگر تم ہمارے لئے اب ویسے نہیں رہے جیسے تھے اس وقت دو قسم کے لوگ تمہارے مقتول ہو چکے ہیں جن کے لئے تم رو رہے ہو اور کچھ لوگ نہروان میں مقتول ہو چکے ہیں جن کا انتقام تم طلب کر رہے ہو جو لوگ باقی رہ گئے ہیں وہ ناکام ہیں اور جو رو رہے ہیں وہ پریشان ہیں۔

سنو! معاویہ نے ہمیں ایک ایسی بات کی طرف بلایا ہے جس میں نہ عزت ہے نہ انصاف پس اگر تم موت کے خواہشمند ہو تو ہم معاویہ کی بات نامنظور کر دیں اور اللہ عزوجل کے سامنے تلوار کی باڑھ سے فیصلہ کریں اور اگر زندگی کے خواہشمند ہو تو ہم معاویہ کی بات مان لیں اور جس بات پر تم راضی ہو اسی کو اختیار کریں تو سب لوگوں نے ہر طرف سے انھیں آواز دی کہ ہم باقی رہنے کے خواہشمند ہیں جب سب نے متفق ہو کر یہی بات کہی تو حضرت حسن نے صلح منظور کر لی۔

ایک شخص حضرت حسن بن علیؑ کے سامنے کھڑا ہوا جبکہ انھوں نے حضرت معاویہ سے بیعت کر لی اس شخص نے کہا کہ تم نے مومنوں کے منہ میں کالک لگا دی یا یہ کہا کہ اے مومنین کے رو سیاہ کرنے والے حضرت حسن نے فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے مجھے لعنہ نہ دے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (خواب میں) دکھایا گیا تھا کہ بنی امیہ آپ کے منبر پر کھڑے ہیں یہ بات آپ کو بہت ناگوار ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شہر۔

حضرت نے فرمایا کہ ہزار مہینوں سے مراد وہ ہزار مہینے ہیں) جن میں میرے بعد بنی امیہ بادشاہت کریں گے۔

اس وقت کی تعیین میں اختلاف ہے جس میں حضرت حسنؑ نے خلافت حضرت معاویہ کے حوالے کی بعض لوگ کہتے ہیں جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں اور بعض لوگ کہتے ہیں ربیع الآخر میں پہلے قول کے موافق حضرت حسن کی خلافت چھ مہینے بارہ دن رہی اور جو لوگ کہتے ہیں ربیع الآخر میں یہ واقعہ ہوا ان کے قول کے موافق چھ مہینے اور چند دن رہی اور جو لوگ کہتے ہیں جمادی الاولیٰ میں یہ واقعہ ہوا ان کے نزدیک آٹھ مہینے رہی واللہ اعلم
ان تمام اقوال میں انھیں لوگوں کا قول صحیح ہے جو کہتے ہیں ۴۱ھ میں یہ صلح ہوئی۔

جب حضرت حسنؑ نے معاویہ سے بیعت کی تو قبل اس کے حضرت معاویہ کوفہ میں آئیں حضرت حسنؑ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ اے لوگو! ہم تمہارے سردار اور تمہارے مہمان ہیں اور تمہارے نبی کے اہلبیت ہیں جن سے خدا نے ناپاکی کو دور فرمایا ہے اور انھیں خوب پاک کر دیا ہے اس کلمہ کو کئی مرتبہ کہا یہاں تک کہ سب لوگ رونے لگے اور ان کے رونے کی آواز کانوں میں آئی جب حضرت معاویہ کوفہ پہونچے تو لوگوں نے ان سے بیعت کی عمرو بن عاص نے حضرت معاویہ سے کہا آپ حضرت حسن سے کہئے کہ خطبہ پڑھیں حضرت معاویہ نے کہا ہمیں اسکی ضرورت نہیں ہے عمرو

بن عاص نے کہا میں اسکو مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ان کی ناقابلیت ظاہر ہو جائے کیونکہ وہ ان باتوں کو نہیں جانتے
حضرت معاویہ نے کہا اے حسن اٹھو اور لوگوں سے بیان کرو اور جو ہمارے اور تمہارے درمیان واقعات گزرے ان کو
ظاہر کرو پس حسن اس بات کے بیان کرنے کو کھڑے ہوگئے جس کے متعلق انھوں نے پہلے سے کچھ
غور نہ کیا تھا انھوں نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی بعد اسکے فی البدیہہ فرمایا کہ اے لوگو! اللہ نے تمہیں ہمارے سب سے پہلے
(نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ سے ہدایت کی اور ہمارے پچھلے کے (یعنی میرے) ذریعہ سے تمہاری جانوں کی حفاظت کی
آگاہ رہو سب سے زیادہ عقلمندی پرہیزگاری ہے اور سب سے زیادہ بیوقوفی بدکاری ہے اور یہ معاملہ جس کے متعلق میرا اختلاف
ہوا دو حال سے خالی نہیں) یا تو وہ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں اور یا یہ میرا حق ہے جو میں نے اللہ عزوجل کے لئے اور امت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کے لئے اور تمہاری جانوں کی حفاظت کے لئے ترک کر دیا پھر جب حضرت معاویہ کی
طرف متوجہ ہوئے فرمایا:- وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین تو حضرت معاویہ نے ان سے کہا
کہ اب منبر اتر پڑیے اور عمرو بن عاص سے کہا کہ تمہارا یہی مقصد تھا حضرت حسنؓ کی وفات کے وقت میں بھی اختلاف
ہے بعض لوگ کہتے ہیں ۴۹ھ میں ان کی وفات ہوئی بعض لوگ کہتے ہیں ۵۰ھ میں اور بعض لوگ کہتے ہیں ۵۱ھ
میں خضاب لگایا کرتے تھے۔ آپکی وفات کا سبب یہ ہوا کہ آپ کی بی بی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے انھیں زہر پلا دیا
تھا اور دست آنا شروع ہوئے اور یہ حالت ہوئی کہ انکے نیچے طشت رکھ دیا جاتا تھا اور دوسرا اٹھایا جاتا تھا قریب چالیس
دن کے یہی حالت رہی اور اسی سے وفات ہو گئی جب انکا مرض بڑھ گیا تو اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا
کہ اے بھائی مجھے تین مرتبہ زہر پلایا گیا مگر ایکی مرتبہ ایسا نہیں پلایا گیا میرے جگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کے گر رہے ہیں
حضرت حسینؓ نے پوچھا کہ آپکو زہر کس نے پلایا ہے حضرت حسن نے فرمایا کہ تم کیوں پوچھتے ہو کیا تم ان لوگوں سے لڑنا
چاہتے ہو؟ میں انھیں اللہ عزوجل کے حوالہ کرتا ہوں جب انکی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ کے پاس ایک
آدمی بھیج کر اس امر کی اجازت طلب کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جاؤں حضرت عائشہ نے اسکو منظور کر لیا
پھر اپنے بھائی سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم پھر عائشہ سے اجازت طلب کرنا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دفن کیا
جاؤں میں نے ان سے اجازت طلب کی تھی اور انھوں نے منظور کر لیا تھا مگر شاید انھوں نے میری مروت کیوجہ سے ایسا
کیا ہو لہذا میرے بعد اگر وہ اجازت دیں تو تم مجھے ان کے گھر میں دفن کر دینا مگر مجھے خیال ہوتا ہے کہ بنی امیہ تمہیں روکیں گے
لہذا اگر وہ ایسا کریں تو تم ان سے اسکے متعلق مزاحمت نہ کرنا اور مجھے جنت البقیع میں دفن کر دینا۔

چنانچہ جب انکی وفات ہوگئی تو حضرت حسینؓ حضرت عائشہ کے پاس اس کی اجازت طلب کرنے کے لئے گئے
حضرت عائشہ نے کہا مجھے خوشی سے منظور ہے جب یہ خبر مروان کو اور باقی بنی امیہ کو پہونچی تو انھوں نے کہا خدا کی قسم
وہ وہاں ہرگز نہیں دفن کئے جا سکتے حضرت حسینؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے اور ان کے ساتھ والوں نے ہتھیار
اٹھائے مروان نے بھی ہتھیار اٹھائے حضرت ابوہریرہ نے اسکو سنا تو انھوں نے کہا خدا کی قسم بڑا ظلم ہے کہ حسنؓ
کو انکے باپ کے پاس دفن ہونے سے روکا جاتا ہے واللہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ہیں پھر وہ حضرت حسینؓ

کے پاس گئے اور اُنکو سمجھایا اور خدا کا واسطہ دلایا اور کہا کہ آپ کے بھائی نے نہ کہا تھا کہ اگر تمھیں (بنی امیہ کی مخالفت کا) خوف ہو تو مجھے مسلمانوں کے مقبرہ میں لیجانا حضرت حسینؑ نے مان لیا اور انھیں جنت البقیع میں اُٹھا لے گئے بنی امیہ میں سے کوئی شخص سوا سعید بن عاص کے اُنکے ساتھ نہ تھا سعید بن عاص مدینہ کے حاکم تھے حضرت حسین خود ان کے پاس گئے تھے تاکہ وہ نماز جنازہ پڑھاویں اور اُن سے فرمایا تھا کہ اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں ہرگز تمھارے پاس نہ آتا بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اُن کے جنازہ میں خالد بن ولید بن عقبہ بن ابی معیط بھی شریک تھے انھوں نے بنی امیہ سے اجازت مانگی تھی اور اُنھوں نے اُنکو اجازت دیدی تھی حضرت حسنؑ نے اپنے بھائی حضرت حسینؑ کو وصیت کی تھی اور اُن سے کہا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ نبوت اور خلافت دونوں کو خدا ہمارے گھر میں جمع نہ کرے گا لہذا اہل کوفہ تمھیں دھوکہ نہ دے کے تمھیں لڑائی پر آمادہ نہ کریں۔ فضل بن دکین کہتے تھے جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا مرض بڑھ گیا تو اُنھیں جزع کی حالت طاری تھی ایک شخص اُن کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ اے ابو محمد۔ یہ جزع کیسی جس وقت آپ کی روح آپ جسم سے جدا ہو گی اُس وقت آپ اپنے والدین علیؑ اور فاطمہؑ اور نانا نانی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خدیجہ اور اپنے چچا یعنی حمزہ اور جعفر اور اپنے ماموں یعنی قاسم اور طیب اور طاہر اور ابراہیم اور اپنی خالہ یعنی رقیہ اور ام کلثوم اور زینب کے پاس پہنچیں گے یہ سن کر اُن کی وہ حالت دور ہو گئی جب حضرت حسنؑ کی وفات ہوئی تو بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک اُنکے لیے نوحہ کیا اور ایک سال تک سوگ کا لباس پہنا۔ (صلا جلد ۲)

تنقید :- اس تحریر میں چند امر تنقید طلب ہیں۔

(۱) جناب امیرؑ نے خود آپ کا نام حرب رکھا تھا بعد اسکے رسولؐ نے تبدیل کر کے حسنؑ رکھا حالانکہ بہت سی روایات اہلسنت اس کے خلاف ہیں۔ خود تاریخ خمیس میں ہو جو مشہور کتب تواریخ اہلسنت سے ہے۔

جب امام حسن پیدا ہوئے تو رسول اللہ نے فرمایا اے اسماء ہمارے فرزند کو لاؤ اسماء نے جب حاضر کیا تو پوچھا ہمارے بیٹے کا کیا نام رکھا ہے جناب امیرؑ نے عرض کیا ہم اس بارے میں سبقت نہیں کر سکتے تھے آپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم بھی خدا پر سبقت نہیں کر سکتے۔ تب حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا کہ خدا العلی تحفہ درود و سلام فرماتا ہے کہ علیؑ تم سے بمنزلہ ہارونؑ کے موسیٰؑ سے ہیں مگر نبی نہیں ہیں۔ لہذا جو نام فرزندان ہارون کا تھا وہی نام رکھو۔ پوچھا کیا نام تھا کہا شبر حضرتؐ نے فرمایا ہماری زبان تو عربی ہے حضرت جبرئیل نے کہا تو پھر حسن نام رکھو حضرت نے یہی نام رکھا۔ سال بھر کے بعد جب جناب امام حسین پیدا ہوئے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہی تقریر ہوئی اور حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا نام حسینؑ رکھو۔ (تاریخ خمیس جلد اول صلا)

یہ روایت صرف تاریخ خمیس ہی میں نہیں ہے بلکہ ہدایت السعداء۔ شرف النبوۃ۔ وسیلۃ المتعبدین۔ ذخائر العقبیٰ ریاض النضرہ۔ کتاب الاکتفاء فی فضائل الخلفاء میں موجود ہے جنکی کل عبارتیں کتاب مستطاب عبقات الانوار حدیث منزلت میں منقول ہیں ملاحظہ ہو ۲۳۳ لغایتہ ۲۴۳۔

اس سے نہ صرف اس مضمون کا ابطال ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ نے پہلے حرب نام رکھا تھا بعدہ رسول اللہؐ نے حسنؑ حسینؑ رکھا بلکہ اسکا بھی کہ حضرت محسنؑ پیدا ہو چکے تھے اور اُن کا نام رسول اللہؐ نے محسن رکھا کیونکہ یہ نام قبل از ولادت رکھا گیا تھا۔

افسوس کہ توہین شان خاندان رسالت میں کسی دقت کوتاہی نہیں کی گئی اس لیئے یہ روایت تصنیف ہوئی کہ جناب امیرؑ نے بعد ولادت حرب نام رکھا حالانکہ ہم شرفائے روزمرہ میں دیکھتے ہیں کہ جہاں اس قسم کے تعلقات ہوتے ہیں وہاں بزرگوں کی موجودگی میں کبھی اس کا اقدام نہیں کیا جاتا کہ بزرگوں کے رہتے ہوئے کوئی نام رکھے چہ جائیکہ اس خاندان میں جو بات ہو بوجہ خاندان رسالت اور مہبط وحی ہو جب جناب سیدہؑ کا عقد بلا حکم خداوند عالم نہ کیا جائے وہاں نام بغیر حکم خدا کیونکر رکھا جا سکتا ہے۔

محقق دہلوی شیخ عبدالحق اسماء الرجال مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

وروی ان جبرئیل جاء باسمھما فی قطعۃ حریر من عند اللہ ھدیۃ الی رسول اللہؐ

(صفحہ ۱۹ ورق قلمی)

حضرت جبرئیلؑ ایک قطعہ حریر پر دونوں نام لکھے ہوے لائے بطور تحفہ خدا کی طرف سے۔

پھر کیونکر عقل باور کر سکتی ہے کہ قبل از نزول وحی جناب امیرؑ نے یہ نام رکھ دیا ہو جبکہ بغیر حکم رسولؐ آپ کوئی کام نہ کرتے ہوں۔ غرض جہاں وہ حصہ روایت غلط ہے کہ جناب امیرؑ نے حرب نام رکھا تھا وہاں یہ حصہ بھی پورے طور سے موضوع ہے کہ تیسرا لڑکا محسن نامی حضرت کے زمانہ میں پیدا ہوا کیونکہ بجز اس روایت کے کوئی ذکر اُسکا نہیں پایا جاتا کہ وہ کب پیدا ہوئے ہاں معارف ابن قتیبہ میں ہے۔ ھلک وھو صغیر (ص۸۱)

مگر یہ سب پردہ داری ہے اصلی کہ اُنکی شہادت عمر بن الخطاب کے ظلم و ستم سے ہوئی جس کا قصہ تمام عالم میں مشہور ہے یہاں تک کہ ابراہیم بن سیار نظام جو مذہب نظامیہ کا امام ہے وہ بھی اس پر مجبور ہوا کہ امر حق کو قبول کرے چنانچہ ملل ونحل شہرستانی میں ہے۔ (ص۲۵ مطبوعہ)

ان عمر ضرب بطن فاطمۃؑ یوم البیعۃ حتی القت المحسن من بطنھا وکان یصیح احرقوھا بمن فیھا وما کان فی الدار غیر علی وفاطمۃ والحسن والحسین

کہ عمر نے شکم جناب سیدہؑ پر مارا جس سے حضرت محسنؑ کا اسقاط ہوا وہ کہتا تھا کہ اس گھر کو جلا دو حالانکہ اُس مکان میں بجز جناب سیدہؑ اور جناب امیرؑ و حسنینؑ کوئی نہ تھا۔

چونکہ اس بحث کی کافی تحقیقات رسالہ "النار الموقدہ" میں ہو چکی ہے لہٰذا زیادہ ثبوت کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرات اہلسنت نے اس ظلم صریح کے اخفا میں بہت کوشش کی ہے۔

ہاں بعض اشخاص نے یہ استبعاد کیا ہے کہ قبل از ولادت کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی اور اس کا نام کیونکر رکھا جا سکتا ہے لہٰذا اس کا دفعیہ اس عبارت سے کر لیجئے کہ محب الدین طبری ریاض النضرہ

میں بسلسلہ ذکر فراست و کرامات ابی بکر لکھتے ہیں:۔

وانہ وقع فی نفسی انہا جاریۃ فولدت ام کلثوم (جلد ا صفحہ ۱۲۹)

یعنی ابوبکر نے عائشہ سے کہا ہم چار وارث چھوڑے جاتے ہیں دو بیٹا تین بیٹی تو عائشہ نے کہا تیسری بیٹی کون ہے ذکیا بنت خارجہ (زوجۂ ابوبکر کا نام) حاملہ ہے اور ہمارا گمان ہے کہ وہ لڑکی ہو جس کے بعد ام کلثوم پیدا ہوئی۔

یہ وہی ام کلثوم ہے جس سے عمر نے عقد کرنا چاہا اور اُس نے انکار کیا اور یہ سب واقعات حضرت ام کلثوم بنت جناب امیرؑ کی طرف منسوب ہوئے۔

تو کیا اسکو باور کر سکتے ہیں کہ ابوبکر تو بتا جائیں ہمارے لڑکی پیدا ہوگی اور جناب رسول اللہ کو اسکا علم نہ ہو کہ جناب سیدہ کے ایک اور بیٹا ہونے والا ہے حالانکہ ان احادیث میں اسکی تصریح موجود ہے کہ میں ہی نام رکھتا ہوں جو ہارون پیغمبر کے بیٹوں کے نام تھے یعنی "شبر اور شبیر اور مشبر" جس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ وہ حضرؐ کے عہد میں پیدا بھی ہو چکے تھے۔

(۲) اس واقعہ کو سب نے لکھا ہے کہ حضرت نے صدقہ کا خرما جناب امام حسنؑ کے منہ سے نکال لیا جسکے نسبت ابن حجر لکھتے ہیں۔

وھذہ القصۃ اخرجہا اصحاب الصحیح من حدیث ابی ھریرۃ (صفحہ ۷ جلد ۲)

اس حدیث کو کل اصحاب صحیح نے لکھا ہے بروایت ابوہریرہ مگر وہ اشخاص بہت کم ہیں جنھوں نے اس پر غور کیا ہو کیونکہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جو زمانہ آپ کے رضاعت کا تھا اس پر رسول کا فرمانا کخ کخ اما تعلم ان الصدقۃ حرام علینا ہاں ہاں تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔

حسب تحریر قاضی نور اللہ شوستری اعلی اللہ مقامہ احقاق الحق میں معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجر عسقلانی نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ جناب امام حسنؑ اور دوسرے لڑکے برابر نہیں ہو سکتے لان الحسن فی ذالک الحال کان یطالع اللوح المحفوظ (صفحہ ۲۲۷ احقاق الحق)۔

کہ جناب امام حسنؑ اس وقت لوح محفوظ کا مطالعہ فرماتے تھے مگر افسوس نسخہ حاضرہ میں یہ عبارات نہیں ملتی نہ معلوم کب نکال دی گئی مگر ہمکو اس سے بحث نہیں کیونکہ حضرت نے اس حدیث سے اسکو ظاہر کیا کہ رسول کا اہلبیتؑ کون ہے کیونکہ صحیح مسلم میں باب اسکے لئے قائم کیا گیا ہے۔ باب لا تحل الصدقۃ لرسول اللہ واھلبیتہ (صفحہ ۳۲۳ سراج وہاج شرح صحیح مسلم)

جس سے معلوم ہوا کہ اہلبیتؑ حقیقتاً یہی حضرات ہیں کہ ازواج جن کے لئے صدقہ عام طور سے مباح تھا چنانچہ اسی صحیح مسلم میں ہے انی لانقلب الی اھلی فاجد التمرۃ ساقطۃ علی فراشی ثم ارفعہا لاکلہا ثم اخشی ان تکون صدقۃ فالقیہا۔ (۳۴۴ شرح صحیح مسلم نووی)

کہ ہم اکثر اپنے ازواج کے پاس جاتے ہیں ہمارے فرش پر خرما گرا پڑا ہوتا ہے جسکو اٹھاتے ہیں کہ کھا جائیں پھر خیال ہوتا ہے کہ شاید صدقہ ہو لہذا پھینک دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ازواج رسول داخل اہل بیتؑ نہیں ہیں ورنہ ان پر بھی صدقہ حرام ہوتا۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے۔ فنظر الیہ فاذا ھو یلوک تمرۃ فحرک خدہ وقال الق یا بنی ۲ الق یا بنی۔ (صفحہ ۳۹ جلد ۴)

یعنی حضرت نے جو دیکھا کہ امام حسنؑ خرما کو کھائے جاتے ہیں تو آپ نے حضرت کے رخسار کو پکڑ کر حرکت دیا اور کہا اسے فرزند پھینک دے اسے نکال دے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو کس درجہ اس میں اہتمام تھا۔ پھر حیف ہے کہ اہلسنت نے اس سے بھی کوئی نتیجہ نکالا کہ اگر ازواج بھی داخل اہلبیتؑ ہوتیں، تو حضرت کبھی انکی اجازت نہ دیتے کہ وہ صدقہ کھائیں۔

(۲) سیدا شباب اھل الجنۃ

یہ حدیث تمام مسلمانوں کے نزدیک ثابت و مسلم ہے کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اصابہ میں بھی ہے۔

ومن حدیث حذیفۃ رفعہ الحسنؑ والحسینؑ سیدا شباب اھل الجنۃ ولہ طرق ایضا۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲)

حذیفہ کی حدیث مرفوع میں ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا: حسنؑ و حسینؑ سردار ہیں جوانان اہل جنت کے۔ یہ حدیث اور بھی طریقوں سے مروی ہے۔

اپنی شہرت اور کثرت طرق کے لحاظ سے یہ حدیث تواتر کے درجہ تک پہونچی ہوئی ہے جس کی بنا پر کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں مگر بعض متعصب طبیعتیں آج کل اس سے انکار کرنے لگی ہیں مولوی عبدالشکور صاحب مترجم اسد الغابہ اس حدیث سے انکار کی تو جرأت نہ کر سکے مگر حاشیہ کے ذریعہ اپنے دل کا غبار نکالنے سے باز نہ رہے چنانچہ اس حدیث پر حاشیہ درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جوانان جنت کے سردار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو نیک اور صالح آدمی بحالت جوانی دنیا سے گئے ان سب کے یہ سردار ہونگے۔ ورنہ جنت میں تو جتنے لوگ ہیں سب جوان ہوں گے بوڑھا کوئی بھی نہ ہوگا۔"

مگر افسوس آپ علامہ ابن اثیر کی شروع کی عبارت کا ترجمہ کرتے وقت یہ حاشیہ چڑھانا بھول گئے شروع میں خود آپ ہی کے ترجمہ کی لفظیں ہیں۔

"والدہ ان کی فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں اور یہ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی) کی بہار ہیں۔"

اس عبارت میں جناب سیدہ کو تمام عورتوں کا سردار حسنینؑ کو تمام جوانان اہل جنت کا سردار تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر آپ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ جنت میں سب ہی جوان ہوں گے تو پھر اس قید کی کیا ضرورت پڑی کہ جو

لوگ جوانی میں مرینگے اُن کے سردار ہوں گے؟

اگر آپ صحیح ترمذی مطبوعہ نول کشور کا حاشیہ دیکھ لیتے تو یہ حاشیہ لکھنے کی آپ کو نوبت نہ آتی۔

قیل یعنی افضل من شابا فی سبیل اللہ من اصحاب الجنۃ کذا نقل الطیبی وفیہ نظر لانہ لاوجہ لتخصیص فضلھما علیٰ من مات شابا بل ھما افضل من کثیر من مات شیخا فالاولیٰ ماقیل ان المراد سید اھل الجنۃ لان اھل الجنۃ کلھم شباب لکن یخص بماسوی الانبیاء و الخلفاء الراشدین

(صحیح ترمذی مطبوعہ نول کشور صفحہ ۲۶۹)

طیبی نے یہ معنی لکھے ہیں کہ جو لوگ بحالت جوانی مرے حسن و حسین اُن سے افضل ہیں مگر اس میں نظر ہے کیونکہ اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ دونوں بہت سے ایسے لوگوں سے افضل ہیں جو بوڑھے ہو کر مرے لہذا یہی کہنا ٹھیک ہے کہ یہ دونوں تمام اہل جنت کے سردار ہیں اس لئے کہ جنت والے سب جوان ہوں گے ہاں انبیاء اور خلفاء راشدین سے افضل نہیں ہیں۔

صحیح ترمذی کے اس حاشیہ سے اڈیٹر النجم کے اس نظریہ کی تو قطعی تردید ہو گئی کہ حسنین علیہم السلام جنت میں انھیں لوگوں کے سردار ہوں گے جو بحالت جوانی مرے۔ رہ گئی یہ بات کہ حسنین علیہم السلام انبیاء و خلفائے راشدین سے افضل نہیں یہ ایجاد بندہ ہے محشی نے اپنے اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں پیش کی حدیث کے الفاظ بالکل صاف ہیں اور حضرت یحییٰ و عیسیٰ کا استثنا بتا رہا ہے کہ حکم عام ہے اور تمام اہل جنت کو شامل ہے اگر خلفائے ثلاثہ اہل جنت ہیں تو یقیناً حسنینؑ ان لوگوں سے بھی افضل ہیں۔

کاش اڈیٹر صاحب النجم اپنی نقل کردہ حدیث ہی پر غور کرتے جس میں مذکور ہے کہ حسنؑ و حسینؑ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں سوا دو خالہ زاد بھائیوں یعنی عیسیٰ اور یحییٰ بن زکریا کے"

یہ حدیث بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ کو چھوڑ کر حسنین علیہم السلام تمام جوانان جنت کے سردار ہیں خواہ وہ انبیاء ہوں یا غیر انبیاء کیونکہ اس حدیث میں پیغمبر خدا نے صرف انھیں دونوں بزرگواروں کو مستثنیٰ فرمایا ہے پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ یہ سرداری انھیں لوگوں سے متعلق ہے جو حالت جوانی میں مرے۔

یہاں اڈیٹر صاحب النجم نے یہ حاشیہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

"یعنی حضرت حسنینؑ کو ان دونوں (حضرت عیسیٰ و یحییٰ) پر فضیلت نہیں ہے یہی عقیدہ اہلسنت ہے کہ نبی پر غیر نبی کو فضیلت نہیں ہو سکتی" (صفحہ ۱۱)

یہ کہنا بھی خلاف واقعہ اور الفاظ حدیث کے مغائر ہے کیونکہ رسول اللہ تو کل انبیاء پر حسنینؑ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں حضرت عیسیٰ و یحییٰ کو چھوڑ کر اور آپ کل انبیاء کو مستثنیٰ کرتے ہیں یا تو آپ سچے ہیں یا رسول اللہ۔

اڈیٹر صاحب النجم نے ایک حاشیہ اور تحریر فرمایا ہے۔

"اہل کساء سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر آیت تطہیر کے نازل ہونے کے بعد ایک چادر اڑھائی تھی اور ان کے لئے

یہ دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ ان کو میرے اہلبیت میں داخل فرمائے۔

اس افترا و بہتان اور غلط بیانی کا کیا جواب یا یطلبے پیغمبر کی زیانیہ ما بہاللہم ہولاء اہلبیتی خداوندا یہی ہیں میرے اہلبیت جس کا صریحی مطلب ہو کہ ان لوگوں کے سوا اور کوئی اہلبیت میں داخل نہیں مگر آپ رسول خدا پر افترا کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا یا اللہ ان کو بھی میرے اہلبیت میں داخل فرمائے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس افترا پردازی سے اڈیٹر صاحب النجم ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ خلافت نہیں جس پر آپ نے قبضہ کر لیا یہ تو عطیہ خداوندی ہے جسے ہتھیانا کسی کے بس کی بات نہیں۔

(۳) پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا جو شخص اُن سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ۔ اس پر اڈیٹر صاحب النجم حاشیہ لکھتے ہیں:-

"ان سے محبت رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف زبان سے محبت کا دعوٰی کرے جیسے مشرکین قریش بُتوں سے محبت کا دعوٰی کرتے تھے بلکہ محبت قابل اعتبار وہی ہے کہ اپنے محبوب کی پیروی بھی کریں" (صـ۱۵)

کاش اڈیٹر صاحب النجم یہ بھی بتا دیتے کہ محبت کا معیار کیا ہے کیونکر پیروی کیجائے۔ ان کی پیروی تو جب ہی ممکن ہے جب اُن کو مطابق حکم رسول امام بھی مانیں اسی لیئے خداوند عالم نے فرمایا ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر خدا کو دوست رکھتے ہو تو ہماری متابعت کرو۔ اب بتائیے کہ اگر رسول کو رسول نہ مانئے تو کیا اُن سے محبت ہو سکتی ہے؟ اور آپ نے تو اچھی طرح ثابت کر دیا کہ آپ کو کسی طرح محبت نہیں کیونکہ جتنی حدیثیں رسول کی ابھی تک آپ نے لکھیں سب میں تاویل کر دی اور رسول پر افترا کر کے اُن کے معانی بدل دیئے رسول تو فرمائیں وہ جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں اور آپ فرمائیں مراد وہ لوگ ہیں جو جوانی میں مریں رسول اللہ فرمائیں اللھم ھولاء اھلبیتی خداوندا یہی ہیں میرے اہلبیت اور آپ فرمائیں اُن کے لئے دعا فرمائی تھی کہ یا اللہ ان کو میرے اہلبیت میں داخل کرلے۔ پھر کیونکر آپ دعوائے محبت کر سکتے ہیں۔

(۴) آپ لوگ اس حدیث سے اسلام معاویہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا مسلمانوں کے دو بڑے گروہ میں صلح کرادے گا مگر نہ معلوم آپ اُس حدیث کو کیوں بھول جاتے ہیں جو حضرت نے عمار کے بارے میں فرمایا تقتلہ الفئۃ الباغیۃ جس میں حضرت نے بتصریح تمام گروہ معاویہ کو فئتہ باغیہ کا خطاب دیا ہے حالانکہ تمام عالم کو معلوم ہے منافق بھی مسلمان ہی کہلاتے تھے پھر اس جملہ سے آپ وہ اسلام کہاں ثابت کر سکتے ہیں جو متنازع فیہ ہو ورنہ اس کا تو کوئی بھی مدعی نہیں ہے کہ معاویہ وغیرہ ایسے کافر تھے جیسا کہ ابوجہل وغیرہ کافر تھے۔

(۵) انما اموالکم واولادکم فتنۃ اس پر اڈیٹر صاحب حاشیہ دیتے ہیں:-

"اس سے شبہ نہ ہو کہ آں حضرت پر محبت اولاد وغیرہ غالب تھی ہرگز نہیں حضرت کو جس سے بھی محبت تھی وہ محض اللہ کے لیئے" (صـ۱۵)

مگر افسوس آپ حضرات کا عملدرآمد اسکے بالکل خلاف ہے کیونکہ ہر شخص دیکھ رہا ہے جہاں کوئی حدیث آپکو ان حضرات کے بارے میں ملتی ہے اس میں ایسی تاویل بلکہ تحریف کرتے ہیں کہ خواہی نخواہی اُسکے

معنی بدل جائیں۔

جس حدیث کو آپ نے لکھا ہے اور اُس پر آپ کو حاشیہ دینے کی ضرورت پڑی ایسی حدیث ہے کہ خود امام ترمذی نے جو اسکے بیان کرنے والے ہیں اس پر جرح کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

هذا الحديث حسن غريب انما نعرفه من حديث الحسين بن واقد۔ (صفحہ)

یہ حدیث حسن غریب ہے جس کو ہم صرف حسین بن واقد کے طریق سے جانتے ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ خود ترمذی نے پہلے ہی قدح کی مگر شکر خدا کہ آپ نے اُس کو صحیح مانا اور وہ حاشیہ چڑھایا جس میں کوئی عذر نہیں کیونکہ حضرتؐ کی محبت محض بحکم خدا تھی نہ ازراہ ہوا و ہوس۔

(۶) اس روایت میں ہے کہ حضرت رسول جناب امام حسنؑ کو اپنے شانے پر سوار کیے ہوئے تھے کسی نے کہا مگر انہوں اُس قائل کا نام نہ لکھا کہ وہ کون صاحب تھے جن کے مقولے کے رد میں حضرت نے فرمایا وہ سوار بھی تو اچھا ہے اگر مؤلف زیادہ تفحص سے کام لیتا تو پتہ چل جاتا کہ وہ کون شخص تھا جس کو اتنی عظمت بھی جناب امام حسنؑ کی گوارا نہ ہوئی تھا مناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ میں ہے۔ (صفحہ جلد ۲)

حضرت عمر کے غلام اسلم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر نے کہا کہ:-

جب رسولؐ نے حسنینؑ کو اپنے دوش پر سوار کیا ہم نے کہا کتنی اچھی سواری ہے تو حضرت نے فرمایا وہ دونوں سوار بھی تو اچھے ہیں۔

ابن حماد کی روایت ہے کہ حضرت رسول خدا نے حسنین کو آتے دیکھ کر ہاتھ پھیلا دیے اور فرمایا کیا خوب تمہارا اونٹ ہے خرگوشی کی روایت ہے کہ حضرات کے آنے میں دیر ہوئی تو حضرت نے آگے بڑھ کر اپنے پشت پر سوار کیا اور فرمایا کیا اچھی سواری تمہاری ہے اور کیسے اچھے سوار تم دونوں ہو اور باپ تم دونوں کے بہتر ہیں تم دونوں سے ابن مسعود کی روایت ہے کہ حضرت نے دونوں کو سوار کر کے فرمایا کیا اچھی سواری تمہاری ہے اور کتنے اچھے سوار تم دونوں ہو اور باپ تمہارا بہتر ہے تم سے۔ سید حمیری نے اس واقعہ کو نظم بھی کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا تم دونوں اچھے سوار ہو۔

ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ مؤلف اسد الغابہ نے اصل قائل کا نام چھپا دیا تھا تاکہ نہ معلوم ہو وہ جگر سوختہ کون تھا جس کو ناگوار گذرا کہ رسولؐ نے اپنے فرزندوں کو اپنے پشت پر سوار کیا اور حضرت نے فوراً اُسکا جواب دیا کہ صرف مرکب ہی ان دونوں کا نہیں بہتر ہے بلکہ سواری بھی بے مثل ہے۔

اس سوال و جواب سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ پر انکی قلبی حالت کیسی واضح تھی کہ اُنکے اشارے کو سمجھ گئے کہ یہ ہماری تعریف خلوص دل سے نہیں ہے بلکہ خاص غرض ہے جس سے ایک طرح کا اشارہ تھا حسنینؑ کے اس قابل حسد رتبہ و منزلت کی طرف۔

(۷) حضرت ام سلمہ کے گھر میں جب یہ آیت نازل ہوئی:-

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

اس پر اڈیٹر صاحب حاشیہ دیتے ہیں "یہ آیہ تطہیر کے نام سے مشہور ہے۔
ترجمہ۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اہلبیت محمد تم سے ناپاکی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک کر دے۔ اس آیہ کی تفسیر میں اہلسنت کا اتفاق ہے کہ اہلبیت سے مراد ازواج نبی ہیں۔ لغت عرب بلکہ تمام دنیا کے لغت میں اہلبیت اور اہل خانہ اور گھر کے لوگ بی بی ہی کو کہتے ہیں اور سیاق آیت بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس سے پہلے کی آیتوں میں تمام تر خطاب ازواج سے ہے مگر احادیث سے معلوم ہوا کہ آں حضرت نے ازواج کے علاوہ حضرات حسنین اور حضرت علی مرتضٰی اور حضرت فاطمہ زہرا کو بھی اہلبیت میں داخل فرمایا یا داخل کرنے کی دعا کی۔ ازواج کا اس آیہ میں اضافۃً اور حقیقۃً داخل ہونا اس جواب سے بھی سمجھا جاتا ہے جو حضرت ام سلمیٰ کی درخواست پر جناب رسالت مآب صلعم نے دیا تھا جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ (صفحہ ۱۲)

اس تحریر سے آپ کا عقیدہ معلوم ہوا کہ کس درجہ عداوت اہلبیت آپ کے تحریر میں داخل ہے کہ لکھتے ہیں "اس آیہ کی تفسیر میں اہلسنت کا اتفاق ہے" حالانکہ جتنے علماء اہلسنت کہ جن میں تعصب نہیں ہے وہ سب اس آیہ کو بحق اہلبیت طاہرین خمسہ نجبا تسلیم کرتے ہیں یہاں تک کہ جن علماء نے احادیث مناقب اہلبیت اور مناقب ازواج کو لکھا ہے سب نے مناقب اہلبیت میں اس آیت کو لکھا ہے نہ مناقب ازواج میں چنانچہ قول محسن میں ہے۔

وقال الدهلوی فی شرح المشکوٰة لم يذكر الازواج المطهرة وعقد لهن بابا على حدة اما لاستبعادهن بمناقب مخصوصة او لعدم دخولهن في اهل البيت على ما تعورف من اطلاقه على الاربعة (ص ۲۴)

یعنی شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ مصنف نے اس باب مناقب اہلبیت میں ازواج مطہرات کو نہیں داخل کیا اور ایک باب انکے لیے علیحدہ لکھا ہے اس وجہ سے کہ انکے فضائل مخصوص علیحدہ ہیں یا اس وجہ سے کہ ازواج داخل اہلبیت نہیں ہیں جیسا کہ مشہور ہے کہ مراد اس سے چار ہی آدمی ہیں جناب امیر جناب سیدہ حسنین۔
پھر نہ معلوم اڈیٹر صاحب نے کہاں سے یہ دعویٰ کیا کہ اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے حالانکہ ابن ابی حاتم طبرانی ابن ابی عاصم۔ ابوالشیخ۔ حاکم۔ مردویہ۔ بغوی نے مصابیح میں آیت تطہیر کو مناقب اہل بیت میں داخل کیا ہے نہ کہ مناقب ازواج میں۔

ہاں صرف عکرمہ اور عروہ بن الزبیر نے البتہ ازواج نبی کو اہلبیت تطہیر میں داخل کیا ہے جس پر اہلسنت کا اتفاق ہے کہ وہ خارجی اور کذاب تھا پس اگر یہی مذہب اہلسنت ہے تو مجبوری ہے۔

وقال ابو حيان في البحر وقول عكرمة ومقاتل وابو السائب ان اهل البيت في هذه الاية مختص بزوجاته ليس بجيد اذ لو كان كما قالوا لكان التركيب عنكن و يطهركن وان كان هذا القول مرويا عن ابن عباس فلعله لا يصح عنه [illegible]

یعنی امام ابو حیان اپنی تفسیر بحر محیط میں لکھتے ہیں کہ عکرمہ مقاتل اور ابن ابی السائب کا جو قول ہے کہ [illegible]

جب ہوتا کہ کلام مجید جس ترتیب سے نازل ہوا اُسی ترتیب سے مدوّن بھی ہوا حالانکہ نہ یہی صحیح ہے کہ جس ترتیب سے نازل ہوا اُسی ترتیب سے اُس کی تدوین ہوئی نہ یہی حقیقت ہے کہ جتنی آیتیں نازل ہوئیں وہ سب ایک ایک کر کے قلمبند کر لی گئیں صرف ایک اسی سورۂ احزاب سے جس کی آیت تطہیر ایک آیت ہے بقول علامہ سیوطی ایک سو ستائیس آیتیں درج ہونے سے رہ گئیں (در منثور) اور نہ جانے کتنی آیتیں آگے پیچھے کر دی گئیں مدنی آیتیں پہلے درج ہو گئیں اور مکی آیتیں پیچھے ڈال دی گئیں جب یہ صورت حال ہے تو سیاق سے دعویٰ کرنا خوش فہمی نہیں تو اور کیا ہے؟ کاش وہ اسی پر غور کرتے کہ جن ازواج کی اتنی سرزنش قرآن میں عموماً اور سورۂ احزاب و سورۂ تحریم میں خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے وہ کیونکر ان آیات تطہیر کی مصداق ہو سکتی ہیں۔

یہ بھی صریحی افترا ہے کہ حضرت نے خمسہ نجبا کو بھی داخل اہلبیت فرمایا۔ اہل بیت میں داخل نہیں فرمایا بلکہ حصر فرمایا کہ اہلبیتؑ میں تو بس یہی ہیں۔ ایک دو نہیں بہت سی حدیثوں کے الفاظ ہیں اللھم ھؤلاء اھلبیتی خداوندا بس یہی ہیں میرے اہل بیت جب پیغمبرؐ نے انھیں پنجتن پاک میں حصر فرمایا تو پھر ازواج کیونکر داخل ہو سکتی ہیں۔

(۸) زید بن ارقم کی روایت جس میں اُنھوں نے بیان کیا ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں الخ اس روایت پر اڈیٹر صاحب النجم حاشیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"قرآن کے ساتھ تمسک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس پر عمل کیا جائے، اور اہل بیتؑ کے ساتھ تمسک کا مطلب ہے کہ اُن سے محبت رکھے۔"

مگر یہ مطلب بھی خاصی تحریف ہے کیونکہ پیغمبرؐ خدا کا حکم تو دونوں کے ساتھ تمسک کا یکساں ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ تو تمسک کے معنی اطاعت ہوں اور دوسری جگہ محبت ہو ذرا الفاظ حدیث پر غور فرمائیے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و اھلبیتی عترتی ہم دو بزرگ چیزیں چھوڑے جاتے ہیں ایک کتاب خداوندی دوسرے میرے اہل بیت جب تک تم اُن سے متمسک رہو گے گمراہ نہ ہو گے دوسری روایت کی لفظیں ہیں من استمسک واخذ بہ کان علی الھدیٰ کہ جو اس سے تمسک کرے اور لے اسکو تو وہ ہدایت پر ہوگا کیا اخذ بہ جو اسکو لے محبت کے معنی میں استعمال ہو سکتا ہے؟

مولوی صدیق حسن خاں صاحب اسکی شرح میں لکھتے ہیں ویقتدی بھم فیما یوافق الکتاب والسنۃ کہ اُن کی اقتدا کرے اُن چیزوں میں جو کتاب و سنت کے موافق ہوں پھر آپ نے صرف محبت کے معنی کہاں سے پیدا کر لیے۔

دوسرا حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"الحمد للہ کہ تمام فرق اسلام میں جس اعتدال اور خوش اسلوبی کا معاملہ قرآن و اہل بیت کے ساتھ اہل سنت نے کیا کسی کو نصیب نہیں ہوا۔"

خدا نہ کرے کسی شخص کو یہ مخالفت قرآن واہلبیتؑ نصیب ہو جو اہلسنت کو نصیب ہوئی۔ قرآن میں تو سیکڑوں قسم کی تحریف کے قائل ہیں کہ رسول اللہ پورا قرآن بھول گئے، صدہا ہزارہا آیتوں کو بھول گئے جو قرآن جز ہے کسی طرح عمل کے قابل نہیں، غرضکہ ایک دو نہیں سیکڑوں مخالفتیں قرآن کی گئیں اہل بیتؑ کے ساتھ جو سلوک اور برتاؤ وفات پیغمبرؐ کیا گیا وہ دنیا جانتی ہے کہ بضعۃ الرسول کے گھر میں آگ لگائی گئی جناب امیرؑ کو اس طرح بیعت پر مجبور کیا گیا کہ گلے میں ریسمان باندھ کر دربار خلافت میں لیجایا گیا امام حسنؑ کو زہر دلوایا گیا جنازہ پر تیر چلائے گئے امام حسینؑ کو تین دن کا بھوکا پیاسا اُن کے اعزہ و رفقا کے ساتھ انتہائی بے دردی سے شہید کیا گیا اہلبیتؑ کے ساتھ یہ ساری بدسلوکیاں غیروں نے نہیں کیں بلکہ مسلمانوں نے کیں اور ایسے مسلمانوں نے جنھیں اہلسنت اپنا مقتدی اور امام مانتے ہیں اس سے بڑھ کر کون سلوک ہو سکتا ہے؟

(۹) جناب امام حسنؑ کی بردباری اور پرہیز گاری نے اگر آپ کو ترک سلطنت پر آمادہ کیا تو آپ، حضرات شیخین کے متعلق کیا کہیں گے جنھوں نے خدا و رسول کے صریحی ارشادات کی مخالفت کر کے خلافت پر جبریہ قبضہ پانے کی کوشش کی جنازہ رسولؐ کو بے غسل و کفن تین دن پڑا رہنے دیا ہزاروں مسلمانوں بلکہ صحابہ کا خون اسی وجہ سے کیا بلکہ انھیں زندہ آگ میں جلوا دیا کہ وہ بیعت سے دستکش رہے اور خلیفہ اول کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے۔

جناب امیرؑ کا خلافت کو قبول کرنا اور امام حسنؑ کا بدرجۂ مجبوری ترک کرنا یہ سب پرہیز گاری کی بنا پر تھا۔ ان حضرات سے خلاف تقویٰ کوئی فعل بھی سرزد نہیں ہوا ہاں غاصبین خلافت بہر صورت سزاوار عذاب الٰہی ہیں خواہ جناب امام حسنؑ کو مجبور کریں یا جناب امیرؑ کو محروم۔

(۱۰) اڈیٹر صاحب النجم تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت عثمان کی مدد میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے۔

مگر افسوس اس پر بھی وہ حضرت اور جناب امیر متہم کئے گئے کہ قتل عثمان میں شریک تھے

مگر یہ مطلب بھی خاصی تحریف ہے کیونکہ حضرت کا حکم تو دونوں کے ساتھ تمسک کا یکساں ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک جگہ تو تمسک کے معنی اطاعت ہوں اور دوسری جگہ محبت، ذرا الفاظ حدیث پر غور فرمائیے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ واہلبیتی عترتی کہ ہم دو چیز بزرگ چھوڑے جاتے ہیں کتاب اللہ اور اہلبیتؑ کہ جب تک ان سے تمسک کروگے گمراہ نہ ہوگے۔ وفی روایۃ اخری من استمسک بہ واخذ بہ کان علی الھدیٰ کہ جو اس سے تمسک کرے اور لے اس کو تو وہ ہدایت پر ہوگا کیا اخذ بہ جو اسکو پکڑے محبت کے معنی میں استعمال ہو سکتا ہے۔

مولوی صدیق حسن خاں اسکے شرح میں لکھتے ہیں ویقتدی بھم فیما یوافق الکتاب والسنۃ کہ ان کی اقتدا کرے اُن چیزوں میں جو موافق کتاب و سنت ہو پھر آپ نے صرف محبت کہاں سے نکالا۔ دوسرا حاشیہ دیتے ہیں

الحمد للہ کہ تمام فرق اسلام میں جس اعتدال اور خوش اسلوبی کا معاملہ قرآن واہلبیت کے ساتھ اہلسنت نے کیا ہے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

بجواب اسکے گذارش ہے کہ خدا نہ کرے کسی شخص کو یہ مخالفت قرآن و اہلبیت نصیب ہو جو اہلبیت کرالصیب ہوئی قرآن میں تو صدہا قسم کے تحریف کے قائل ہیں کہ رسول اللہ پورا قرآن بھول گئے اور صدہا ہزارہا آیتوں کو بھول گئے جو قرآن موجود ہے کسی طرح قابل عمل نہیں صدہا آیتوں کا خیانت کیا اہلبیت کے ساتھ جو برتاؤ روز وفات رسولؐ سے ہوا وہ سب کو معلوم ہے بضعۃ الرسول کے گھر میں آگ لگائی گئی جناب امیرؑ کو بیعت پر کس طرح مجبور کیا۔

(۱۱) یہ سچ ہے کہ حضرت کے ہاتھ پر چالیس ہزار آدمیوں نے بیعت کی تھی مگر یہ بیعت ویسی ہی تھی جیسی رسالت مآبؐ کے ہاتھوں پر لوگوں نے بیعت کی تھی اور ہر بار نکث بیعت کیا ورنہ اگر یہ لوگ ثابت قدم اور راسخ العقیدہ ہوتے تو جناب امام حسنؑ ترک خلافت پر کیوں مجبور ہوتے دیکھیے یہی ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں لکھتے ہیں کہ حضرت نے اہل کوفہ سے فرمایا

الا وانا واللہ ما یثنینا عن اهل الشام شك ولا ندم فان اردتم للحرب رددناه عليه وحاكمناه الى الله عزوجل بظبا السيوف وان اردتم للحياة قبلنا واخذنا لكم الرضا فناداه الناس من كل جانب البقية البقية وامضى الصلح ولما عزم على تسليم الامر الى معاوية خطب الناس فقال ايها الناس انما نحن امراء كم وضيفا بكم ونحن اهل بيت نبيكم الذين اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا وبكى ذالك حتى ما بقى فى المجلس الا من بكى حتى سمع نشيجه۔ (صفحہ ۱۹۲ جلد ۳)

کہ قسم خدا کی ہم جو اہل شام سے لڑتے تھے تو اس میں نہ ہم کو ندامت ہوگی نہ کسی قسم کا شک اگر تم لوگ لڑنا چاہتے ہو تو ہم اس کے سوال صلح کو رد کریں اور اگر طالب زندگی ہو تو ہم قبول کر لیں ہر طرف سے آوازیں آنے لگی ہم زندگی چاہتے ہیں صلح کر لیجیے جب حضرت نے عزم بالجزم کر لیا تو خطبہ میں فرمایا ہم تمھارے امراء ہیں اور ہم تمھارے رسولؐ کے اہلبیت ہیں جن کو خدا نے پورے طور سے پاک کیا ہے (آیہ تطہیر)

پھر نہ معلوم کہاں سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت نے برضا و رغبت صلح کیا حالانکہ آپ نے کیسی مجبوری اپنی دکھائی ہے۔

یہ شرط بھی نہ معلوم کہاں سے ایجاد کی گئی ہے کہ حضرت نے فرمایا ہم تمھارے بعد خلیفہ بنائے جائیں گے۔ تاریخ کامل میں ہے۔

وكان الذى طلب الحسن من معاوية ان يعطيه ما فى بيت مال الكوفة ومبلغه خمسة الاف الف وخراج دارابجرد من فارس وان لا يشتم عليا فلم يجبه الى الكف عن شتم على فطلب ان لا يشتم وهو يسمع فاجابه

الیٰ ذالک ثم لم یف بہ ایضاً۔ (ص۱۹۲ جلد ۳)

یعنی جناب امام حسن نے معاویہ سے مطالبہ کیا کہ بیت المال کوفہ میں جو پانچ لاکھ ہو وہ دیدے اور خراج دارابجرد جو ملک فارس میں ہے وہ دیا کرے اور جناب امیر کو سب و شتم نہ کیا کرے معاویہ نے اس شرط کو نہ مانا کہ سب و شتم جناب امیر کو موقوف کریں تب امام حسن نے یہ کہا کہ اچھا وہاں پر شتم نہ کرو جہاں ہم موجود ہوں معاویہ نے اسکو قبول کیا مگر اسکو بھی نہ پورا کیا اور خراج دارابجرد کو بھی کچھ دنوں کے بعد اپنی تدبیروں سے رکوا دیا۔

پھر کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ جناب امام حسنؑ نے بخوشی و رضا یہ صلح کی جس میں یہ بھی نہ قبول کیا گیا کہ جناب امام حسنؑ کے پدر بزرگوار پر سب و شتم موقوف کر دیا جائے گا۔

ہاں مناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ ہمارے بعد آپ ہی خلیفہ ہوں گے مگر اس کا اندراج صلحنامہ میں معلوم نہیں ہوتا بلکہ اُس کے ساتھ دوسری روایت ہو کہ اگر ہم سمجھتے کہ آپ امور ممالک کے ضابط ہونگے تو آپ سے جنگ ہی نہ کرتے۔

پھر کیونکر یہ روایت قبول کیجا سکتی ہے کہ حضرت نے اسکو قبول کیا ہو ہاں اس وجہ سے کہ معاویہ نے جناب امام حسنؑ کو زہر دیکر شہید کرایا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید اسی شرط کی وجہ سے قتل کیا ہو مگر یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اس کا مقصود اصلی تو یہی تھا کہ حضرت زندہ نہ رہیں خواہ اس وجہ سے کہ شاید آپکی طرف کوئی رجوع کرے یا کسی وجہ سے ہو۔

(۱۲) یہ لکھنا انتہا درجہ کی تاریخی بددیانتی ہے کہ معاویہ نے یہ درخواست منظور کر لی کیونکہ صلح کی درخواست امام حسنؑ نے نہیں کی تھی بلکہ خود معاویہ نے کی تھی۔

(۱۳) افسوس آپنے اصلی خواب کو رسول اللہ کے نہ لکھا کیونکہ حضرت نے خواب دیکھا تھا کہ بنی امیہ مثل بندر کے منبر پر چڑھ رہے ہیں جس سے حضرت کو بیحد ملال ہوا مگر آپ لوگ انھیں بنی امیہؑ کے تسلط پر خوش ہو رہے ہیں عثمان و معاویہ و یزید کے حمایت میں سرگرم ہیں۔

(۱۴) اسکو بھی لکھتے ہیں کہ جناب امام حسنؑ نے خطبہ میں آیۂ تطہیر انما یرید اللہ کو اپنے بارے میں پڑھا جہاں صدہا صحابی بھی تھے مگر آپ پھر بھی قول رسولؐ کی تصدیق نہیں کرتے کہ یہ آیہ انھیں خمسہ نجبا کے بارہ میں نازل ہوا بلکہ بتقلید عکرمہ خارجی ازواج کے بارے میں مانتے ہیں جیسا کہ سابقاً اشارہ کیا گیا۔

(۱۵) اسکو بھی مانتے ہیں کہ عمرو عاص نے حضرت کے تذلیل کے لیے خطبہ دینے کا مشورہ دیا مگر عمرو عاص کو دشمن امام مانتے ہیں نہ معاویہ کو۔

(۱۶) جناب امام حسنؑ نے جو آیہ معاویہ کے بارہ میں پڑھی افسوس کہ اہلسنت نے عموماً اور اڈیٹر صاحب نے خصوصاً اس سے سبق نہ لیا بلکہ معاویہ کو خلیفہ برحق مانتے ہیں حالانکہ حضرت نے اس آیہ کے تلاوت سے بتا دیا تھا کہ یہ خلافت فتنہ ہے جیسا کہ عمرؓ نے خلافت ابوبکر کو فتنہ کہا مگر سب اُسی پر جھکے رہے۔

(۱۷) سبب وفات میں لکھا کہ آپ کی زوجہ بنت اشعث نے زہر دیا مگر افسوس حمایت معاویہ سے یہ نہ لکھا کہ کیوں اُس نے زہر دیا حالانکہ خود استیعاب میں ہے۔

وقالت طائفة كان ذالك منها بتدليس معاوية وما بذل لها في ذالك وكان لها ضرائر والله اعلم (ص ۳۸۵ جلد اول)

یعنی ایک جماعت کا قول ہے کہ زہر دینا بتعلیم معاویہ تھا اور اسکے لیے معاویہ نے بہت سا مال صرف کیا مگر ابن اثیر کی ایمانداری دیکھیے کہ اس کا ذکر تک نہ کیا حالانکہ خود کتب اہلسنت میں اسکی تصریح موجود ہے ملاحظہ ہو ذوالفقار حیدر جلد ۳ اور مناظرہ امجدیہ حصہ اول و دوم۔

(۱۸) دفن کے متعلق لکھا کہ عائشہ سے حضرت نے اجازت چاہی اور انہوں نے اجازت دی مگر دفن کے وقت مروان مانع ہوا حالانکہ یہ محض غلط ہے خود عائشہ سوار ہو کر خچر پر آئیں اور دفن امام حسنؑ کو روکا ملاحظہ ہو کشف الظلمات جلد ۳ ص ۲۳۹، سبط اکبر سوانح عمری امام حسن۔

(۱۹) ماتم کے بارہ میں لکھا ہے کہ بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینے تک اُن کے لیے نوحہ کیا اور ایک سال تک سوگ کا لباس پہنا اس میں دیکھنا یہ ہے کہ اہل حدیث کا اس بارے میں کیا فتویٰ ہوتا ہے کیونکہ رونے کا حکم تین روز تک ہے اور یہاں ایک مہینہ تک نوحہ کیا گیا۔ کیا یہ بھی بدعت ہے؟

ہم نے بنظر اختصار مولوی عبدالشکور صاحب کے اس ترجمہ کی چند سطروں پر تنقید کی۔ مولوی عبدالشکور صاحب نے سیرۃ صحابہ کی اور کتابوں کو چھوڑ کر اسد الغابہ کو محض اس وجہ سے ترجیح دی اور اسکو لائق ترجمہ سمجھا کہ یہ تمامتر اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ صحابہ کے حالات پر جہاں تک ہو سکے پردہ ڈالا جائے۔

۸۲۔ حصین بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بن قصی کا بیان ہے کہ آیۂ فمن کان یرجوا لقاء ربہ دربارہ جناب امیر و حمزہ و جعفر و عبیدہ و طفیل و حصین فرزندان حارث نازل ہوا۔
(ص ۲۳ اسد الغابہ جلد ۲)

۸۳۔ حصین بن یزید۔ ایک سو چونتیس برس کے عمر میں مرے مگر شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے۔
(ص ۲۷ اسد الغابہ)

۸۴۔ حصین بلا نسب راوی ہیں کہ حضرت نے فرمایا جو شخص دس آدمیوں پر حکومت کرے وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ زنجیروں میں کسا ہوا ہوگا۔ (ص ۲۳)

مگر افسوس خلفائے ثلاثہ نے اس کا مطلق نہ خیال کیا اور بلا وجہ و استحقاق خلیفہ بن گئے۔

۸۵۔ حضرمی حضرت نے بنی زنیہ سے کہا تم لوگ کون ہو کہا بنی زنیہ ہیں آپ نے فرمایا بنی رشدہ ہو ان لوگوں نے کہا ہم اپنے باپ کا نام نہ چھوڑیں گے۔ (ص ۲۹)

ایسے ہی صحابہ پر اہلسنت کو ناز ہے جو حضرت کے حکم سے نام بھی بدلنا نہ پسند کرتے تھے کیا اچھا ایمان ہو۔

اصابہ میں ہے کہ حضرمی نے سورہ عبس کی تعلیم حاصل کی تو اُس میں یہ اضافہ کیا والذی انعم الحبلی فاخرج منها نسمہ تسعی۔ (ص۲ جلد ۲)

اب تو کسی کو اس میں عذر نہ ہوگا کہ خود صحابہ تحریف کیا کرتے تھے اگر حضرت منع نہ فرماتے تو یہ آیہ بھی قرآن میں موجود ہوتا۔

۸۶۔ حطیہ شاعر۔ نے ایک آدمی کی ہجو کی عمر نے ایک حدیث بیان کر کے کہا اُسکی زبان کاٹ ڈالو جب اُس نے آکر عمر کے مدح میں دو شعر کہا تو قصور معاف کر دیا۔ (ص۱ اسد الغابہ)

۸۷۔ حکم بن حارث سلمی۔ کی روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا جو ایک دینار چھوڑ جائے اُسکو ایک داغ دیا جائے گا اور جو دو دینار چھوڑ جائے اُسکو دو داغ۔ (ص۱)

اب خلفائے ثلاثہ کے متروکات پر خیال کیجئے کہ وہ کس قدر مال چھوڑ گئے تھے۔

۸۸۔ حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس۔ حضرت عثمان کے چچا ہیں انھوں نے عہد کیا تھا کہ حضرت کو قتل کر ڈالیں مگر ایک آواز ہیبت ناک سُن کر ڈر گئے حضرت نے اس شخص کو دیکھ کر کہا اس شخص حکم کی نسل سے میری امت کی خرابی ہوگی۔ یہ حکم حضرت کے نکالے ہوئے تھے حضرت نے مدینہ سے طائف کیطرف نکال دیا تھا اس کا بیٹا مروان بھی نکل گیا تھا یہ شخص رسول اللہ کا راز سنا کرتا تھا حضرت نے چاہا چاقو سے اسکی آنکھ پھوڑ دیں یہ حضرت کے رفتار کی نقل کیا کرتا تھا جس پر حضرت نے بددعا کی اور اس کے بدن میں رعشہ پیدا ہو گیا عبد الرحمان نے جو حکم کو لعین کہا تو اس وجہ سے کہ حضرت عائشہ نے مروان بن حکم سے کہا میں شہادت دیتی ہوں کہ رسول اللہ نے تیرے باپ پر لعنت کی اور اس وقت تو اپنے باپ کے پشت میں تھا (پھر شیعہ جو نام لیکر دشمنان خدا و رسول پر لعنت کرتے ہیں تو اہلسنت کیوں بگڑتے ہیں حالانکہ خود حضرت پیغمبرؐ نے اور عبد الرحمان بن ثابت نے لعنت کی ہے۔ المختصر حکم کے لعنت اور اخراج میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن کے ذکر کرنے کی حاجت نہیں (اس سے بڑھ کر خلفائے واردات کیا ہو سکتا ہے) نبیؐ کے زندگی میں حکم مدینہ سے جلا وطن رہے عثمان نے ابوبکر سے سفارش کی کہ حکم کو مدینہ واپس بلا لیجئے ابوبکر نے کہا میں اس گرہ کو نہیں کھول سکتا جس کو رسول اللہ نے باندھا ہے ایسا ہی حضرت عمر نے بھی کیا پھر جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انھوں نے حکم کو واپس بلا لیا اور فرمایا میں نے رسول اللہ سے سفارش کی تھی اور حضرتؐ نے وعدہ کیا تھا۔ (ص۳۴ اسد الغابہ)

کیا اب بھی دروغ گوئی عثمان میں شبہہ ہو سکتا ہے کیا ابوبکر و عمر بھی انکو سچا نہ جانتے تھے جو ان کے بعد رضا مند کر کے حکم کو واپس بلاتے لہٰذا معلوم ہوا کہ عثمان نے قصداً مخالفت حکم رسولؐ کیا اور اسکے ساتھ افترا بھی کیا کہ حضرت نے وعدہ فرمایا تھا۔

یہ قصہ بہت طولانی ہے اور تاریخ اسلامی کے سب ہی پڑھنے والے جانتے کہ حضرت عثمان نے حکم کی جلا وطنی منسوخ کر کے اور اُسے مدینہ واپس بلا کر پیغمبر خدا کی بھی مخالفت کی اور حضرت ابوبکر و عمر کی بھی، ہمکو زیادہ لکھنے

کی ضرورت نہیں مگر یہ بات اہلسنت کے لئے عموماً اور اڈیٹر النجم کے لئے خصوصیت سے قابل غور ہے کہ ایسے ملعون و مطرود کو بھی اڈیٹر النجم سیدنا کے لفظ سے ذکر کر رہے ہیں جس طرح ابوبکر و عمر کو لکھتے ہیں پھر بتائیے ان کے منافق اور طرفدار منافق ہونے میں کیا شک رہا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

ابن سکین کا قول ہے کہ حضرت نے اس پر بد دعا کی مگر ثابت نہیں۔ عطا بن سائب راوی ہیں کہ اصحاب رسول حضرت کی خدمت میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت حکم پر لعنت فرما رہے ہیں لوگوں نے پوچھا تو حضرت نے فرمایا ہم اپنے فلاں زوجہ کے ساتھ تھے تو اس نے منھ چڑھایا صحابہ نے کہا کہ تو ہم بھی لعنت کریں تو حضرت نے فرمایا نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسکی اولاد ہمارے منبر پر چڑھتی اترتی ہے لوگوں نے کہا کہ تو ہم اس کو پکڑ لائیں حضرت نے کہا نہیں۔ اور اسکو نکلوا دیا معاویہ مروان کا بہت خیال کرتا تھا لوگوں نے پوچھا تو کہا اس کا باپ حکم ہمارے بہن ام حبیبہ کی کفش برداری کرتا تھا جب کہ رسول اللہ انھیں اپنی زوجیت میں لائے تھے حضرت نے حکم کی طرف نگاہ تیز دیکھا جب باہر نکلا تو رسول اللہ سے لوگوں نے پوچھا کیا وجہ تھی تو حضرت نے فرمایا جب اسکی اولاد تیس یا چالیس کے عدد پر پہونچے گی تو تمامی امور کی مالک ہو جائے گی عائشہ نے مروان سے کہا رسول نے تیرے باپ پر لعنت کی جبکہ تو اسکے پشت میں تھا۔

ابن حجر لکھتے ہیں اصل قصہ کو بخاری نے لکھا مگر آخر کے زیادتی کو حذف کر دیا دکیا امانت داری بخاری کی) ثعلبہ بن ابی مالک راوی ہیں کہ:۔

اس حکم نے عہد عثمانی میں انتقال کیا تو اسکے قبر پر شامیانہ کھڑا کیا گیا کیونکہ زمانہ گرمی کا تھا لوگوں نے اعتراض کیا تو عثمان نے کہا زمانہ عمر میں زینب بنت حجش (زوجہ رسول صلعم) نے انتقال کیا تو ان پر بھی شامیانہ لگایا گیا تھا کیا اس پر کسی نے اعتراض کیا تھا۔ (اصابہ جلد ۲ صـ۳۰)

کیا عزت افزائی دشمن رسول ہے کہ بعد مردن اسکے قبر پر شامیانہ کھڑا کیا اور مثال کے لئے ام المومنین زینب بنت حجش کو پیش کیا اس پر بھی عثمان کے اسلام کا دعوی کیا جاتا ہے یا للعجب۔

(۸۹) حکم بن عمرو غفاری حاکم خراسان بنائے گئے تو زیاد نے انکو لکھا کہ معاویہ کا حکم ہے لڑائی میں سونا چاندی جو ملے وہ ہمارے لئے رہنے دیا جائے مگر انھوں نے نہ مانا اور کہا کہ حکم خدا کے خلاف ہے لہذا سب کو تقسیم کر دیا غالباً انھیں سے روایت ہے کہ حضرت نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو منع فرمایا۔ (صفحہ ۴۹)

اس سے معاویہ کی مخالفت حکم خدا و رسول ظاہر ہے اور یہ روایت بھی طرفہ ماجرا ہے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہ کیا جائے۔

(۹۰) حکم بن عمر ثمالی اسکا شمار اہل شام میں ہے اسکی روایت ہے کہ میں نے رسولؐ خدا کو دیکھا آپ نماز شب اور نماز صبح میں بسم اللہ باواز بلند کہتے تھے (صفحہ ۵۰)

مگر اہلسنّت کا عمل اسکے خلاف ہے۔ بتقلید شیخین بسم اللہ کہتے ہی نہیں یا آہستہ آواز سے کہتے ہیں۔

(۹۱) حمران بن جابر عنقی تمامی راوی ہیں کہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا بنی اُمیّہ کے لئے خرابی ہے۔ صـ۲۸

مگر اہل سنت انھیں بنی اُمیّہ کے طرفدار ہیں۔

(۹۲) حمزہ بن عویمر کی وفات ۶۱ھ میں اسی برس کے سن میں ہوئی صـ۳۶

مگر شریک معرکۂ کربلا نہ ہوئے۔

(۹۳) حمن عبدالرحمان بن عوف کے بھائی ہیں مگر نہ ہجرت کیا: مدینہ آئے اسلام کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے عبداللہ بن زبیر کو اپنا وصی کیا (صـ۳۷)

مگر مشرکت کربلا سے محروم رہے۔

حنظلہ غسیل الملائکہ کے حال میں لکھتے ہیں:۔

خزرج والوں نے کہا کہ ہم میں چار آدمی تھے جنھوں نے رسول اللہ کے زمانہ میں قرآن یاد کر لیا تھا انکے سوا اور کسی نے پورا قرآن نہ یاد کیا تھا۔ زید بن ثابت۔ ابوزید۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل (صـ۳۸)

جس سے معلوم ہوا کہ لاکھوں صحابی میں صرف یہی چار آدمی حافظ تھے اور کوئی نہیں اس میں سے بھی بوقت جمع قرآن کوئی نہ شریک کیا گیا باستثنا زید بن ثابت جو عثمان کے عامل دیوان تھے پھر بتائیے قرآن کی کیا عظمت کی گئی۔

(۹۴) حوشب حمیری صفین میں حضرت علیؑ کو پکارا اور کہا کہ اے ابن ابی طالبؑ تم لوٹ جاؤ ہم تمھیں اور تمھارے خون کا واسطہ دلاتے ہیں تم ہمیں عراق دیدیں اور تم ہمیں شام دیدو اور مسلمانوں کی خونریزی نہ کرو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا اے ابن ظلیم یہ بات بہت دور ہے خدا کی قسم اگر دین میں نرمی جائز ہوتی تو ہم ایسا ہی کرتے اور یہ بات میرے لئے آسان تھی مگر اللہ اس پر راضی نہیں ہے کہ اہل قرآن سکوت اور سستی کریں اس حال میں کہ اللہ کی نافرمانی کیجاتی ہو اور وہ لوگ اسکے روکنے اور جہاد کرنے کی طاقت رکھتے ہوں یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آجائے۔ (صـ۵۰)

کیا اب بھی کسی کو معاویہ اور اسکے معاونین کے بے دین ہونے میں شک رہ سکتا ہے کہ انکے ذریعہ سے خدا کی معصیت کیجاتی تھی اس سے ترک جہاد ناجائز تھا۔ جنگ صفین میں اس حوشب کو سلیمان بن صرد خزاعی نے قتل کیا دوسری روایت میں ہے کہ مالک اشتر نے قتل کیا اور ذو الکلاع کو حریث بن جابر نے۔ اس واقعہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ قاتل و مقتول دونوں صحابی ہیں پھر فیصلہ ہو تو کیونکر۔ ان حق پر تھا کون [illegible] پر لہذا ایک خواب گڑھا گیا کہ عمر بن شرحبیل نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں داخل ہوئے کچھ قبے نظر آئے تو پوچھا یہ کس کیلئے ہے کہا ذو الکلاع اور حوشب کیلئے ہیں جو معاویہ کیطرف سے لڑے گئے تھے آگے پوچھا عمار کہاں ہیں کہا کہ وہ اُنکے آگے ہیں پوچھا یہ کیونکر ہوا حالانکہ ان میں سے ایک دوسرے کا قاتل ہے تو کہا کہ خدا سے ملاقات کی تو اسکو واسع المغفرہ پایا (صـ۵۱ جلد ۲ اصابہ)

حضرت فروانی سنیہ صحابہ کی کہ خدا فرماتا ہے جو کسی مومن کو قتل کرے تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا مگر یہاں ا

سب منسوخ ہو گیا قاتل و مقتول دونوں جنت میں مزہ اڑا رہے ہیں۔

(۹۵) حوط بن مرہ کے نسبت بیان ہے کہ لیس بن حسن بن لیس نے کہا ہم نے ۲۲۶ھ میں آپکو دیکھا جو کہتے تھے میں خدمت رسول میں پہونچا تھا اور طعام جنت کھایا تھا ابن حجر اس روایت کو نہیں مانتے۔ (صفحہ)

(۹۶) حویطب بن عبد العزی قریشی ہیں مروان بن حکم نے ایک مرتبہ حویطب سے کہا اے شیخ تم بہت دیر میں اسلام لائے یہاں تک کہ کم عمر لوگ تم سے سبقت لے گئے حویطب نے کہا اللہ ہی کی مدد سے کام چلتا ہے واللہ میں نے کئی مرتبہ اسلام کا ارادہ کیا مگر تمہارا باپ ہر مرتبہ مجھے اس سے باز رکھتا تھا اور مجھے منع کرتا تھا کہ تم اپنی بزرگی اور اپنے باپ دادا کا دین ایک نئے دین کے لئے کیوں چھوڑتے ہو اور کیوں دوسرے کے تابع ہوئے جاتے ہو مروان چپ ہو گیا اور اپنے اس بات پر نادم ہوا اور حویطب نے اس سے کہا کہ کیا تم سے حضرت عثمان نے نہیں بیان کیا کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو تمہارے باپ سے انھیں کیا کیا مصیبتیں پہونچی۔ (۹۰)

حکم کا حال سابقاً مذکور ہو چکا حضرت عثمان کے چچا ہیں اور اسلام لا چکے تھے مگر اس طرح دوسروں کو روکتے تھے اُس کو حضرت نے مدینہ سے نکلوا دیا تھا ابوبکر عمر نے بھی نہ آنے دیا مگر عثمان نے اُسکو مدینہ بلوایا اور مرنے پر اُسکے قبر پر شامیانہ لگوایا۔

(۹۷) حارث بن سوید تمیمی اُن لوگوں سے ہیں جو عہد رسالت میں پیدا ہوئے اصحاب ابن مسعود میں نامی شخص گذرا ہے بہت سی روایتیں اس سے منقول ہیں سنہ وفات ۷۲ھ ہو بعہد ابن الزبیر کوفہ ہی میں رہتے تھے مگر نصرت امام سے محروم ہی رہے نہ وقت ورود اہلبیت کوفہ میں کوئی خدمت کی (صفحہ ج ۵ اصابہ)

(۹۸) حارث بن عمرو زبیری بھی حضرت کے زمانہ میں اسلام لائے زمانۂ یزید میں وفات ہے مگر شرکت کربلا سے محروم رہے (صفحہ ۵۲ اصابہ)

(۹۹) حارثہ بن بدر بھی صحابی ہے عراق میں رہتا تھا ۶۶ھ میں وفات ہے مگر نصرت امام اس نے بھی نہ کی۔ (صفحہ ۵۶ اصابہ)

(۱۰۰) حارثہ بن عبید کلبی پانچسو برس زندہ رہا مگر نصرت امام نہ کی۔ (صفحہ ۵۶ اصابہ)

(۱۰۱) حبہ کا بیان ہے ہم حالت شرک میں تھے جبکہ حضرت نے غدیر خم میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا یہ اس کا بھی راوی ہے کہ جب حضرت نے سب کے دروازے مسجد کی طرف بند کیے باستثنا جناب امیر تو دیکھا تھا کہ حضرت حمزہ آئے اور فرمایا تم نے اپنے چچا کو نکال دیا اور ابن عم کے دروازے کو باقی رکھا ۷۶ھ میں یا ۷۹ھ میں اس کی وفات ہے مگر نصرت امام سے محروم رہا (صفحہ جلد ۲ اصابہ)

(۱۰۲) حبیب بن مطہر (جن کا شیعوں میں نام مشہور حبیب بن مظاہر ہے) یہ بھی صحابی ہیں جناب امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے (صفحہ)

کیا اور صحابہ ان کی تاسی نہ کر سکتے تھے۔

(۱۰۳) حجر بن عبس اس کا راوی ہے کہ ابوبکر و عمر نے جناب سیدہ کی خواستگاری کی تو خود حضرت ؑ نے جناب امیر ؑ سے کہا ھل لك یا علی (ص۵۹)

(۱۰۴) حرام بن ربیعہ یہ بھائی ہے حرام بن خالد کا جسکی بیٹی ام البنین مادر حضرت عباس سے جناب امیرؑ نے نکاح کیا تھا اس کا بیٹا ر دسار کا فدیے تھا اسکو مختار نے منجملہ شرکائے قتل امام قتل کیا۔ (ص۶۰)

(۱۰۵) حریث بن مخفض مارنی زمانۂ حجاج تک زندہ رہا مگر نصرت امام سے دست کش رہا۔ (ص۶۰)

(۱۰۶) حصین بن نویرہ یزید کے بعد زندہ رہا جس نے یمامہ میں خروج کیا تھا نجدہ حروری پر مگر نصرت امامؑ سے محروم رہا۔ (ص۶۱)

(۱۰۷) حمران بن ابان یہ بڑے علمائے تھا عثمان کے پیچھے نماز پڑھتا عثمان جہاں بھول جاتے یہ لقمہ دیتا بصرہ میں رہا ۷۵ھ یا ۸۰ھ میں وفات ہو مگر جناب امام حسینؑ کی اس نے بھی مدد نہ کی حالانکہ حضرت نے اہل بصرہ سے بھی اعانت طلب کی تھی۔ (اصابہ ص۲۵)

(۱۰۸) حنظلہ بن ربیعہ بھی صحابی ہے جو محاصرہ ابن الزبیر میں حجاج کے ساتھ شریک تھا وفات اسکی زمانہ مروان میں ہوئی مگر نصرت امامؑ سے دستکش رہا۔ (ص۶۶)

(۱۰۹) حنظلہ بن شرقی زبیر بن عبد المطلب کا ندیم تھا دو سو برس تک زندہ رہا (ص۶۶) مگر نصرت امامؑ اس نے بھی نہ کی۔

(۱۱۰) حکیم بن عیاش کلبی شعرائے بنی امیہ سے تھا اس نے حضرت زید کی شہادت پر چند اشعار کہے جس میں سے دو شعر جناب امام جعفر صادقؑ کے سامنے پڑھے گئے ؎

صلبنا لکم زیداً علی جذع نخلة ولم نر مهدیاً علی الجذع یصلب
وقستم بعثمان علیاً سفاهة وعثمان خیر من علی و اطیب

یعنی ہمنے حضرت زید کو درخت پر سولی دیا حالانکہ کوئی مہدی درخت پر سولی نہیں دیا جاتا تم لوگ اپنی سفاہت سے عثمان اور علی کا قیاس کرتے ہو حالانکہ عثمان بہتر ہیں علیؑ سے اور اطیب ہیں۔

قال فرفع جعفر یدیه فقال اللهم ان کان کاذباً فسلط علیه کلبك فخرج حکیم فافترسه الاسد قلت کان قتل زید بن علی سنة اثنتین وعشرین فدل تاخر حکیم عن هذه الغایة۔ (ص۸۰ ج ۲ اصابہ)

یعنی جناب امام جعفر صادقؑ نے جب ان اشعار کو سنا تو ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ خداوندا اگر یہ جھوٹا ہے تو اپنا ایک کتا مسلط کر چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ گھر سے باہر نکلا تو ایک شیر نے اسے ہلاک کر ڈالا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت زید کی شہادت ۱۲۲ھ میں ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ وہ اسکے بعد تک زندہ رہا تو اس سے معلوم ہوا وہ صحابی نہ تھا مگر ہم خود ابن حجر سے نقل کر چکے ہیں کہ بہت سے صحابہ پانچ سو برس

تک زندہ رہے ہیں۔

خالد بن ربیع کہتے ہیں کہ حضرت نے کسی کو بنی تمیم پر حاکم بنانا چاہا ابو بکر نے ایک شخص کا نام لیا عمر نے ایک دوسرے کا نام لیا حضرت نے فرمایا اگر تم متفق ہو کر بات کہتے تو میں دونوں کی رائے مان لیتا مگر تم کہیں کہیں مختلف ہو جاتے ہو اُس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یاایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ — خدا و رسول کے سامنے تم آگے آگے نہ ہو۔ (صـ۱۰ اسد الغابہ)

کیا اس سے ان لوگوں کے اسلام کی حالت نہ معلوم ہوئی کہ خدا کو منع کرنا پڑا۔

(۱۱۲) خالد بن کلیب (ابو ایوب انصاری) جن کے مکان پر رسول اللہ نے بعد ہجرت قیام کیا جب حضرت علیؑ کے خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے ابو ایوب سے پوچھا تمھیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ ابو ایوب نے کہا میرا وظیفہ مجھ کو ملتا ہے اور آٹھ غلام مجھے چاہیئے کہ وہ میرے زمین کا کام کریں۔ ان کا وظیفہ چار ہزار تھا حضرت علیؑ نے اُس کو بچگنا کر دیا اور ۲۰ ہزار دیے اور ۴۰ غلام دیے۔ (صـ۱۱ ج ۲ اسد الغابہ)

مگر کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ شیخین یا عثمان نے ان کے ساتھ سلوک کیا ہو حالانکہ کیسی کیسی خدمتیں رسول اللہ کی کی تھیں ہاں ابن عباس نے بھی ... بدلہ دیا تھا کہ اپنا پورا مکان حضرت ابو ایوب انصاری کو بعوض حق خدمات رسول دے دیا تھا مگر شیخین یا عثمان نے کوئی معاوضہ اسکا نہ دیا۔ انکی وفات ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ہوئی۔

(۱۱۳) خالد بن زید سے حضرت نے فرمایا جو شخص گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے اُسکے لیے جنت میں ایک محل ہے حضرت عمر نے عرض کیا اب تو ہم بہت سے محل بنوا لیں گے۔ (صـ۱۱۱)

کیا یہ کلام بطور استہزا نہ تھا حالانکہ یہی عمر ہیں جنھوں نے ابو ہریرہ کو اس بشارت پر کہ جو لا الٰہ الا اللہ اس پر جنت واجب ہے ایسا دھکا دیا تھا کہ وہ منھ کے بل گر پڑے۔

(۱۱۴) خالد بن سعید بن عاص اموی ہیں قدیم الاسلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ابو بکر کے بعد اسلام لائے تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں بعض پانچویں کہتے ہیں حضرت علی اور ابو بکر و زید بن حارثہ و سعد کے بعد اسلام لائے (مگر ابو بکر خود پچاس آدمیوں کے بعد اسلام لائے تو یہ تیسرے یا چوتھے کیسے ہو سکتے ہیں لہٰذا صحیح یہی ہے کہ ابو بکر سے پہلے اسلام لائے کیونکہ اسلام ابو بکر کے بعد سے پھر یہ سلسلہ قائم ہوا) انھوں نے خواب میں جہنم کو دیکھا حضرت نے فرمایا تم اسلام لاؤ انکے باپ جب معلوم ہوا تو بہت غصہ ہوئے اور گھر سے نکال دیا حضرتؐ کے پاس آ گئے اور آپ ہی کی خدمت میں زندگی بسر کرنے لگے (بعد فتوحات اسلام) حضرتؐ نے یمن کے صدقات وصول کرنے پر مقرر کیا اور بعض کہتے ہیں مذحج اور صنعا کے صدقات پر مقرر کیا عہد رسول یہی کام کرتے رہے بعد وفات رسول انھوں نے اس کام کو چھوڑ دیا ابو بکر کی بیعت میں توقف کیا اور بنی ہاشم سے کہا کہ آپ لوگوں کا شجرہ عالی نسب ہے اور اُس کا میوہ شیریں ہے ہم آپ کے تابع ہیں جب بنی ہاشم نے بیعت کر لی تو خالد اور اُن کے بھائی ابان نے

بھی بیعت کر لی ابو بکر نے خالد کو ایک لشکر کا سردار بنا کے شام کی طرف بھیجا (صفحہ ۹۲ اسد الغابہ)

اصابہ ابن حجر عسقلانی میں ہے:۔

قال خالد بن سعید اسلمت قبل علی لکن کنت افرق ابا احیحہ یعنی

والدہ سعید بن العاص وکان لایفرق اباہ (صفحہ ۹۱)

یعنی خالد بن سعید کہتے ہیں کہ ہم اسلام تو لائے تھے حضرت علی ؑ کے پہلے مگر ہم اپنے باپ سعید بن

العاص سے ڈرتے تھے اور حضرت علی نہیں ڈرتے تھے۔

اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ ابو بکر کے قبل اسلام لائے کیونکہ جناب امیر ؑ کے نسبت تو سب کا بیان ہے حضرت دو شنبہ کو مبعوث ہوئے اور جناب امیر ؑ سہ شنبہ کو اسلام لائے پھر حضرت پر تقدم تو کسی طرح ممکن ہی نہیں یہ روایت محض اسی غرض سے بنائی گئی ہے کہ ابو بکر پر انکی سبقت مخفی رہ جائے

یہاں تو اسی قدر لکھا ہے کہ خالد بن سعید نے خدمت حکومت کو بعد وفات رسول ترک کر دیا مگر یہی ابن اثیر جزری تاریخ کامل میں ۱۳ ھ ہجری کے واقعات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

۱۳ ھ میں ابو بکر نے شام کی طرف لشکر روانہ کیا تو سب سے پہلا علم خالد بن سعید بن عاص کو دیا پھر انکو معزول کر دیا وجہ عزل یہ ہوا کہ انھوں نے ابو بکر کی بیعت میں توقف کیا تھا دو مہینہ تک اور جناب امیر و عثمان سے کہا اے ابو الحسن اے فرزندان عبد مناف کیا تم لوگ مغلوب ہو گئے جناب امیر ؑ نے کہا یہ مغالبہ ہے یا خلافت ابو بکر کو تو اس کا کینہ نہیں ہوا مگر عمر کے دل میں اسکا کینہ رہا ابو بکر نے جب حکومت شام پر انکو نامزد کیا تو عمر نے اسقدر دق کیا ابو بکر کو کہ آخر معزول کر دیا امارت سے اور حکم دیا کہ تیما میں مسلمانوں کے حفاظت کو رہیں اور جب تک ہمارا حکم نہ ہو وہاں سے علیحدہ نہ ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ خلافت تھی یا قیامت محض اسقدر کہنے پر کہ اے علی ؑ تم مغلوب ہو گئے وہ صحابی جو سب سے پہلے اسلام لایا اور مدت العمر خدمت رسول کرتا رہا وہ کس طرح محروم کیا گیا ابو بکر کو تو اسقدر غصہ نہیں آیا مگر عمر نے جب تک امارت لشکر شام سے موقوف نہ کر لیا چین نہ لیا۔ اس پر بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ کوئی کام انکا نیک نیتی سے تھا۔ تاریخ طبری میں ہے:۔

خالد جب حکومت یمن سے بعد وفات رسول ؐ وارد مدینہ ہوئے اور دو مہینہ تک ابو بکر کی بیعت نہ کی تو کہتے تھے حضرت نے ہمکو امارت دی اور کبھی معزول نہ کیا یہاں تک کہ حضرت نے وفات پائی (مطلب یہ ہے کہ بالے رہتے) یہ لوگ کیونکر خلیفہ ہو سکتے ہیں جن کو کبھی رسول ؐ نے کہیں کا حاکم نہ بنایا اسکے بعد حضرت علی ؑ و عثمان سے ملاقات کی اور کہا کہ اے فرزندان عبد مناف کیونکر تم نے اسکو گوارا کیا کہ دوسرے لوگ تم پر حاکم ہوں ابو بکر کو تو اس کلام سے کچھ غصہ نہ آیا مگر عمر کے دل میں اسکا کینہ پڑ گیا ابو بکر نے جب شام کو لشکر بھیجنا چاہا تو پہلے اسی خالد بن سعید کو سردار لشکر بنایا مگر عمر نے اسقدر اصرار کیا کہ آخر ابو بکر نے

معزول کر کے یزید بن ابو سفیان کو سردار لشکر بنایا۔ (تاریخ طبری جلد ۴ ص ۳۱)
یہ پہلا روز ہے کہ بنی امیہ کے ہاتھ میں حکومت گئی جسکے بانی حضرت عمر ہیں کہ ایسے مقدس صحابی کو معزول کر کے یزید کو حکومت شام دلوادی جس کے بعد معاویہ اور اسکا بھائی پھر یزید اور تمام بنی امیہ کا دور چلا۔ ع
خون شہدا تمام برگردن اوست

پھر لکھتے ہیں:-

خالد بن سعید بن عاص بعد وفات رسول اللہ مدینہ پہنچے تو وہ جبہ دیبا پہنے ہوئے تھے عمر نے چیخ کر کہا اس جبہ کو پھاڑ ڈالو کہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہے سبنے اُس کا جبہ چاک کیا خالد نے جناب امیر سے کہا کیا آپ مغلوب ہوگئے جناب امیر نے فرمایا کہ یہ مغالبہ ہے یا خلافت؟ خالد نے کہا اے فرزندان عبد مناف تم اس بار میں مغلوب نہیں ہو سکتے عمر نے کہا خدا تیرے منہ کو توڑے واللہ جھوٹا ہمیشہ مبتلا رہے گا اس میں جو تو نے کہا مگر اس کا ضرر بجز اسکے نفس کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا عمر نے اس کلام کو ابوبکر تک پہونچایا جب ابوبکر نے قتال اہل ردہ کے لئے علم مقرر کرنا شروع کیا تو ایک علم خالد کو بھی دیا عمر نے منع کیا اور کہا یہ مخذول ہے اور ضعیف الرائے یہ ایسا جھوٹ بولا ہے جو کبھی جدا نہیں ہو سکتا ہرگز اسکو حکومت نہ دو ابوبکر نے بعض امروں میں عمر کی اطاعت قبول کی اور بعض میں نہیں کیونکہ بمقام تیما ان کو مقرر کیا۔ (تاریخ طبری جلد ۴ ص ۲۹)
اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شروع شروع سب و شتم صحابہ کی رسم حضرت عمر نے جاری کی کہ سعید کی قبا چاک کروڈالی انھیں جھوٹا اور مفتری بنایا اس درجہ ابوبکر کو مجبور کیا کہ حکومت شام سے آخر محروم کر دیا حالانکہ یہ کیسے مقدس صحابی ہیں کہ ابوبکر سے پہلے اسلام لائے پھر اگر شیعہ ایسے صحابہ سے اظہار بیزاری کریں جو ظالم کاذب غاصب تھے تو نہ معلوم اہلسنت کیوں ناراض ہوتے ہیں حالانکہ ابتدا اس کی تو حضرت عمر سے ہوئی۔
(۱۱۵) **خالد بن عاص** ابو جہل و حارث کے بھتیجے ہیں ایک حدیث بھی انھوں نے رسول سے نہیں سنی مگر چونکہ ابو جہل کے بھتیجے ہیں جو حضرت عمر کے رشتہ دار تھے لہذا عمر نے انکو حاکم مکہ مقرر کر دیا۔ (ص ۱۱۲ اسد الغابہ)
غور کرنے کا مقام ہے کہ خالد بن سعید بن عاص کو جو کہ ایسا قدیم الاسلام اور عامل رسول تھا اس جرم پر معزول کیا کہ اُس نے بیعت ابوبکر میں دو ماہ تک توقف کیا اور خالد بن عاص کو صرف اس وجہ سے مقرر کیا کہ وہ ان کا طرفدار اور ابو جہل کا بھتیجا تھا یعنی عمر کے ماموں کا بیٹا تھا سنہ وفات نہیں معلوم مگر زمانہ معاویہ تک زندہ رہا۔ (اصابہ جلد ۲ ص ۹۲)
(۱۱۶) **خالد بن عرفطہ** بڑے درجہ کے صحابی ہیں کوفہ میں رہتے تھے حضرت سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اے خالد عنقریب کچھ نئی باتیں اور اختلافات پیدا ہونگے جب ایسا ہو تو اگر تم سے ہو سکے تو مقتول بننا قاتل نہ بننا ان کی وفات کوفہ میں ہوئی جس سال حضرت امام حسین ؑ بن علی ؑ شہید ہوئے (ص ۱۱۹ اسد الغابہ)
مگر امام حسین ؑ کی نصرت نہ کی۔

اصابہ میں ہے کہ ایک شخص نے جناب امیرؑ سے عرض کیا کہ ہمارا گزر وادی القریٰ میں ہوا تو وہاں دیکھا کہ خالد بن عرفطہ مر گیا ہے اس کے لیے استغفار فرمایئے حضرت نے فرمایا، نہیں مرا ہے اور نہ مریگا اسوقت تک کہ ایک لشکر ضلالت کا وہ سردار ہو جس کا علمبردار حبیب بن حمار ہوگا اور وہ اس مسجد کوفہ کے دروازے سے داخل ہوگا جسکو باب الفیل کہتے ہیں۔

یہ کلام سنکر وہاں ایک شخص کھڑا تھا اٹھ کھڑا ہوا اور کہا حبیب بن حمار تو میں ہی ہوں اور میں آپکا دوستدار ہوں حضرت نے فرمایا مگر ہوگا ایسا ہی ضرور چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابن زیاد نے جو عمر بن سعد کو جناب امام حسینؑ سے لڑنے کو بھیجا تو اُسنے خالد بن عرفطہ کو مقدمہ لشکر پر مقرر کیا اور حبیب بن حمار کو علمدار بنایا اور وہ علم لے کر داخل مسجد کوفہ ہوا باب الفیل سے (صفحہ ۹۵ جلد ۲ اصابہ)

غور فرمایئے کہ صحابہ اہلسنت کے کیا افعال تھے اسی لیے شاید آنحضرتؐ نے وصیت کی تھی کہ قاتل نہ بننا اگرچہ مقتول ہی کیوں نہ ہو مگر کیا خوب اسکی تعمیل کی کہ خود فرزند رسول کو قتل کیا اور اس کو بھی اڈیٹر النجم سید تا لکھتے ہیں۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ واقعہ کربلا کی اہمیت کسدرجہ تھی کہ خود رسول اللہ نے ہر رطب و یابس اس کا جناب امیرؑ کو بتا دیا تھا کہ حضرت نے قبل از واقعہ خبر دی اس پر بھی لوگ ایمان نہیں لائے کہ حضرت کو علم کان و مایکون حاصل تھا۔

اہلسنت جو قتل امام حسینؑ کی نسبت شیعوں کی طرف دیتے ہیں شاید اسی حبیب بن حمار کے سبب سے جس نے دعوائے محبت امیرالمومنینؑ کیا تھا مگر افسوس انھوں نے ہر ایسے مدعی کو شیعہ سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ ملعون ہے جو اس کا مرتکب ہو اتشیع سے اسکو کیا واسطہ۔

(۱۱۷) خالد بن ولید جس کا لقب سیف اللہ مشہور ہے لقب کے متعلق یہ روایت ہے کہ حضرتؐ نے اس کو حالت کفر میں یہ لقب دیا تھا۔ (صفحہ ۱۱۱ اسد الغابہ)

مالک بن نویرہ کے یہی قاتل ہیں جس پر خود حضرت عمر نے بہت ناراضی و برہمی ظاہر کی۔ (صفحہ ۱۱۳)

جب حضرت عمر کو یہ خبر ملی کہ بنی مغیرہ کی عورتیں خالد پر رونے کے لیے ایک گھر میں جمع ہوئی ہیں تو حضرت عمر نے فرمایا کہ کچھ حرج نہیں ہو کہ وہ ابو سلیمان کے لئے روئیں بشرطیکہ بلند آواز اور بین نہ ہوں۔ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ بنی مغیرہ کی کوئی عورت نہیں تھی جس نے خالد کی قبر پر اپنے سر کے بال نہ منڈائے ہوں (صفحہ ۱۳۱ ج ۱ الخیار) مسلمانو! غور کرو یہ کس قسم کی بات ہے کہ حضرت عمر۔ جناب زینب و رقیہ و ام کلثوم دختران رسولؐ کے گریہ و بکا کو منع کریں اور ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ کی روایت کریں کہ میت پر اُس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔

مگر خالد بن ولید کے لئے سب جائز کر دیا اور عورتوں نے جس میں سب گویا صحابیات تھیں یہ ترقی کی کہ سب نے جا کر خالد بن ولید کی قبر پہ سر منڈوا دیا۔ واہ رے اسلام

استیعاب میں ہے کہ حضرت نے ایک قبیلہ پر انکو بھیجا تو ، حق لوگوں کو اس نے قتل کیا حضرت نے ان کی دیت دلوائی اور فرمایا:-

اللھم انی ابرء الیک مما صنع خالد بن ولید وخبرہ عبد الملک من صحیح اثر (ص۱۵۵ جلد)

خداوندا ہم بیزاری ظاہر کرتے ہیں اس سے جو کچھ خالد نے کیا اور یہ حدیث صحیح ہے۔

پھر اگر شیعہ بھی ایسے ہی صحابہ سے اظہار بیزاری کریں تو اہلسنت کیوں چڑتے ہیں

یہ خالد وہی ہے جس نے حضرت مالک بن نویرہ کو قتل کیا اور اسی شب کو انکے زوجہ کے ساتھ زنا کیا جس پر حضرت ابوبکر سے حضرت عمر نے کہا یا قتل کر دیا سنگسار کر دیا معزول کرو مگر ابوبکر نے ایک نہ مانا اور انکو سیف اللہ کا خطاب دیا جب عمر خلیفہ ہوئے تو انکو معزول کیا اور عمامہ میں جکڑا اور مال ان کا اوھالے لیا اس پر بھی الصحابۃ کلھم عدول کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔

(۱۱۸) خزیمہ بن ثابت انصاری ان کا لقب ذوالشہادتین ہے جنگ جمل و صفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے مگر قتال نہیں کیا جب جنگ صفین میں حضرت عمار بن یاسر شہید ہوئے تو خزیمہ نے کہا میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا اسکے بعد انھوں نے اپنی تلوار کھینچ لی اور قتال کیا یہاں تک کہ مقتول ہوئے۔ واقعہ صفین ۳۷ھ میں ہوا تھا۔ (ص۱۵۶ اسد الغابہ جلد ۲)

مگر اس پر بھی اہلسنت نہ معاویہ کو باغی کہتے ہیں نہ اپنے کو فرقہ باغیہ میں داخل کرتے ہیں۔

(۱۱۹) خویلد بن عمر مدینہ میں آکر رہے تھے اور قبل فتح مکہ اسلام لائے مدینہ میں ۶۰ھ میں وفات پائی۔ (ص۱۲۸ اسد الغابہ جلد ۲)

مگر ہائے رے شومی قسمت کہ امام حسینؑ کی مدد نہ کی اور شریک معرکہ کربلا نہیں ہوئے۔

(۱۲۰) خیبر ان کا نام عبد خیر تھا۔ سہل نے روایت کیا ہے کہ انکے والد نے عبد خیر سے کہا اے ابو عمارہ میں آپ کا جسم بہت توانا دیکھتا ہوں آپ کی عمر کس قدر ہے کہا کہ میری عمر ایک سو بیس برس کی ہے۔ (ص۱۴۱)

مگر ہائے یہ بھی شریک معرکہ کربلا نہ ہوئے نہ کسی طرح حضرتؑ کی مدد کی۔

(۱۲۱) دغفل نسابہ اس کو معاویہ نے یزید کے تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا یہ بھی صحابی ہے جس سے حسن بصری روایت کرتے ہیں ۶۰ھ میں اسکی وفات ہے (اصابہ ص۱۶۴)

مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

(۱۲۲) ذوالجوشن شمر کا باپ ہے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ابواسحاق نے ان سے نہیں سنا بلکہ انھوں نے ان کی حدیث ان کے بیٹے شمر بن ذی الجوشن سے سنی ہے۔ (ص۱۹۲)

لیجیے شمر قاتل امام حسینؑ اہلسنت کے یہاں راوی حدیث بھی ہے جس سے ابواسحاق روایت کرتے ہیں۔

اصابہ میں بھی ہے و لہ حدیث عند ابی داؤد من طریق ابی اسحٰق عنہما و

يقال انه له يسمع منه وانما سمعه من ولده شم۔ (صفحہ ۱۸۵ جلد ۲)

(۱۲۲۳) ذوالخویصرہ تمیمی ایک دن رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے ذوالخویصرہ نے جو بنی تمیم سے ایک شخص تھے کہا یا رسول اللہ انصاف کیجئے حضرت صؐ نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں نہ انصاف کروں گا تو کون انصاف کرے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اجازت دیجئے تو میں اس منافق کی گردن ماردوں حضرت نے فرمایا نہیں اس شخص کے کچھ ساتھ والے ہیں جن کے نماز روزے کے سامنے تم اپنے نماز روزے کو حقیر سمجھو گے وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکلجاتا ہو اسکے گانسے کیطرف دیکھو تو اسمیں کچھ نہ ہے گا اور اسکے پر دیکھو تو اسمیں کچھ نہ ملیگا اور اسکی ڈنڈی کو دیکھو تو اسمیں کچھ نہ ملے گا حالانکہ لید اور خون سے ہو کے آیا ہو یہ لوگ اسوقت ظاہر ہونگے جب لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہو جائیگا انکی نشانی یہ ہے کہ انکے دو پستانوں میں ایک پستان عورت کے پستان کے مثل یا گوشت کے ٹکڑے کے مثل ہوگا وہ ہلتا ہوگا۔ ابو سعید کہتے تھے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا جب انھوں نے ان لوگوں سے قتال کیا مقتولین میں جستجو کی گئی تو ایک شخص اسی ہیئت کا نکلا جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔

ابو سعید خدری سے روایت کر کے خبر دی وہ کہتے تھے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تقسیم کر رہے تھے حضرت ابن عباس کہتے تھے کہ وہ ہوازن کا مال غنیمت تھا اور حنین کا دن تھا کہ یکایک ذوالخویصرہ تمیمی آئے جن کا نام حرقوص بن زہیر تھا وہی خوارج کی بنیاد ڈالنے والے تھے انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ انصاف کیجئے حضرت صؐ نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں انصاف نہ کروں گا تو کون انصاف کرے گا اس کے بعد انھوں نے وہی واقعہ بیان کیا جو اوپر گذر چکا پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ ذوالخویصرہ کا نام حرقوص بن زہیر ہے واللہ اعلم۔ حرقوص کے نام میں ان کے باقی حالات گذر چکے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۱)

اس نام کو اگرچہ ہمارے رسالہ سے چنداں تعلق نہیں ہے مگر یہ تو معلوم ہوا کہ حضرات اہلسنت نے ایسے منافق کو بھی صحابہ میں داخل کیا ہے حالانکہ خود لکھ رہے ہیں یہ خوارج کا موجد ہے۔

دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہوا تقسیم رسول اللہ پر اعتراض کرنے والا منافق ہے تو اب دیکھو یہ صفت دوسرں میں بھی پائی جاتی ہے یا نہیں خود صحیح مسلم میں ہے۔ (صفحہ ۳۳۲ جلد اول)

عن سلمان بن ربیعه قال عمر بن الخطاب قسم رسول الله قسمًا فقلت والله یا رسول الله لغیر هولاء کان احق به منهم۔

یعنی سلمان جو راوی ہیں کہ عمر کہتے تھے ایک روز رسول اللہ نے کچھ تقسیم کیا تو ہم نے کہا یا رسول اللہ قسم خدا کی غیر لوگ ان سے زیادہ مستحق ہیں

اب فرمائیے اعتراض عمر اور اعتراض ذوالخویصرہ میں کیا فرق ہے کیونکہ ذوالخویصرہ یہ فرمائش کرتا ہے کہ انصاف

فرمائیے اس میں اسکی تصریح نہیں ہے کہ آپ بے انصافی کرتے ہیں اگر چہ الزاماً یہ معنی پیدا ہوتے ہیں بخلاف اعتراض عمر کہ اس میں وہ بقسم کہتے ہیں کہ آپنے بے انصافی کیا غیر لوگ زیادہ مستحق تھے فرمائیے کس کا نفاق زیادہ ہوا افسوس کہ حضرت عمر ایسے شخص کو تخت اتنی فرمائش پر کہ عدل کیجیے منافق کہتے ہیں اور اپنے متعلق خیال نہیں کرتے کہ ہمارا اعتراض تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

اصابہ میں ہے:۔

انّ النبیؐ قال لا یدخل النار احد شهد الحدیبیة الا واحد فکان هو حرقوص بن زهیر (ص۲۳۵)

پیغمبر خدا نے فرمایا جو لوگ حدیبیہ میں شریک ہوئے ان میں کوئی شخص بھی جہنم میں نہ جائے گا سوا ایک شخص کے وہ شخص حرقوص بن زہیر تھا۔ (اصابہ جلد اول ص۲۳۵)

چونکہ ذوالخویصرہ کا نام حرقوص بن زہیر تھا اسلئے اس حدیث کو لکھ دیا کہ معلوم ہو بنص رسولؐ یہ شخص جہنمی ہو۔ ذوالخویصرہ کو داخل صحابہ کرنا یہ بھی مخصوصات سے اس کتاب اسد الغابہ کے ہے۔ چنانچہ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں:۔

ذکرہ ابن الاثیر فی الصحابة مستدرکاً علی من قبله وعندی فی ذکرہ من الصحابة وقفة (ص۱۵۲ جلد۲)

یعنی ابن اثیر نے اس کو صحابہ میں لکھا ہے جسکی غرض اعتراض ہو اپنے سابقین پر ہمارے نزدیک مردِ صحابہ میں اسکو ذکر کرنا قابل تامل ہے۔

پھر بتائیے ابن اثیر کی غرض اس تذکرہ سے بجز اس کے کیا ہوسکتی ہے کہ خوارج کو ہمسر اہلسنت بنائے کیونکہ جس طرح عمر صاحب صحابی ہو کر موجد مذہب اہلسنت ہوئے اسی طرح یہ صحابی بھی موجد مذہب خوارج ہوا اشاید اسی سبب سے یہ نام استیعاب میں نہیں ملتا کیونکہ وہ تو کھلا ہوا منافق تھا۔

(۱۲۴) ذوالخویصرہ یمانی وہ ہے جس نے رسول اللہ کے حضور میں آکر مسجد رسول میں پیشاب کیا لوگوں نے کچھ سختی کرنا چاہا تو حضرتؐ نے فرمایا اس کو تعلیم دو۔

(۱۲۵) ذوالکلاع یہ زمانۂ رسول اللہ میں اسلام لائے تھے پھر شام کی طرف چلے گئے اور وہیں تھے جب زمانۂ فتنہ آیا تو جنگ صفین کا ساماں انھیں نے کیا یہ معاویہ کی طرف سے تھے جب یہ مارے گئے تو معاویہ ان کے مقتول ہونے سے بہت خوش ہوا ان عجیب طرفہ ماجرا ہے کہ اپنے طرفدار صحابی کے مقتول ہونے سے معاویہ خوش ہوا اس وجہ سے کہ ذوالکلاع کو جب یہ خبر ملی کہ نبیؐ نے عمار بن یاسر کے حق میں فرمایا ہے کہ ان کو باغی گروہ قتل کرے گا اور عمار حضرت علیؑ کی طرف تھے تو انھوں نے حضرت معاویہ اور عمرو عاص سے کہا کہ ہم علی اور عمار سے کس طرح لڑ سکتے ہیں تو لوگوں نے یہ جواب دیا کہ حضرت عمار ہمارے ہی طرف آجائیں گے اور ہماری طرف سے

لڑیں گے مگر ذوالکلاع پہلے قتل ہوا اور اس کے بعد عمارؓ شہید ہوئے اور بعض لوگوں نے کہا ہو کہ ذوالکلاع نے حضرت معاویہ سے اس وجہ سے اختلاف کیا تھا کہ اُنکے نزدیک ثابت ہو گیا تھا کہ حضرت علیؑ حضرت عثمان کے خون سے بالکل بری ہیں۔ (صفحہ ۱۹۹ اسد الغابہ)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ معاویہ نے حدیث یقتلہ الفئۃ الباغیۃ کی صرف یہی تاویل نہیں کی تھی کہ ان کی شہادت کے باعث حضرت علیؑ ہوئے جو ہمراہ لائے تھے بلکہ یہ تاویل بھی کی تھی کہ عمار ہمارے طرف آجائیں گے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذوالکلاع پر ہر طرح حقیقت جناب امیر ثابت ہو چکی تھی پھر بھی وہ باطل ہی پر مصر رہے اور اسی حالت میں قتل ہوئے پھر معاویہ کا اُنکی موت پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ حق کا ظہور کچھ مخفی رہ گیا کس درجہ کی ایمانداری معاویہ کو ظاہر کر رہا ہے۔

ہاں چونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ اس معاملہ میں حق ایک ہی طرف تھا اور نص صریح حق پر حضرت عمار تھے لہذا اس نص صریح کے ابطال کے لئے یہ خواب بنایا گیا کہ عمرو بن شرحبیل نے یہ خواب دیکھا کہ ذوالکلاع اور حضرت عمار باغ کی روش پر کھڑے ہیں عمرو بن شرحبیل نے پوچھا تو ذوالکلاع نے کہا ہم نے خدا کو بہت وسیع المغفرۃ پایا میں نے پوچھا کہ اہل نہروان یعنی خوارج کا کیا حال ہے تو مجھ سے کہا گیا کہ وہ بڑے مصیبت میں ہیں۔ (صفحہ ۲۱)

مگر اس خواب کی موضوعیت اسی سے ظاہر ہے کہ خوارج کا واقعہ اس کے بعد ہوا ہے پھر اُس وقت اُن کا حال کیونکر پوچھا جا سکتا تھا ایک جواب پہلے ہی مذکور ہو چکا ہے۔

(۱۲۵) ذوالثدیہ افسوس کہ اسد الغابہ میں انکا تذکرہ نہیں ہے مگر اصابہ ج ۲ صفحہ ۱۱۴ میں پورا حال لکھا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

انس سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا کے زمانہ میں ایک شخص تھا جسکی عبادت اور ریاضت پر ہمیں بڑا تعجب ہوا کرتا ہم نے اسکا نام لے کر رسول اللہ سے ذکر کیا مگر آپ نے نہیں پہچانا پھر ہم نے اُسکے اوصاف ذکر کیئے تب بھی آپنے نہیں پہچانا ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ شخص سامنے آ گیا ہم نے رسول اللہ سے کہا حضور! یہی وہ شخص ہے حضرت نے فرمایا تم لوگ ایسے شخص کا ذکر مجھ سے کر رہے ہو جسکے چہرے پر شیطانی علامات ہیں وہ شخص قریب آکر کھڑا ہو گیا اور کسی کو اس نے سلام نہیں کیا حضرت پیغمبر نے اُس شخص سے کہا میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں سچ بتانا کیا تو نے مجمع میں کھڑے ہو کر نہیں کہا تھا کہ لوگوں میں مجھ سے کوئی افضل یا بہتر نہیں اُس نے کہا ہاں کہا تھا پھر وہ شخص وہاں سے چلا گیا اور جا کر نماز پڑھنے لگا پیغمبر نے فرمایا کون ہے جو جا کر اس شخص کو قتل کر ڈالے۔ ابوبکر نے کہا میں جاتا ہوں اُنھوں نے جا کر دیکھا کہ وہ شخص نماز پڑھ رہا ہے اُنھوں نے کہا سبحان اللہ کیا میں ایسے شخص کو قتل کروں جو نماز پڑھتا ہے حالانکہ رسول اللہ نماز گذاروں کے قتل سے ممانعت فرما چکے ہیں یہ کہہ کر واپس آئے رسول اللہ نے پوچھا کہو کیا کیا؟ ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ

وہ نماز میں مشغول تھا مجھے گوارا نہ ہوا کہ اسے قتل کردوں جبکہ آپ نماز پڑھنے والوں کے قتل سے ممانعت فرما چکے ہیں پیغمبر خدا نے پھر فرمایا کون ہے جو جاکر اسے قتل کرڈالے عمر نے کہا میں جاتا ہوں جب پہونچے تو دیکھا وہ سجدہ میں ہے انھوں نے سوچا کہ ابوبکرؓ مجھ سے افضل ہیں جب انھوں نے قتل نہیں کیا تو میں کیسے قتل کروں یہ بھی واپس آئے رسول اللہ نے پوچھا کیا ہوا عمر نے کہا یا رسول اللہ میں نے اُسے دیکھا کہ سجدہ میں ہے مجھے اس کا قتل گوارا نہ ہوا رسولؐ اللہ نے پھر فرمایا کون ہے جو اسے جاکر قتل کرے، حضرت علیؑ نے کہا میں جاتا ہوں پیغمبرؐ نے فرمایا ہاں بشرطیکہ تم اُسے پاؤ بھی تو علیؑ جب پہونچے تو دیکھا کہ وہ شخص جاچکا ہے رسولؐ اللہ کے پاس واپس آئے پیغمبر نے پوچھا کیا ہوا علیؑ نے کہا یا رسول اللہ میں جب پہونچا تو وہ جاچکا تھا رسول اللہ نے فرمایا اگر آج یہ شخص قتل کردیا جاتا تو میری امت کے دو آدمی بھی اختلاف نہ کرتے زمانوں میں تا آخر ہیں۔

اس واقعہ کے راوی موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے محمد بن کعب کو کہتے سنا کہ ذی الثدیہ کو علیؑ نے قتل کیا۔ ابن حجر کہتے ہیں ذی الثدیہ کا یہ واقعہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے محمد بن قدامہ نے اپنی کتاب الخوارج میں ان تمام طریقوں کو اکٹھا کردیا ہے۔

اور سب سے صحیح وہ روایت ہے جسے مسلم نے اپنے صحیح میں اور ابوداؤد نے اپنے سنن میں محمد ابن سیرین کے واسطہ سے اُنھوں نے عبیدہ سے اور اُنھوں نے حضرت علیؑ سے نقل کیا:۔

حضرت علیؑ نے اہل نہروان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ان میں ایک شخص ایسا ہے جس کا ایک ہی ہاتھ ہے اگر تم لوگ انکار نہ کرو تو ہم تمھیں بتا سکتے ہیں کہ خداوند عالم نے پیغمبرؐ کی زبانی اس شخص کے قتل کرنے والوں سے کیا وعدے کئے ہیں عبیدہ نے کہا کیا آپ نے خود سنا ہے فرمایا ہاں قسم ہے پروردگار کعبہ کی۔

راوی کا بیان ہے کہ:۔

جب حضرت علیؑ اہل نہروان سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا اس شخص کو تلاش کرو ان لوگوں نے جاکر ڈھونڈھا پھر آکر کہا ہم نے اُسے نہیں پایا حضرتؑ نے تین مرتبہ انھیں بھیجا اور تینوں مرتبہ وہ لوگ واپس آئے حضرت علیؑ نے فرمایا قسم بخدا نہ ہم نے جھوٹ کہا نہ ہم سے جھوٹ کہا گیا آخر میں ان لوگوں نے سب لاشوں کے نیچے اُسے پایا جو کیچڑ میں دھنسا ہوا تھا راوی کہتا ہے ہم نے دیکھا وہ ایک حبشی ہے جس کا ایک ہاتھ مثل پستان کے ہے جس پر چند بال ہیں مثل دم یربوع کے

ابوداؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

ایسے واقعات کی تفصیل آپ کو تنقید بخاری حصہ دوم ص۱۲۹ لغایت ص۱۴۵ میں ملے گی جس سے معلوم ہوگا کہ ان صحابہ نے حضرتؐ کے احکام کی کیسی تعمیل کی ہے کہ حضرت حکم صریح قتل کا دیتے ہیں اور ابوبکر و عمر دونوں آدمی اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں اور قتل نہیں کرتے۔ اور مانعین زکوٰۃ کو بے تامل قتل کرڈالتے ہیں حالانکہ

وہ سب نماز گذار تھے۔

رافع بن خدیج۔ بڑے پایہ کے صحابی ہیں ایک تیر ان کے گلے پر لگا تھا جس کا زخم بزمانۂ عبدالملک کھل گیا اور سنہ ۷۴ھ میں بعمر ۸۶ سال اُنھوں نے انتقال کیا ابن عمر ان کے جنازہ میں گئے تھے لوگوں نے عصر کے بعد تک تاخیر کر دی تھی تو ابن عمر نے کہا اپنے صاحب پر نماز پڑھ لو قبل اسکے کہ آفتاب غروب کرے انکی اولاد مدینہ اور بغداد میں تھی زرد خضاب لگایا کرتے اور مونچھیں منڈواتے تھے (صنہ ۱۹۱ اسد الغابہ ج ۲)

مگر افسوس شرکت معرکہ کربلا سے یہ بھی محروم ہی رہے حضرت کی مدد نہ کی۔

ربیعہ بن المنذر حضرت معاویہ کے زمانہ میں لوگوں کو فتوے دیا کرتے تھے فقیہ تھے وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا شریعت پر مستقیم رہو کیا اچھی بات ہے، اگر تم مستقیم رہو اور وضو کی حفاظت کرو اور تمھارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے مرج راہط کے واقعہ میں مقتول ہوئے سنہ ۶۴ھ میں مروان بن حکم اور ضحاک بن قیس فہری کے درمیان سفیر تھے (صنہ ۲۳۶ اسد الغابہ)

کیا ایسے مقدس صحابہ پر امام حسینؑ کی امداد نہ لازم تھی جو صحابہ کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے اور صحابہ اُنکو اپنا قاضی و مفتی مانتے۔ خاص شام میں رہتے تھے۔

ربیعہ بن کعب بن مالک۔ یہ اصحاب صُفّہ سے تھے رسول اللہ کے دروازے پر رہا کرتے تھے اور آپ کو وضو کے لئے پانی دیا کرتے تھے واقعہ حرہ کے بعد سنہ ۶۳ھ میں وفات پائی (صنہ ۲۳۸)

مگر امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ اہل حجاز سے ہیں۔

(۱۲۹) رافع بن عمر وقیل ھو رافع بن ابی رافع اصابہ میں ہے کہ غزوۂ ذات السلاسل میں ابو بکر کے ساتھ تھے رافع کہتے ہیں کہ ابو بکر ہمکو اپنے فرش پر سُلاتے اور اپنا کپڑا اوڑھنے کو دیتے رافع نے ابو بکر سے کہا کچھ ایسی بات بتاؤ کہ ہم کو نفع دے ابو بکر نے کہا خدا کی عبادت کرو اور شرک نہ کرو اور نماز پڑھو تصدق کرو اگر مال ہو اور دار کفر چھوڑ کر ہجرت کرو اور دو آدمیوں پر بھی حکومت نہ اختیار کرو۔ (صنہ ۱۸۹ ج ۲)

استیعاب میں ہے لہ خبر فی صحبۃ ابی بکر فی غزوۃ ذات السلاسل (صنہ ۱۸۹ ج ۱)

کہ اسکی ایک خبر ہے دربارۂ صحبت ابو بکر بمقام ذات السلاسل اس کے سوا اور کچھ نہیں لکھا۔

اسد الغابہ میں بھی ہے یہ واقعۂ غزوۃ السلاسل میں شریک تھے اور اس میں حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ رہے اور ان کا قصہ مشہور رہے (صنہ ۲۱۲ ج ۲)

مگر افسوس اصل روایت کو کسی نے نہ لکھا کہ ابو بکر سے انکی وہ کونسی بات ہوئی جس کے تعلق کہا جاتا ہے کہ قصہ اُن کا مشہور ہے اب اسکی اصلیت کنز العمال ج ۳ صنہ ۱۳۵ میں ملاحظہ فرمائیے۔

رافع بن ابی رافع صحابی کا بیان ہے کہ جب ابو بکر کو لوگوں نے خلیفہ بنایا تو ہم نے کہا یہ تو ہمارا وہی صاحب ہے جو حکم دیتا تھا کہ کبھی دو آدمی پر بھی حکومت نہ کرنا اسی خیال سے ہم نے گھر سے سفر

سفر کیا اور وارد مدینہ ہوئے ابوبکر سے ملاقات کر کے کہا ہم کو پہچانتے ہو کہا ہاں تب ہم نے کہا یہ
بھی تم کو یاد ہے کہ ہمکو نصیحت کیا کرتے تھے دو آدمی پر بھی حکومت نہ کرنا پھر کیا ہو گیا کہ تم سارے
امت کے حاکم بن بیٹھے۔ ابوبکر نے کہا حضرت نے انتقال کیا اور لوگ تازہ عہد تھے کفر کے ساتھ (حضرت
کی نبوت کو ۲۳ سال گذر چکے تھے اس پر بھی تازہ عہد تھے) لہذا ہم کو یہ خوف ہوا کہ کہیں مرتد نہ ہوں
اور اختلاف نہ پیدا ہو اس لیئے ہم اس میں داخل ہوئے حالانکہ کنارہ کش تھے اور ہمیشہ ہمارے
اصحاب سمجھاتے رہے ابوبکر اسی قسم کا عذر بیان کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انکا عذر قبول کیا۔
ہم کو ابوبکر کے کلام سے غرض نہیں کیونکہ دول یورپ جو کل تک اسلامی ممالک کے دست برد میں مشغول
رہے تھے اور اُن کے وزرا جس قسم کی تقریریں کرتے تھے وہ سب کے پیش نظر ہیں پھر حضرت ابوبکر تو سب کے
استاد تھے مگر کون کہے کہ تیئیس برس تک حضرت نبوت فرما چکے تھے اس پر بھی سب مسلمان تازہ عہد بکفر
ہیں تو آپ کون سے قدیم الاسلام ہیں آپکے تازہ عہد بکفر ہونے کے متعلق تو وہی حدیث صحیح بخاری
کافی ہے جس میں آن حضرت آپکی بیٹی عائشہ سے فرما رہے ہیں کہ اگر تیری قوم تازہ مسلمان نہ ہوتی جسمیں
کسی مسلمان کو عذر نہیں ہو سکتا کہ ابوبکر اس میں ضرور داخل ہیں پھر حدیث ازالۃ الخفاء دیکھیئے کہ حضرت نے
بقسم شرعی فرمایا ابوبکر کے دل میں شرک کی چال چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے تو اُن کا یہ خلیفہ
بننا زیادہ کفر کی علامت ہے یا خوف کرنا کہ لوگ مرتد ہو جائیں گے۔

جس رسول نے تیئیس برس تک امت کی تعلیم کی اسکو تو اسکا خوف نہ ہوا کہ ہمارے بعد ہماری امت مرتد ہو جائیگی
جس کے لئے آپ انتظام کر جاتے اور آپ کو خوف ہوا کہ خلیفہ بن بیٹھے حالانکہ ہزار ہا روایات اہلسنت
موجود ہیں جنمیں ذکر ہے کہ حضرت نے اس کا اسی روز انتظام کیا تھا جس روز اپنی نبوت کا اعلان فرمایا پھر یہ کیسا
مہمل عذر ہے کہ ہم نے لوگوں کے کہنے سے قبول کر لیا۔

ہماری غرض اس تذکرہ سے صرف اس قدر ہے کہ معلوم ہو جن علماء نے حالات صحابہ میں کتابیں
لکھی ہیں اُنھوں نے کس درجہ بددیانتی سے کام لیا ہے۔

(۱۳۰) رافع مولی النبیؐ سعید بن عاص (بنی امیہ) کا ایک غلام تھا جس کو اُسکے اولاد نے
(آزاد) کیا مگر ایک شخص نے اپنا حصہ رسول اللہ کو ہبہ کیا اور حضرتؐ نے آزاد کر دیا اس وجہ سے وہ مولی
(آزاد کردہ) رسول کہلاتا تھا سنہ کے قریب عمرو بن سعید اشدق جو کہ سعید بن عاص کے خاندان سے
تھا خلیفہ بنا (جو آخر کو بعہد عبدالملک مارا گیا) تو اس رافع کو بلا کر پوچھا کس کا غلام ہے اُس نے کہا
آزاد کردہ رسول ہوں عمرو بن سعید نے سو کوڑے مارے پھر دوبارہ پوچھا تو اُس نے وہی جواب دیا پھر سو
کوڑے مارے گئے سہ بارہ جب سوال کیا تو جواب دیا میں تیرا غلام ہوں۔ (اصابہ ج ۲ صفحہ ۱)
اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ امت نے بھی جناب امام حسینؑ کی ۔۔ ذلیل ۔۔

تک اُس کے بعد زندہ رہا وہاں بنی امیہ کی اسلامی حالت بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ کی طرف نسبت بھی ناگوار تھی پھر تقیہ کی اجازت معلوم ہوئی کہ مارے خوف کے اس نسبت کو چھوڑ دیا اور غلامی عمرو بن سعید اشدق کو قبول کیا۔

(۱۳۱) رافع مولیٰ عائشہ غلام حضرت عائشہ راوی ہیں کہ حضرت نے فرمایا عادی اللہ من عادیٰ علیاً (صفحہ ۱۹۱ اصابہ) خدا اُسکو دشمن رکھے جو جناب امیرؑ سے عداوت کرے۔

مگر انہوں نے بھی جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی۔

(۱۳۲) رباح بن معترف۔ اس سے عبدالرحمان بن عوف نے فرمائش کی کچھ گاؤ تو اُسنے کہا نہیں کہا جب۔ وہ منع کریں تو چھوڑ دینا اُس نے گانا شروع کیا عمر نے پوچھا یہ کیا ہے۔ کہا عبدالرحمان کی فرمائش ہے عمر نے اُن سے پوچھا تو کہا ان سے۔ اہ کٹتی ہے عمر نے کہا اگر ایسا کرتے ہو تو ضرار بن خطاب کے اشعار گایا کرو۔ (صفحہ ۱۹۵ اصابہ)

دیکھئے عبدالرحمان بن عوف کے خیال سے گانا حلال کر دیا گیا اور اُس پر فرمائش بھی کی گئی۔

(۱۳۳) ربیع بن زیاد۔ یہ مخصوصین حضرت عمر سے تھے زیاد کی طرف سے حاکم خراسان تھے (صفحہ ۱۹۵ اصابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ سے محروم رہے۔

(۱۳۴) ربیعہ بن عباد۔ یہ بھی بڑے پایہ کے صحابی ہیں ولید بن عبدالملک کے زمانہ تک زندہ رہے۔ (صفحہ ۲۰۱ اصابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

(۱۳۵) ربیعہ حرشی۔ یہ بڑے بزرگ صحابی ہیں زمانہ معاویہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے ضحاک بن قیس کے ساتھ واقعہ مرج راہط میں مارے گئے سنہ ۶۴ھ۔ (صفحہ ۲۰۳ اصابہ)

مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی اور ضحاک بن قیس کے ساتھ جان دی۔

(۱۳۶) ربیعہ بن کعب بن مالک۔ یہ اصحاب صفہ سے تھے حضرت کے در دولت پر حاضر رہا کرتے بعد وفات رسول اللہ مدینہ سے ایک منزل پر جا کر قیام کیا سنہ ۶۳ھ زمانہ حرہ تک زندہ رہے مگر نصرت امام نہ کی (صفحہ ۲۰۴ اصابہ)

(۱۳۷) ربیعہ بن یزید السلمی۔ بخاری نے اسکو صحابی لکھا ہے مگر ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔

كان من النواصب يشتم علياً قال ابو حاتم لا يروى عنه ولا كرامة ومن ذكره في الصحابة فلم يصنع شيئاً انتهى وقد استدركه ابن فتحون و ابو علي الغساني و ابن مسعود على ابي عمر اعتماداً على قول البخاري۔ (صفحہ ۲۰۴)

(ابو عمر کہتے ہیں۔ لعین ناصبی تھا جو جناب امیرؑ کو گالیاں دیا کرتا ابو حاتم کہتے ہیں یہ اس قابل

نہیں ہے کہ اس سے روایت کی جائے جس نے اسکو صحابہ میں لکھا ہے اُس نے بےکار کام کیا۔
مگر ابن فتحون ابو علی علی ابن معوز کلام عبد البر کو رد کرتے ہیں کیونکہ بخاری نے اُس کو صحابی لکھا ہے۔
مگر حق یہ ہے کہ ابن عبد البر صاحب کا اس وجہ سے اعتراض کہ وہ ناصبی تھا جناب امیرؑ کو گالیاں دیا کرتا تھا خود تعجب خیز ہے کیونکہ صدہا صحابہ دشمن جناب امیرؑ تھے اور وہ صحابی کہے جاتے ہیں
پھر ربیعہ نے کیا قصور کیا جو وہ صحابیت سے خارج کیا جاتا ہے

(۱۳۸) رخصہ بن خزیمہ انصاری بن خفاف یہ اور ان کے بیٹے اور پوتا سب صحابی ہیں اس پر ابن حجر لکھتے ہیں:۔

اس حساب سے موسیٰ بن عقبہ کا یہ قول کہ ایک خاندان میں چار آدمی کا صحابی ہونا مختص ہے خاندان ابوبکر سے رد ہو جاتا ہے۔ (اصابہ صـ۲۰۵)

ہوا خواہان خلفا نے کیا کیا فضیلتیں خلفاء کے لیے گڑھتی ہیں جس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک خاندان میں چار آدمی کا صحابی ہونا مخصوص ہے ابوبکر سے حالانکہ ابن حجر نے علاوہ رخصہ کے اور بھی دو تین خاندان کا نام لکھا ہے کہ وہ سب بھی صحابی تھے ابن اسامہ بن زید بن حارثہ دوسرے ابن سلمہ بن عمرو بن الاکوع۔

(۱۳۹) رفاعہ بن رافع۔ انصاری بہت اعلیٰ درجہ کے صحابی ہیں بدر۔ احد۔ خندق بیعت الرضوان اور تمام مشاہد میں رسول اللہ کے شریک تھے اسد الغابہ میں ہے صـ۱۷۸ ج ۲۔

رفاعہ جنگ جمل میں حضرت علی مرتضیٰ کے ہمراہ تھے اور جنگ صفین میں بھی شعبی نے کہا ہے کہ جب طلحہ و زبیر عائشہ کی طرف گئے تو ام الفضل بنت حارث یعنی زوجہ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم نے حضرت علیؑ کو انکی خبر لکھ کر بھیجی حضرت علیؑ نے فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے لوگوں نے عثمان پر حملہ کیا اور اُن کو قتل کر دیا اور انھوں نے مجھ سے بغیر جبر کے بیعت کی اور طلحہ و زبیر نے بھی بیعت کی اب وہ لشکر لے کے عراق کی طرف گئے (پس حضرت علی مرتضیٰ سے مخاطب ہو کر) رفاعہ بن رافع زرقی نے کہا کہ جب اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے اُٹھا لیا تو ہم سمجھے تھے کہ ہم لوگ (یعنی انصار) اس امر خلافت کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ہم نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور ہمارا مرتبہ دین میں بڑا تھا مگر تم نے (اے مہاجرین) کہا کہ ہم مہاجر اولین ہیں اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دوست اور عزیز ہیں ہم تمھیں اللہ کی یاد دلاتے ہیں کہ تم رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جانشینی میں ہم سے مزاحمت نہ کرو پس ہم امر خلافت ہم نے تمھارے لیے چھوڑ دیا اور تم اس سے خوب واقف ہو اور اسکی وجہ کچھ اور نہ تھی سوا اسکے کہ ہم نے دیکھا حق پر عمل ہو رہا ہے اور کتاب اللہ کی پیروی کی جاتی ہے اور سنت رسول قائم ہے تو ہم راضی ہو گئے اور ہمکو سوا اس کے اور کیا چاہیے تھا اب ہم نے آپ سے

بیعت کی اور ہم نے رجوع نہیں کیا اب آپ سے اُن لوگوں نے مخالفت کی ہے جن سے آپ بہتر ہیں اور بہ نسبت اُن کے زیادہ پسندیدہ پس آپ ہمیں اپنے حکم سے مطلع فرمایئے اسی اثنا میں حجاج بن غزیہ انصاری آئے اور انھوں نے کہا کہ اے امیر المومنین اس معاملہ کا تدارک اس سے پہلے کرنا چاہیئے کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے میری جان کو کبھی چین نہ نصیب ہو اگر میں موت کا خوف کروں اے گروہ انصار امیر المومنین کی بھی مدد کرو جس طرح تم نے رسول خدا صلعم کی مدد کی تھی واللہ آخر کو اول سے نسبت ہوتی ہے ہاں مگر اول بہت افضل تھے۔" ان کا تذکرہ تینوں نے لکھا ہے۔

اس قصہ کو اسد الغابہ میں بہت اختصار سے اسی قدر لکھا ہے حالانکہ یہ بہت عظیم الشان قصہ ہے لہذا کتاب استیعاب سے لکھتے ہیں تاکہ ناظرین کو پورا فائدہ ہو ملاحظہ ہو۔ (صـ۱۸۲ـ ج ا مطبوعہ حیدر آباد دکن)
شعبی سے روایت ہے کہ:-

جب طلحہ و زبیر نے خروج کیا تو ام الفضل بنت حارث نے امیر المومنین کو اسکی اطلاع دی امیر المومنین نے فرمایا طلحہ و زبیر پر بڑی حیرت ہے جب حضرت رسالتمآب نے رحلت فرمائی تو ہمنے کہا کہ ہم حضرت ہی کے گھر والے اور آپکے وارث ہیں پیغمبرؐ کی حکومت کے بارے میں ہم سے کوئی نزاع نہ کرے گا مگر ہماری قوم والوں نے ہماری مخالفت کی اور ہمارے غیر کو حاکم بنالیا قسم بخدا اگر مسلمانوں میں پھوٹ پڑجانے کفر کے دوبارہ پلٹ آنے اور دین خدا کے مٹ جانے کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً ہم اس منصوبہ کو الٹ دیتے مگر ہم نے سختیوں پر صبر کیا پھر خدا کا شکر ہم نے کوئی برائی نہیں دیکھی پھر لوگ عثمان پر ٹوٹ پڑے اور انھیں قتل کر ڈالا اسکے بعد لوگوں نے میری بیعت کی کسی کو بھی ہم نے بیعت پر مجبور نہیں کیا طلحہ و زبیر نے بھی میری بیعت کی مگر بیعت کر کے ایک مہینہ بھی صبر سے نہ بیٹھے کہ بیعت توڑ کر عراق چل کھڑے ہوئے خداوندا تو ان سے مواخذہ کر تاکہ انھوں نے مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالا۔

رفاعہ بن رافع زرقی نے عرض کیا جب حضرت رسول خدا نے دنیا سے انتقال کیا تو ہمیں خیال ہوا کہ ہم اس حکومت کے زیادہ سزاوار ہیں کہ ہم نے رسول اللہ کی مدد کی تھی اور دین میں ہمارا مرتبہ بہت بڑا ہے تم لوگوں نے کہا کہ ہم مہاجرین اولین ہیں رسول اللہ کے قریبی رشتہ دار ہیں ہم تمھیں خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ تم پیغمبرؐ کی جانشینی کے لیے ہم سے نزاع نہ کرنا ہم نے حکومت کو تمھارے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اور نزاع ترک کر دی ہم تو صرف اس قدر دیکھ رہے تھے کہ حق کے مطابق عمل ہو رہا ہے کتاب خدا کی پیروی کی جا رہی ہے اور سنت رسول قائم ہے اسکے سوا ہمیں کچھ اور درکار نہ تھا یہی ہم چاہتے بھی تھے جب دیکھا کہ اب خاندان پرستی کی جانے لگی ہے تو ہم محض خوشنودی خدا کے لیے مخالف ہو گئے۔ (اشارہ ہے قتل عثمان کی طرف) پھر ہم نے آپ کی بیعت کی اور خدا کے فضل و کرم سے خسارہ میں نہیں رہے اب آپ کی مخالفت وہ لوگ کر رہے ہیں جن سے ہم آپ کو افضل جانتے ہیں اور پسندیدہ

سمجھتے ہیں لہذا جو حکم دیجئے ہم اسکی تعمیل کو حاضر ہیں۔

حجاج بن غزیہ انصاری آئے اور انھوں نے کہا امیر المومنین قبل اسکے کہ موقع ہاتھ سے نکلے جلد خبر لیجئے

اے گروہ انصار! تم امیر المومنینؑ کی نصرت کرو آخر میں جیسا کہ تم نے رسول کی نصرت کی تھی اول

میں یہ نصرت پہلی نصرت کے مشابہ ہے مگر یہ کہ پہلی نصرت رسول اللہ کی افضل تھی۔

صالح بن کیسان شعبی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے جنگ جمل کو روانہ ہوتے وقت تقریر فرماتے ہوئے کہا۔

"خدا نے جہاد کو مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور اسکو اپنی نصرت اور جہاد کرنے والے کو اپنے ناصر کا خطاب دیا ہے دین و دنیا بغیر اس جہاد کے استوار نہیں ہو سکتی۔ ہم چار شخصوں میں مبتلا ہوئے ایک طلحہ جو بہت ہی چالاک اور سخاوت کرنے والے ہیں دوسرے زبیر جو شجاع ترین خلائق ہیں تیسرے عائشہ جن کی سب سے زیادہ اطاعت کیجاتی ہے چوتھے یعلےٰ ابن امیہ جو سب سے زیادہ فتنہ کی طرف دوڑنے والے ہیں خدا کی قسم وہ نہ ہمارے کسی فعل پر ناراض ہوئے نہ ہم نے کوئی مال ہتھیایا نہ اپنی خواہش سے کوئی کام کیا یہ لوگ مجھ سے وہ حق طلب کر رہے ہیں جسکو خود انھوں نے پورا نہیں کیا اور اس خون کا قصاص لینا چاہتے ہیں جسے خود انھیں نے بہایا ہے اب اگر میں اس میں ان کا شریک تھا تو پھر اس میں ان کا بھی تو حصہ نکلتا ہے اور اگر وہی اسکے مرتکب ہوئے ہیں میں نہیں تو پھر اسکی سزا بھی صرف انھیں کو بھگتنا چاہیئے۔

خون عثمان کا جو کچھ الزام ہے انھیں پر ہے اور وہی فئہ باغیہ ہیں انھوں نے خود ہماری بیعت کی اور پھر بیعت توڑ ڈالی انھوں اتنا بھی صبر نہ کیا کہ دیکھتے ہم عدل کرتے ہیں یا جور۔ اور ہم راضی ہیں حجت خدا پر جو ان پر تمام ہوئی اور علم خدا پر جو ان کے بارے میں ہے ہم ان سب باتوں کے باوجود انھیں پھر بلاتے ہیں اور عذر خواہ ہیں اگر قبول کریں تو توبہ مقبول ہوتی ہے اور حق زیادہ سزاوار ہے بہ نسبت اسکے جسکی طرف وہ گئے ہیں اور وہ انکار کریں گے تو ہم بھی تلوار کی باڑھ کو ان کے آگے کر دیں گے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے۔ قسم خدا کی طلحہ و زبیر اور عائشہ خود جانتے ہیں ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔ انتہیٰ۔ (ترجمہ استیعاب ج ۱ ص ۱۸۲)

اب استیعاب کی اس روایت کو دیکھئے اور اس روایت کو جو اسد الغابہ میں درج ہے تو معلوم ہو کس درجہ کتمان حق کی کوشش کی گئی ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے تو اور بھی کمال کیا مطلقاً اس واقعہ کو لکھا ہی نہیں بلکہ صرف اتنا لکھا ہے۔

"ضرار ابن صرد نے اپنے اسناد سے عبد اللہ بن ابی رافع سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ معرکہ صفین میں شریک ہوئے اور ابو عمرو صاحب استیعاب نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جنگ جمل میں بھی شریک ہوئے تھے ابن نافع کا بیان ہے کہ ان کا انتقال ... "

سنہ ۲۰ھ میں ہوا۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲)

اس واقعہ سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ علمائے اہلسنت نے احوال صحابہ لکھنے میں کیسی کیسی تحریف کی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ متقدمین اہلسنت اپنی تصانیف میں اگر کچھ سچی باتیں لکھ بھی جاتے تھے تو بعد کے علماء بالالتزام ان باتوں کو حذف کر دیتے تھے کیونکہ استیعاب مقدم ہے اسکے بعد اسد الغابہ لکھی گئی اسکے بعد اصابہ جس میں پوری طرح پردہ ڈال دیا گیا ہے۔

اس روایت نے اچھی طرح واضح کر دیا کہ جناب امیرؑ ان خلافتوں کو کیسا سمجھتے تھے حضرت فرماتے ہیں۔

ہم اپنے کو سب سے زیادہ حقدار خلافت رسولؐ جانتے تھے اور ہمیں اس کا گمان بھی نہ تھا کہ کوئی ہم سے نزاع کرے گا مگر قوم نے غیروں کو خلافت دی اور دوسروں کو خلیفہ بنا دیا۔

اب اس سے بڑھ کر ظلم و غصب کی صراحت کیا ہو سکتی ہے کہ جن کو کسی طرح کا استحقاق نہ تھا وہ خلیفہ بنا دیے گئے اس پر بھی کہا جاتا ہے کہ جناب امیرؑ میں اور ان میں اتحاد تھا حالانکہ حضرت فرماتے ہیں۔

" اگر اس کا خوف نہ ہوتا کہ لوگوں میں پھوٹ پڑ جائے گی کفر پھر پلٹ آئے گا اور دین خدا مٹ جائیگا تو ہم ضرور اس منصوبہ کو پلٹ دیتے "

اگر یہ انتظام خلافت درست تھا تو امیرالمومنین کو تبدیلی کی کیا ضرورت تھی اور اس تبدیلی سے اسکا خوف کیوں تھا کہ دین اسلام مٹ جائے گا تاریخ و حدیث کی کتابیں اسکی شاہد ہیں کہ حضرات شیخین نے ابو سفیان اور اشعث بن قیس ایسے منافقین و ملحدین کو ان کی ذراسی دھمکی پر اس ڈر سے کہ کہیں یہ فساد نہ برپا کر دیں عہدہ و مناصب کی طمع دیکر اپنے سے ملا لیا لہذا کس کو شبہ ہو سکتا ہے اس میں کہ اگر امیرالمومنینؑ ان غاصبان خلافت سے جہاد کرتے تو یہ لوگ کھلم کھلا کافروں سے ساز باز کر کے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتے۔

رفاعہ نے جو قوم انصار کی خدا ترسی کو بیان کیا کہ ہم لوگ محض اس وجہ سے حکومت پر قبضہ کرنے سے باز رہے کہ مہاجرین پیغمبرؐ کے ہم خاندان اور ان کے قرابت مند ہیں اس چیز کو خود جناب امیرؑ نے مہاجرین کے مقابلہ میں پیش کیا۔ چنانچہ علامہ ابن قتیبہ الامامت والسیاست میں لکھتے ہیں:۔

پھر حضرت علیؑ کو زبردستی ابوبکر کے پاس لائے گئے آپ فرما رہے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور پیغمبرؐ کا بھائی ہوں، آپ سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو آپ نے فرمایا کہ میں خود تم لوگوں سے زیادہ حقدار ہوں بیعت کئے جانے کا میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا تمہیں خود میری بیعت کرنا چاہیئے تم نے انصار سے تو یہ کہہ کر خلافت لی کہ ہم رسول خدا کے ہم خاندان اور قرابت دار ہیں مگر ہم جو اہل بیت پیغمبرؐ اور انکے گھر والے ہیں ان سے تم اس خلافت کو غصب کئے لیتے ہو۔ کیا تم نے انصار سے نہیں کہا تھا کہ ہم اس وجہ سے مستحق خلافت ہیں کہ رسولؐ ہم (مہاجرین) سے تھے انصار نے تمہاری بات مان لی اور خلافت تمہارے حوالے کر دی اب یہی دلیل ہم تم پر پیش کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ سے آپ کی زندگی اور مرنے کے بعد بہر حال

سب سے زیادہ قریب تر ہیں پس اگر ایمان والے ہو تو انصاف سے کام لو ورنہ جس طرح چاہو جان بوجھ کر ظلم کر لو۔ عمر نے کہا تم چھوڑے نہ جاؤ گے جب تک بیعت نہ کرو گے۔ حضرت علی بولے کہا اے عمر آج ناقہ خلافت کا دودھ دوہ لو کہ تمہارا بھی اس میں حصہ ہے آج ابوبکر کے لئے اس خلافت کو مضبوط کر دو کہ کل تم ہی کو وہ واپس کر دینگے۔ پھر فرمایا اے عمر قسم بخدا ہم تمہارا کہنا ہرگز نہ مانیں گے نہ ابوبکر کی بیعت کریں گے۔ ابوبکر نے کہا اگر بیعت نہیں کرتے تو ہم مجبور بھی نہیں کرتے۔" (صـ۱۹)

ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ رفاعہ بن رافع انصاری نے مہاجرین کی خلافت مان لینے کی جو وجہ بیان کی تھی اُسکو خود جناب امیرؑ نے بھی مہاجرین کے سامنے پیش کیا کہ جب انصار اس حق سے دستبردار ہو گئے تو کیا وجہ ہے کہ جب وہی دلیل ہم پیش کرتے ہیں تو تم نہیں مانتے اور ظلم و جور پہ آمادہ ہو۔

اسی کے ساتھ اس نیرنگی کو بھی دیکھ لیجیے جس کا مظاہرہ خلیفۂ دوم نے بمقابلہ انصار کیا تھا۔ علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں :-

جب انصار نے سقیفہ میں یہ صدا بلند کی کہ منّا امیر و منکم ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہو تو عمر نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ایک میان میں دو تلوار رہے۔ عرب والے کبھی اس پر راضی نہ ہونگے کہ خلیفہ تم میں سے ہو جبکہ پیغمبرؐ تم میں سے نہیں تھے وہی شخص حاکم ہو سکتا ہے جو خاندان نبوت سے ہو اگر عرب ہم سے مخالفت کریں گے تو ہم کو یہ حجت ظاہرہ اور سلطان مبین حاصل ہے کون شخص ہے جو سلطنت محمدؐ اور انکی میراث کے بارے میں ہم سے نزاع کرے جبکہ ہم پیغمبرؐ کے رشتہ دار اور انکے خاندان والے ہیں ایسا وہی کر سکتا ہے جو باطل پرست گنہگار اور ہلاکت میں غوطہ لگانے والا ہو۔

(کتاب الامامت والسیاست صـ۱۳)

اب بتائیے یہی سب خطابات خود اُن کو حاصل ہوئے یا نہیں جناب امیرؑ کے مقابلہ میں کہتے ہیں اگر بیعت نہ کرو گے تو قتل کر ڈالیں گے۔

سُبحان اللہ انصار کے مقابلہ میں تو یہ دعوے ہو ہماری مخالفت کون کر سکتا ہے؟ ہم تو رسول اللہ کے قوم و قبیلہ سے ہیں اور جناب امیرؑ کے مقابلہ میں یہ ہوا کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو گردن ماریں گے۔

یہاں تو عمر صاحب وارث میراث رسول بنتے ہیں :-

من ینازعنا سلطان محمد و میراثہ۔ (صـ۱۳)	کہ حضرتؐ کے سلطنت اور میراث میں کون ہماری مخالفت کر سکتا ہے۔

اور جناب سیدہؑ کے مطالبۂ فدک میں یہ حدیث بنتی ہے :-

نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث۔	کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کسی کو میراث دیتے ہیں

فرمائیے یہ کس قسم کی دیانت داری ہے۔

(۱۳۹) روح بن زنباع جذامی ان کے صحابی ہونے میں اختلاف کیا گیا مگر امام مسلم بن حجاج (امام مسلم) نے الاسماء والکنیٰ میں لکھا ہے کہ ابو زرعہ یعنی روح ابن زنباع جذامی صحابی ہیں۔
یہ روح عبد الملک بن مروان بادشاہ شام کے یہاں بہت مقرب تھے عبد الملک کہتے تھے کہ روح میں اہل شام کی عبادت اور اور اہل عراق کی عقلمندی اور اہل حجاز کی فقہ جمع ہے (اسد الغابہ ج۲ اصابہ میں ہے وماتت سنۃ اربع وثمانین ص۲۱۶ کہ سنہ ۸۴ھ میں انکی وفات ہوئی۔
مگر افسوس نصرت امام حسین نہ کی بلکہ یہ مخالفین جناب امیرؑ سے تھے کہ جنگ صفین میں یہ معاویہ کے ساتھ تھے۔

ہاں ایک واقعہ انکا کتاب حیات الحیوان علامہ دمیری شافعی میں قابل دید ہے (ص۵۵ ج۱) بخیال اختصار صرف ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

امام کسائی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ عباسی ہارون رشید کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اپنے ایوان خلافت میں بیٹھے تھے اور سامنے اُن کے بہت سا مال پڑا ہوا تھا جس کو وہ اپنے خدام اور ارکان سلطنت میں تقسیم کر رہے تھے ہارون رشید کے ہاتھ میں ایک چمکیلا درہم تھا جس کی کتابت چمک رہی تھی اور بار بار بنظر غور و تامل دیکھ رہے تھے گویا کوئی خاص بات اس کی باعث تھی۔

ہارون رشید کی عادت تھی کہ اکثر مجھ سے (امام کسائی سے) ادھر اُدھر کی حکایتیں بیان کیا کرتے پوچھا کہ جانتے ہو کس نے سب سے پہلے اس سکہ کو طلا و نقرہ میں جاری کیا۔
امام کسائی۔ عبد الملک بن مروان نے اسکو جاری کیا۔
ہارون رشید۔ اس کا سبب کیا ہوا کیوں اسکی ایجاد ہوئی؟
امام کسائی۔ مجھے تو اور کچھ نہیں معلوم صرف اس قدر جانتا ہوں کہ عبد الملک نے جاری کیا۔

ہارون رشید۔ یہ فعل خالی از علت نہیں ہے اسکی ایک وجہ ہے جسکو میں بیان کرتا ہوں اصل یہ ہے کہ سابق زمانہ میں کاغذ جتنا ہوتا وہ سب رومیوں کے کارخانہ سے آتا تھا اور اہل مصر چونکہ نصرانی تھے قیصر روم کے مذہب پر اس لئے (طراز) مارکہ ان سب کاغذوں کا اس عنوان سے ہوتا ابن اب روح عبد الملک کے خلافت تک یہی مارکہ جاری رہا چونکہ یہ مارکہ زبان رومی میں تھا اور طغرا میں اسلئے کسی کو خبر نہ ہوئی نہ کسی نے اس کی تفتیش کی برابر یہی کاغذ مروج رہے۔ عبد الملک کو ایک دفعہ کچھ شبہ ہوا ایک کاغذ دیکھ کر

مترجم سے کہا اس کا عربی میں ترجمہ کرو اس نے بیان کیا کہ اقانیم ثلاثہ۔ اب۔ ابن۔ روح کے نام کا مارکہ بنایا گیا ہے اس پر عبد الملک نے کہا یہ تو اسلامی قواعد کے بالکل خلاف ہے کہ اس قسم کا مارکہ ممالک اسلامی میں جاری ہو حالانکہ یہ کاغذ سب ممالک بعیدہ میں جاتے ہیں موقوف ہونا چاہیے یہ مارکہ عیسائیوں کا صرف کاغذ ہی پر نہیں ہوتا تھا بلکہ ظروف وغیرہ بھی جو مصر میں سفتے یا پردے وغیرہ بنائے جاتے یا کسی قسم کا کپڑا وہاں تیار ہوتا اُن سب پر بھی مارکہ رہتا اور وہی تمام ممالک اسلامی میں رواج پاتا کیونکہ یہ کل صنعتیں رومیوں سے متعلق تھیں لہذا عبد الملک نے اپنے بھائی عبد العزیز بن مروان کے نام جو مصر کا منجانب عبد الملک گورنر تھا اس مضمون کا حکم نامہ بھیجا کہ اس عیسائی مارکہ کو موقوف کرے کاغذ یا پردہ یا اور جو کپڑہ وغیرہ وہاں تیار ہو اُن سب کے یہ مارکہ موقوف کر دیا جائے اور اس حکم کی منادی کر دو کہ جو اسکی مخالفت کرے گا وہ مستحق تعزیر ہوگا اور کاغذ کے کارخانہ داروں کو ہدایت کیجائے کہ وہ اس مضمون کا مارکہ تیار کریں شہد اللہ انّہ لا الٰہ الّا ھو چنانچہ یہ مارکہ اُس وقت سے آج تک تمامی ممالک اسلامی میں جاری ہے اس مضمون کے فرمان شاہی تمام ممالک مقبوضہ میں جاری ہوئے کہ جو کاغذ رومی نشان کے ملک میں جاری ہیں ان سب کو منسوخ کر کے نئے نشان کے کاغذوں کو رواج دیں اور جو مخالفت کرے گا وہ مستوجب تعزیر ہوگا۔

جب اس نئے نشان کے کاغذوں نے رواج پایا جن کلمہ توحید ثبت تھا تو اہل روم کو بھی اس واقعہ سے اطلاع ہوئی اور رفتہ رفتہ یہ خبر قیصر روم کو بھی پہونچی جس سے وہ نہایت درجہ طیش میں آیا اور ایک دوستانہ خط بنام عبد الملک لکھا کہ تمھارے قبل جتنے خلفا گذرے ہیں اُن سب نے اسی مارکہ کو جائز رکھا تھا کسی نے کچھ اعتراض کیا نہ تبدیلی کا قصد کیا یہاں تک کہ تمھاری خلافت کا زمانہ آیا اب اسکا اقرار کرو کہ تم بر سر خطا ہو اور خلفاء سابق سب بر سر صواب تھے یا وہ سب خاطی تھے اور تم بر سر صواب ہو ان دونوں باتوں سے ایک بات کا اقرار کرنا تم پر لازم ہوگا دیکھو میں تمھاری شان کے موافق تحفہ و ہدایا روانہ کرتا ہوں جس کے بابت میں مجھے امید ہے کہ تم قبول کرو گے اور میری حاجت برلاؤ گے کہ پرانے مارکہ کے اجرا کی اجازت دو میں آپ کا شکر گذار ہوں گا۔

عبد الملک نے سفیر کو مع ہدایا واپس کیا اور خط کا کچھ جواب نہ لکھا تاکہ معلوم ہو یہ عرض قابل قبول نہیں۔

قیصر نے دوبارہ سفیر روانہ کیا اور تحفہ کے مقدار کو المضاعف (دو تا) کیا اور اس مضمون کا خط لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میرے ہدیہ کو کم مقدار سمجھا لہذا المضاعف کر کے اسی مطلب کا خواستگار ہوں۔

عبدالملک نے اس دفعہ بھی کچھ جواب نہ دیا اور سفیر کو مع تحائف واپس کیا۔
تب تیسری دفعہ قیصر نے یہ تہدید آمیز خط لکھا کہ تم نے میرے خط کا کوئی جواب نہ دیا اور میرا ہدیہ قبول کیا نہ میری حاجت براری کی، پہلے تو مجھے گمان تھا کہ تم نے مقدار ہدیہ کو کم تصور کیا ہے لہذا دوبارہ اسکی افزائش کی۔ اور پھر سہ بارہ میں نے اس کی مقدار بڑھائی، لیکن اب معلوم ہوا کہ تم میری توہین چاہتے ہو نہ جواب خط دیتے ہو نہ میرے ہدایا کو قبول کرتے ہو اب میں مسیح کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم نے رومی سکہ کے رواج کا حکم نہ دیا، اور اپنے اس مارکہ توحید کو بند نہ کیا تو میں بھی درہم و دینار کے بارے میں حکم جاری کروں گا کہ تمہارے رسول اللہ پر گالیاں کھلے لفظوں میں نقش کئے جائیں جو تمہارے تمامی ملک میں رواج پائے گا۔ کیونکہ تم کو خوب معلوم ہے کہ اسلامی ملک کا کوئی سکہ نہیں جو نقش ہمارے ملک میں سکون پذیر ہوتا ہے وہی سکہ تمہارے ملک میں جاری رہتا ہے اس خط کو پڑھ کر اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالو۔ اور میرا ہدیہ قبول کر کے بدستور سابق قدیم مارکہ کے رواج کا حکم دو جس سے ہماری اور آپکی محبت سابقہ بحال و قائم و برقرار ہے۔

قیصر روم کا یہ خط جس وقت پہونچا۔ عبدالملک پر اس نے ایسا گہرا اثر ڈالا کہ دنیا اس کی نگاہوں میں تاریک ہو گئی کوئی بات نہیں بنتی تھی سوچتا ہے کہ میں کیسا شامت پیدا ہوا جس کے بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر علی العموم گالیاں رواج پائیں گی۔ اس عیسائی بادشاہ نے اگر اپنا قول پورا کیا تو ہمیشہ کو یہ الزام مجھ پر رہجائے گا جس کا کوئی دفعیہ نہیں ہو سکتا کیونکہ تمامی ممالک اسلامی کے معاملات انھیں درہم و دینار سے ہوتے ہیں جو ملک روم میں ڈھلتے ہیں اور ہم کوئی جواب اس کا نہیں رکھتے۔

عبدالملک کے اس تردد و انتشار نے یہاں تک ترقی کی کہ جتنے علماء و فضلاء و صحابہ و تابعین اہل اسلام سے وہاں موجود تھے سب کو جمع کیا اور اس بارے میں کمیٹی کی کہ کونسی تدبیر اختیار کی جائے جو یہ بلا دفع ہو اور پھر اپنی بات بھی رہ جائے؟

یہ معاملہ ایسا نہ تھا کہ معمولی عقل والے انسان اس کو طے کر لیتے۔ سب خاموش رہے۔ کچھ جواب نہ دے سکے۔ تب وزیر اعظم روح بن زنباع نے نہایت آزادی اور جرأت سے کہا کہ تو خوب جانتا ہے اس شخص کو جس کی بدولت اس مخمصہ سے نجات پا سکتا ہے مگر عمداً اس کو ترک کرتا ہے۔

"عبدالملک نے کہا خدا تیرے مونہہ کو برباد کرے مجھ پر واضح کر وہ کون شخص ہے"

روح بن زنباع تجھے لازم ہے کہ رجوع کرے حضرت امام محمد باقر کی طرف جو اہلبیت نبی سے ہیں کہ صرف انھیں سے یہ معما حل ہو سکتا ہے۔

عبدالملک! سچ کہا تو نے مگر میری رائے اُن کے بارے میں متزلزل ہے" (اس سے معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے جانتا تھا مگر متامل تھا) اس کے بعد گورنر مدینہ کے نام خط لکھا کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو بہ تعظیم و احترام میرے پاس روانہ کرو اور اُن کے زادراہ و اخراجات کے لیئے ضروری سامان فراہم کرو۔ اور روانگی میں سختی نہ کرنا بلکہ بملاطفت و نرمی روانہ کرنا کہ جس کو چاہیں اپنے ہمراہ لائیں۔

عبدالملک نے یہ خط مدینہ روانہ کیا اور سفیر قیصر روم کو اُس وقت تک اپنا مہمان رکھا کہ حضرت تشریف لائے۔ جب جناب امام محمد باقر علیہ السّلام تشریف لائے تو عبدالملک نے یہ سارا ماجرا عرض کیا۔ امامؑ نے فرمایا یہ تو کوئی ایسی بات نہ تھی جس میں تو اسقدر پریشان ہو کیونکہ اولاً خود خداوند عالم محافظ ہے جو قیصر روم کے ارادہ کو کبھی اس بارے میں کامیاب نہ ہونے دیگا کہ رسول اللہ پر سبّ و شتم جاری ہونے پائے۔

ثانیاً تو مجبور بھی نہیں ہے بخوبی اسکی تدبیر کر سکتا ہے۔

عبدالملک میں کیا کر سکتا ہوں۔؟

امام علیہ السلام! تو اسی وقت کاریگروں کو بلوا کر درہم و دینار کا اسلامی سکّہ ڈھلوا سکتا ہے ایک طرف کلمۂ توحید ثبت کرلے اور دوسری طرف اسم مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔ اور اُس کے حلقہ میں نام شہر اور سنہ ضرب ثبت کراؤ کہ یہی اسلامی سکہ رواج پائے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اوزان بتائے کہ بھئی درہم کے اس وقت جاری ہیں ایک بغلی جو ۱۰ مثقال کے دس ہوتے ہیں۔ دوسرے سمری خفاف جو ۶ مثقال کے دس ہوتے ہیں۔ اور تیسرا ۵ مثقال کا دس یہ کل ۲۱ مثقال ہوتے۔ اسکو ۳ پر تقسیم کرو تو حاصل تقسیم ۷ مثقال ہوا۔ اسی سات مثقال کے دس درہم بنوالئے اور اسی ۷ مثقال کی قیمت کے سونے کے دینار بنا جس کا خورده دس درہم ہو۔

سکہ درہم کا نقش چونکہ فارسی میں تھا اس لیئے فارسی رہی ہیں اس کا بھی نقش رہنے دیا اور دینار کا سکہ رومی حرفوں میں۔ کیونکہ اسی انداز کے سکّہ کی چلن داری تھی۔

اور ڈھلنے کا سکہ کانچ کا بنوایا تاکہ زیادتی و نقصان سے محفوظ رہے۔

امام علیہ السّلام نے یہ سب تعلیم دیکر ارشاد فرمایا کہ اس اسلامی سکہ کو تمامی بلاد اسلامیہ میں جاری کردے اور اس مضمون کے فرمان کا اعلان کر کہ ہر شخص اس نئے سکّہ کو استعمال کرے اور بصورت خلاف ورزی وہ مستحق سزا ہوگا کہ اس ذریعہ سے رومی سکّہ کا استعمال موقوف

ہو جائے گا اور یہی اسلامی سکہ ہر جگہ رواج پائے گا۔

عبد الملک نے جناب امام علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اسلامی سکہ بنوایا۔ اور ہر جگہ اس مضمون کا فرمان بھیجا کہ جو اس سکہ کے خلاف دوسرے سکہ کو مصرف میں لائیگا وہ واجب القتل ہوگا۔ تب سفیر قیصر روم کو رخصت دی اور وہی جواب جو امام علیہ السلام نے فرمایا تھا اُس سفیر سے کہا کہ جا کر قیصر روم سے کہدینا کہ جس بات کی تو نے دھمکی دی ہے اُس کو کر ڈالے کہ خدا کبھی تجھکو چلنے نہ دیگا۔ میں نے تیرے سکہ کو اپنے ممالک مقبوضہ میں باطل کر دیا ہے اور اس مضمون کا فرمان جاری کیا ہے کہ جو شخص سکہ رومی کو یا رومی مارکہ کی اشیاء کو استعمال میں لائے گا وہ واجب القتل ہوگا قیصر روم کے پاس جب یہ جواب پہونچا تو وہ دم بخود ہو کر خاموش ہو گیا۔ لوگوں نے اُس سے کہا کہ جو دھمکی تو نے بادشاہ عرب کو دی تھی (دشنام دہی رسول اللہ کی) اب کیوں نہیں اُسکا اجرا کرتا؟ تو قیصر نے جواب دیا کہ جس وقت میں نے دھمکی دی تھی اُس وقت البتہ میں اس پر قادر تھا اب تو مجبور ہوں کیونکہ اہل اسلام اس سکہ سے لین دین نہ کرینگے۔ تو پھر اس قسم کے سکہ سے کیا نفع ہوگا۔ امام علیہ السلام نے جسکی خبر دی تھی کہ قیصر اس امر کی اشاعت پر قادر نہیں ہوگا اس کی تصدیق بخوبی ظاہر ہوئی۔ یہ حکایت بیان کر کے ہارون رشید نے وہ درہم جو ہاتھ میں لیئے تھا پھینک دیا۔

افسوس کہ باوصف عرفان حق دنیا کی محبت ایسی غالب تھی کہ محبت خاندان رسالت کو چھوڑ کر یہ خلفائے بنی امیہ کے رازدار اور طرف دار تھے جس کا نتیجہ یہ ملا کہ ولید نے خود عبد الملک کے سامنے کہا یہ شخص جھوٹ بولتا ہے۔ (ص۲۶۲)

تو کیا ایسے ہی جھوٹے صحابی پر اہلسنت کو ناز ہے۔

(۱۳۹) ربیعہ بن زرارہ عتکی۔ یہ بصرہ میں رہتے تھے ایک سو بیس برس تک زندہ رہے زمانہ حجاج میں وفات ہے (ص۲۲ اصابہ جلد۲)

مگر افسوس نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

(۱۴۰) رفیع بن مہران ابو العالیہ۔ زمانہ رسول میں پیدا ہوئے (صحابی ہوئے) ابوبکر و عمر کے پیچھے آکر نماز پڑھا بہت بڑے تابعی ہیں رواۃ اہلسنت میں اعلیٰ ہیں مگر امام شافعی ان کی روایت کو ریاح کہتے ہیں ۹۰ھ یا ۹۳ھ یا ۱۰۶ھ میں وفات ہے۔ (اصابہ ص۱۴۳)

مگر نصرت امام حسین میں اُنھوں نے بھی ایک قدم نہ بڑھایا۔

(۱۴۱) ربیعہ بن امیہ۔ بن خلف بن وہب قرشی ہے حجۃ الوداع میں شریک تھا حضرت نے اُن کو بھی ایک حجیہ کی حکومت دی تھی اُس نے خواب دیکھا تھا کہ ہم زمین شاداب سے نکل کر ایک غیر آباد

زمین میں چلے گئے ہیں جب ابوبکر سے بیان کیا اور کہا۔

ودایتک فی جامعۃ من حدید عند سریر الی الحشر۔ (صـ۲۲۴ اصابہ)
اور میں نے آپ کو دیکھا کہ طوق و زنجیر میں گرفتار ہیں حشر تک۔

جسکی ابوبکر نے یہ تعبیر دی کہ تو اسلام سے نکل کر کافر ہو جائے گا اور جس دین میں ہم ہیں یہ اشد الاشیا ہے حشر تک (مگر افسوس ایسی تعبیر دی جو خلاف واقع ہے کیونکہ یہ خواب خلافت کے متعلق تھا جسمیں وہ قیامت تک مبتلا رہے) مگر استیعاب میں ہے کہ یہ تعبیر عمر نے دی تھی۔

یہی ربیعہ بن امیہ کہ جورات کو شراب پی رہا تھا تو عمر سیڑھی لگا کر اسکے مکان پر چڑھ گئے اور اس نے جواب دیا کہ ہم نے اگر ایک خطا کی تو آپ نے تین کہ سیڑھی لگا کر ہمارے گھر میں داخل ہوا اور تجسس کیا اور بغیر سلام داخل ہوا حالانکہ خدا نے منع کیا ہے۔

اسی ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا تھا جو حاملہ ہوئی اس کے بعد عمر نے متعہ سے منع کیا۔

عمر نے ربیعہ بن امیہ پر حد شراب خمر نہیں جاری کیا بلکہ مدینہ سے نکالا کہ حکم دیا کہ خیبر میں رہا کرے وہاں سے نکل کر ہرقل شاہ روم کے پاس چلا گیا جسکے بعد عمر نے کہا اب میں کسی مجرم کو جلا وطن نہ کرونگا۔ (صـ۲۲۵ اصابہ جلد ۱)

(۱۴۲) رویشد ثقفی۔ صحابی ہیں ان کے مکان میں شراب کی بھٹی تھی جہاں شراب فروخت ہوا کرتی عمر نے اس مکان کو جلوا دیا کیونکہ اسی مکان میں یہ بھی رہتا تھا جو محلہ بنی عدی خاندان عمر تھا۔ (صـ۲۱۲ اصابہ)

(۱۴۳) ربیعہ بن عبداللہ بن ہدیر بھی بقول ابن حبان صحابی ہے کان من خیار الناس تعریف میں کہا جاتا ہے خیار ناس سے تھا۔ مگر افسوس اس نے بھی امام حسین ع کی نصرت نہ کی ۹۳ھ میں وفات کی (صـ۵۱۶ اصابہ جلد ۲)

(۱۴۴) ربعی بن خراش کو بعض لوگ تابعی جلیل لکھتے ہیں نعیمہ نے فضائل الصحابہ میں ان کا ذکر لکھا ہے۔

قال العجلی تابعی ثقۃ من خیار الناس لم یکذب قط۔
بہت اچھا آدمی تھا کبھی جھوٹ نہ بولا۔

کوفہ میں رہتا تھا حضرت نے اسکے باپ کو خط لکھا اس نے اس خط کو چاک کر ڈالا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت پیغمبر خدا کے زمانہ میں صاحب ہوش و حواس تھا ۱۰۱ھ میں وفات ہو۔ (اصابہ صـ۵)

مگر نصرت امام حسین ع سے یہ دستکش رہا اور کسی طرح حضرت کی مدد نہ کی حالانکہ کوفہ میں رہتا تھا۔

(۱۴۵) ربیع بن محمود۔ ماردینی دعوی صحابیت تھا ۵۹۹ھ تک زندہ رہا۔ (صـ۲۲۳ اصابہ)

حضرات اہلسنت کے صحابہ پرستی کی حد ہوگئی کہ جس شخص نے بھی دعوی صحابیت کیا وہ صحابی ہوگیا

ذہبی تو اس کو دجال کہتے ہیں مگر بہت سے علماء یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضرتؐ کو اس نے خواب میں دیکھا تھا۔

(۱۴۶) **رتن بن عبداللہ ہندی۔** سات سو برس زندہ رہے سنہ وفات ۵۹۶ھ ہے اس میں بھی اختلاف ہے بہت سے لوگ تو منکر ہیں مگر علامہ صلاح صفدی بہت زور سے انکا وجود ثابت کرتے ہیں

ولما اجتمعت بشیخنا مجد الدین الشیرازی شیخ اللغۃ بربید وھواذ ذاک قاضی القضاۃ ببلاد الیمن رایتہ ینکر علی الذھبی انکار وجود رتن (ص۳۳ قلم)

یعنی قاضی القضاۃ مجدالدین شیرازی بہت انکار کرتے تھے ذہبی پر جو منکر وجود رتن تھے مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت سے یہ بھی محروم رہا۔ ہاں چند حدیثیں اسکی یادگار رہ گئی ہیں جس میں سے ایک حدیث یہ ہے۔

ما من عبد یبکی یوم اصیب ولدی الحسین الا کان یوم القیامۃ مع اولی العزم من الرسل وقال البکاء فی یوم عاشورا نور تام یوم القیامۃ۔ (ص۲۲۶ اصابہ)

یعنی جو شخص مصیبت امام حسینؑ پر بروز عاشور گریہ وبکا کرتا ہے وہ بروز قیامت پیغمبران اولوالعزم کے ساتھ محشور ہوگا اور گریہ روز عاشور نور تام ہے بروز قیامت۔

قال القشھری وھذا السند یتبرک بہ وان لم یوثق لصحتہ۔ (ص۱۲۳ اصابہ)

یعنی روایات رتن کے نسبت امام قشہری کا حکم ہے کہ اس سند کے ساتھ تبرک حاصل کرنا چاہیئے، اگرچہ سند صحیح نہ ہو۔

(۱۴۷) **زبرقان بن اسلم۔** خاندان ذی لغوہ سے ہیں ابو وائل یعنی شقیق بن سلمہ نے روایت کی ہے کہ:۔

جب حضرت حسینؑ بن علی میدان کربلا میں جنگ کے لئے باہر تشریف لائے تو آواز دی ھل من مبارز پس ایک شخص خاندان ذی لغوہ سے مقابلہ میں آگئے جن کا نام زبرقان بن اسلم تھا۔ زبرقان بڑے جنگجو تھے انھوں نے پوچھا تو کون ہے؟ مخاطب نے کہا میں حسینؑ بن علیؑ ہوں۔ زبرقان نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے تم لوٹ جاؤ اس لئے کہ خدا کی قسم میں نے ایک مرتبہ رسول خدا کو دیکھا آپ قبا کی طرف سے ایک سرخ اونٹنی پر سوار چلے آرہے تھے اور تم اونکے آگے بیٹھے ہوئے تھے پس میں نہیں چاہتا کہ رسول خدا سے اس حال میں ملوں کہ تمہارا خون میرے اوپر ہو پس حضرت حسینؑ بن علیؑ لوٹ گئے اور زبرقان بھی لوٹ آئے۔ (ص۲۹۹ اسدالغابہ)

اب کہاں ہیں وہ حضرات اہلسنت جو مدعی محبت اصحاب ہیں اہلبیت طاہرین کے ساتھ دیکھیں کہ یہ زبرقان صحابی ہے جو لشکر یزید میں امام حسینؑ سے لڑنے آیا ہے یہاں تک کہ حضرت سے لڑنے نکلا۔ مگر

وہ واقعہ یاد کر کے جنگ سے باز آیا۔ تو کیا اس پر یہ حق نہ تھا کہ حضرت پر اپنی جان نثار کرتا یا اہلبیت طاہرین کی کسی طرح مدد کرتا کیونکہ کربلا سے کوفہ ادھر کوفہ سے شام تک ضرور ہی گیا ہوگا۔

اصابہ میں اس واقعہ کو جنگ صفین کے متعلق لکھا ہے۔

(۱۴۸) **زبرقان بن بدر** بصرہ میں رہتے تھے زمانۂ جاہلیت میں بھی سردار تھے اور زمانہ اسلام میں بھی باعظمت تھے بنی تمیم کے وفد کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے بہت کچھ جوائز انعام بھی دیے حضرت نے انکو ان کی قوم بنی عوف کے صدقات کا متولی کیا بعد وفات رسول اللہ ابو بکر کو صدقات دیتے تھے۔ عمر نے بھی انکو اپنے عہدہ پر قائم رکھا حطیہ شاعر نے ان کی ہجو کی تو عمر نے تہخانہ میں بند کیا۔ زبیر اور عبد الرحمان بن عوف کی سفارش پر رہا کیا۔

(اسد الغابہ صفحہ ۲۰۷ جلد ۳)

اصابہ میں ہے کہ زمانہ عبد الملک تک زندہ رہا اور پچیس گھوڑے دربار میں لایا اور سب کا نسب نامہ بیان کیا۔ (صفحہ جلد ۲)

مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دست بردار رہا حالانکہ بصرہ ہی میں رہتا تھا اور سردار رہتا مگر طرفدار ان ابو بکر و عمر سے تھا پھر اس سے کیا امید ہو سکتی تھی

(۱۴۹) **زرارہ بن خبری** صحابی ہیں ہشام کلبی نے روایت کی ہے کہ جب مروان کی بیعت ہو چکی (بعد موت یزید) تو ایک دن اس کا گذر زرارہ کی طرف ہوا (وہ اُس زمانہ میں بہت بوڑھے ہو گئے تھے) مروان نے ان سے حال پوچھا تو کہا بہت اچھا حال ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۷)

مگر جناب امام حسینؑ کی انھوں نے بھی مدد نہ کی اصابہ میں ہے کہ بہت مالدار تھے عمر کو انھوں نے بتایا تھا کہ زوجہ کو شوہر کے دیت سے بھی حصہ ملنا چاہیئے۔

(۱۵۰) **زر بن حبیش اسدی**۔ زمانہ جاہلیت کو پایا تھا نبی کو دیکھا نہیں تابعین کے اعلیٰ طبقہ میں ہیں حضرت عمر اور حضرت علیؑ اور ابن مسعود سے روایت کی ہے بڑے فاضل اور قرآن کے عالم تھے ۸۳ھ میں اُن کی وفات ہوئی جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس برس تھی۔

(صفحہ ۲۵۷ جلد سوم اسد الغابہ)

(۱۵۱) **زہرہ بن حویہ** - یہ بہت دنوں زندہ رہے شبیب ابن یزید خارجی نے اُن کو بازار حکمہ میں حجاج کے عہد میں قتل کیا ۷۷ھ۔

مگر افسوس نصرت حضرت امام حسینؑ سے یہ بھی محروم رہے حالانکہ بڑے بہادر تھے اہل فارس کی جنگ میں سعد کے آگے والے لشکر کے یہ سردار تھے۔ (صفحہ اسد الغابہ جلد ۲)

(۱۵۲) **زیاد بن سمیہ**۔ جس کے بیٹے عبید اللہ بن زیاد نے جناب امام حسینؑ کو شہید کیا یہ بھی

صحابی ہے ملاحظہ ہو۔ (اسد الغابہ صلا جلد ۲)

(۱۵۳) زید بن ارقم۔ یہ سب سے پہلے مقام مریسیع کے موقع پر شریک ہوئے کوفہ میں رہتے تھے اور مقام کندہ میں اُن کا گھر تھا اور یہیں ۶۶ھ ہجری میں انتقال ہوا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تھوڑے ہی دنوں بعد وفات پائی۔ (اسد الغابہ جلد ۴ صہ ۲۲)

زید بن ارقم کی روایتوں سے کتب اہلسنت مالامال ہیں عبداللہ بن ابی سلول منافق نے جو کہا تھا کہ ہم مدینہ واپس گئے تو ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے جس کا تذکرہ سورۂ منافقون میں ہے تو جب آنحضرت نے یہ خبر سنی تو عبداللہ بن ابی سلول نے انکار کر دیا خدا نے زید بن ارقم کی تصدیق نازل کی تو ابوبکر و عمر دوڑے کہ اس بشارت کے زید بن ارقم تک پہونچائیں ابوبکر دوڑ کر عمر کے پہلے پہونچ گئے تو عمر نے قسم کھا لیا اب کبھی ابوبکر پر سبقت نہ کریں گے۔ (استیعاب جلد اول صہ ۱۹۲)

زید بن ارقم اُس وقت حاضر دربار تھے جب سر امام حسین ابن زیاد کے پاس آیا ہے اور یہ لینے بالاخانہ پر تھے جبکہ حضرت کا سر مبارک بازاریں گشت کے لیے جاتا تھا اور تلاوت کرتا قرآن کا سنا تھا مگر حضرت کی نصرت نہ کی اڈیٹر النجم نے بھی اس کا اقرار کیا ہے اور کہا ہے اسکی وجہ سمجھانی چاہیئے مگر کوئی وجہ نہ بتا سکے کہ کیوں انھوں نے حضرت کی مدد نہ کی۔

(۱۵۴) زمل بن عمرو۔ ایک بت سے آواز سن کر خدمت رسول میں حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا یہ مومن جن کی آواز ہے حضرت نے اس کو اپنی قوم کا جھنڈا دیا اُس علم کے ساتھ معاویہ کا شریک ہوا جنگ صفین میں اور معاویہ نے اپنے شرطہ پر مقرر کیا اور یزید نے نہر کا افسر بنایا مرج راہط میں مروان کے ساتھ مارا گیا ۶۴ھ میں۔

(اصابہ جلد ۳ صہ ۱۲، اسد الغابہ صہ جلد ۲)

مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت نہ کی اس کی روایت اہلسنت کے یہاں موجود ہے۔

(۱۵۵) زہیر بن قیس۔ اسکی کنیت ابا شداد ہے مصر کی لڑائی میں شریک تھا عبدالعزیز بن مروان جب حاکم مصر تھا تو عبدالعزیز نے کچھ سخت کلامی کی تو زہیر نے جواب دیا کیا تو یہ کلام ایسے شخص سے کرتا ہے جس نے قرآن کو جمع کیا قبل اس کے کہ تیرے ماں باپ جمع ہوں ۷۶ھ ہجری میں بمقام برقہ مارے گئے۔ (صہ ۱۱ اصابہ جلد ۲)

مگر ہائے افسوس اُنھوں نے بھی امام حسینؑ کی نصرت نہ کی محبت دنیا نے طرفدار بنی اُمیہ بنا دیا۔

(۱۵۶) زید بن خالد جہنی۔ بڑے صحابی ہیں۔ حدیبیہ میں شریک تھے اور فتح مکہ کے دن قبیلہ جہینہ کا علم انکے ساتھ تھا خود صحابہ ان سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ قیام ان کا مدینہ میں تھا ۷۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (صہ ۲۳۲ اسد الغابہ جلد ۲)

(۱۵۷) زنیب بن ثرملا۔ طبری نے صحابہ میں ذکر کیا ہے جب سعد نے مقام حلوان کو فتح

کیا تو ایک شخص نے آواز سنی تسلیم دیا تو وہ شخص نمایاں ہوا کہا میں حواری حضرت عیسیٰؑ سے ہوں۔
ان عیسیٰ بن مریم دعا له بطول العمر وانه یعیش الی ان ینزل علیه
وله طریق اخریٰ ۔(ص۴۱ اصابہ جلد ۳۔)
یعنی حضرت عیسیٰؑ نے دعائے طول عمر دی ہے اور یہ اُس وقت تک زندہ رہیں گے کہ حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہو۔
اس حدیث پر تو حضرات اہلسنت ایمان لاتے ہیں مگر اس کو نہیں ملنتے کہ حضرت مہدی موعود زندہ ہیں یا للعجب۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا میں اسکو لکھا ہے۔

(۱۵۸) زیاد بن قائد لخمی بھی صحابی ہے جنگ مصر میں شریک رہا ۶۵ھ تک زندہ رہا
(اصابہ ص۴۲)
مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی بلکہ مروان کے ساتھ مصر میں رہا۔

(۱۵۹) زید بن وہب جہنی ۔ بڑے بزرگ صحابی ہیں ان کی روایت تاریخ بخاری وغیرہ میں موجود ہے کوفہ میں رہتے تھے ۹۶ھ میں وفات ہے۔ (ص۴۲ اصابہ)
مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔

(۱۶۰) زیاد بن جاریہ شیبہ بن ابی عاصم نے انکو بھی صحابہ میں لکھا ہے ایک روز یہ مسجد دمشق میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگوں نے نماز جمعہ کو اس درجہ مؤخر کر دیا کہ عصر کے وقت نماز جمعہ پڑھی گئی اس پر انھوں نے کہا محمد مصطفےٰ ہم کے بعد تو کوئی نبی نہیں آیا پھر کس کے حکم سے اس قدر تاخیر کی جاتی ہے اس پر وہ گرفتار ہوئے اور قبہ خضرا میں قتل کئے گئے۔ یہ زمانہ ولید بن عبد الملک خلیفہ کا تھا۔ (ص۴۲ اصابہ)
اس سے معلوم ہوا کہ اُس وقت تک یہ زندہ رہے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔

(۱۶۱) سائب بن حباب ۔ ان کی کنیت ابو مسلم ہے صاحب المقصورہ کے لقب سے مشہور تھے ۹۲ سال کی عمر میں ۷۴ھ وفات پائی۔ (اسد الغابہ ص۵۸)
مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت نہ کی اہلسنت کے یہاں انکی بھی روایت موجود ہے۔

(۱۶۲) سائب بن خلاد ۔ یہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ حضرت نے فرمایا مجھے خدا نے حکم دیا کہ اپنے اصحاب کو بلند آواز سے لبیک کہنے کا حکم دوں۔ معاویہ نے اُن کو یمن کا حاکم مقرر کیا تھا ۹۱ھ میں وفات ہے۔ (ص۵۹ اسد الغابہ)
مگر امام حسینؑ کی کسی طرح مدد نہ کی۔

(۱۶۳) سائب بن یزید ۔ اور عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت عمر کی طرف بازار مدینہ کے عامل تھے چند روایتوں کے راوی ہیں ۸۰ھ یا ۸۲ یا ۹۱ میں وفات ہے ۹۴ یا ۹۱ برس کی عمر ہوئی تھی۔

مگر افسوس نصرت امام حسینؑ کی۔ حالانکہ خاص مدینہ میں رہتے تھے

(۱۶۴) **سرباتک ہندی**۔ اسحاق بن ابراہیم طوسی سے روایت ہے کہ انکی عمر اس وقت ۹۷ برس کی تھی وہ کہتے تھے میں نے شاہ ہند سرباتک ہندی کو قنوج میں دیکھا میں نے پوچھا کہ تمہاری عمر کیا ہوگی اس نے جواب دیا ۹۲۵ برس کی وہ مسلمان تھا اور کہتا تھا نبیؐ نے اپنے دس صحابی بھیجے تھے ہم نے اسلام قبول کیا۔ (صفحہ) حضرات اہلسنت اس سرباتک کی اتنی طولانی عمر کا اقرار کرنے میں نہیں شرماتے مگر حضرت مہدیؑ کی طولی عمر پر انکو تعجب ہوتا ہے۔

(۱۶۵) **سعد بن ایاس**۔ یہ اونٹ چرا رہے تھے کہ ایک آواز سنی تہامہ میں ایک نبی نکلے ہیں چالیس برس کے سن میں جنگ قادسیہ میں شریک ہوئے ۹۵ھ میں ایک سو بیس برس کے ہو کر انتقال کیا کوفہ میں رہتے تھے ۹۵ھ۔

مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی حالانکہ خاص کوفہ میں رہتے تھے۔

(۱۶۶) **سعد قرظ**۔ مؤذن زمانہ حجاج تک زندہ رہے۔

مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔

(۱۶۷) **سعد بن عبادہ**۔ بڑے بزرگ صحابی ہیں ہر روز ایک بڑا پیالہ ثرید اور گوشت سے بھرا ہوا رسول اللہ کے واسطے لاتے تھے سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کے بابت مشہور ہے کہ قریش نے رات کے وقت جبل ابوقبیس پر کسی پکارنے والے کو پکارتے سنا ؎

فان یسلم السعدان یصبح محمد بمکة لا یخشی خلاف مخالف

اگر دونوں سعد مسلمان ہو جائیں تو پھر محمدؐ کو مکہ میں کسی مخالف کی مخالفت کا خوف نہ رہے۔

قریش کو گمان ہوا کہ دو سعد سے مراد سعد بن زید بیاہ تمیم اور سعد ہذیم قبیلہ قضاعہ کے مراد ہیں دوسرے روز یہ آواز سنی ؎

ایا سعد سعد الاوس کن انت ناصرا ایا سعد سعد الخزرجین الغطارف

اجیبا الی داعی الحق وتمنیا علی اللہ فی الفردوس منیة عارف

فان ثواب اللہ للطالب الھدی جنان من الفردوس ذات زخارف

اے قبیلہ اوس کے سعد تو مددگار ہو اور اے قبیلہ خزرج کے سعد ہدایت کی طرف بلانے کو قبول کرو جب حضرت پیغمبرؐ کی وفات ہوئی تو آپ کو خلافت کی خواہش ہوئی سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت لینے کے واسطے بیٹھے اتنے میں ان کے پاس ابوبکر و عمر آئے اور لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کی اور سعد کو چھوڑ دیا سعد نے نہ ابوبکر کی بیعت کی نہ عمر کی اور شام کی طرف چلے گئے اور بمقام حوران میں اقامت کی یہاں تک کہ ۱۵ھ یا ۱۴ھ میں اپنے حمام میں انتقال کر گئے اس پر سب مورخوں کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے نہانے کی جگہ پر مردہ

ہوئے پلٹ گئے اُن کا بدن سبز ہو گیا تھا مدینے والوں کو اُنکی موت کی خبر ہوئی ابن عباس وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن سیکھ کر پھر اسکو بھلا دے وہ خدا سے کوڑھی ہو کر ملے گا اور جو شخص دس آدمیوں کا حاکم بنے وہ قیامت کے دن بندھا ہوا آئے گا حتیٰ کہ عدل آکر اس کو چھوڑا دے۔

(صفحہ ۹ اسد الغابہ)

اگرچہ اس رسالہ سے انکو تعلق نہیں ہے۔ مگر اس غرض سے یہ نام لکھا کہ معلوم ہو لیسے ایسے صحابی بزرگ کو بھی طمع خلافت نے اسپر مجبور کیا کہ اسکی فکر یں تو پھر ابوبکر و عمر کے طمع خلافت پر کیونکر تعجب ہو سکتا ہے حالانکہ ان کا درجہ سعد بن عبادہ کے برابر بھی نہ تھا کہ روز حضرتؐ کے واسطے ثرید لایا کرتے اور ہاتف نے انکے نصرت کی شہادت دی کہ اگر یہ مسلمان ہو جائیں تو پھر حضرت کو ہر طرح کا غلبہ ہو یہ خود رسول اللہ سے حکومت کی مذمت روایت کرتے ہیں مگر پھر بھی طمع خلافت میں قدم بڑھاتے ہیں لطف تو یہ ہے کہ حضرت ابوبکر بھی اسی طرح کی روایت کرتے ہیں جیسا کہ رافع بن ابی رافع کے حال میں مذکور ہوا اگر تحصیل خلافت کے وقت سب بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

(۱۶۸) سعید بن حریث مخزومی قریشی۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ کوفہ میں قیام کیا جنگ خراسان میں شریک تھے جو واقعہ کربلا کے بہت بعد کا واقعہ ہے کوفہ میں ان کی قبر ہے۔ (صفحہ ۳۱۱ اسد الغابہ)

مگر افسوس نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔

(۱۶۹) سعید بن نمران ہمدانی۔ حضرت علیؑ کے کاتب تھے حجر بن عدی کے ہمراہیوں سے تھے معاویہ نے انکو بھی قتل کرنا چاہا مگر حمزہ بن مالک کی سفارش پر چھوڑ دیا پھر معصب بن زبیر کو جب کوفہ پر تسلط ہوا تو اُن کو قاضی بنایا پھر معزول کر کے عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کو قاضی مقرر کیا۔ (صفحہ ۳۱۲ اسد الغابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔

(۱۷۰) سلمہ بن اکوعؓ اُن لوگوں سے ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے دو مرتبہ بیعت کی تھی مدینہ میں رہتے تھے پھر ربذہ چلے آئے بڑے شجاع تیرانداز تھے صلح حدیبیہ میں موت پر بیعت کی تھی سنہ ۷۴ھ میں اسی سال بمقام مدینہ انتقال کیا۔ (اسد الغابہ صفحہ ۳۳۳)

یہ مخصوصین حضرت عمر سے تھے۔ پھر کب ممکن تھا کہ یہ جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتے حالانکہ معرکۂ کربلا کے بعد چودہ برس تک زندہ رہے۔

اس نام کے ساتھ سلمہ بن امیہ کا بھی ذکر ہے جو ان لوگوں سے ہیں جو ہمیشہ متعہ کو جائز جانتے اصابہ میں ہے

قال ابن حزم فی المحلی ثبت علی تحلیل المتعة بعد النبی من الصحابة ابن مسعود وابن عباس وجابر وسلمة ومعبد ابنا امية ابن خلف وذكر آخرين۔ (صفحہ ۱۵۰ جلد ۳)

یعنی ابن حزم لکھتے ہیں کہ ابن مسعود۔ ابن عباس۔ جابر۔ سلمہ، مغیرہ پسران امیہ بن خلف سب اس کے قائل تھے کہ متعہ جائز ہے۔

(۱۷۱) سلمہ بن ابی سلمہ زمانہ عبد الملک تک زندہ رہے مگر امام حسینؑ کی مدد نہ کی۔ (ص ۱۵ اسد الغابہ)

(۱۷۲) سلیمان بن صرد خزاعی۔ ان کا نام جاہلیت میں یسار تھا حضرت نے سلیمان نام رکھا یہ سردار اور برگزیدہ دین دار عابد تھے کوفہ میں پہلی مرتبہ جب مسلمان وہاں مقیم ہوئے انھوں نے بھی سکونت اختیار کی تھی یہ اپنی قوم میں صاحب مرتبہ و شرافت تھے۔ حضرت علی رضؓ کے تمام مشاہد میں شریک ہوئے تھے انھوں نے حوشب ذوظلیم الہانی کو معرکہ صفین میں قتل کیا تھا اور یہ ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے حسین بن علی رضؓ کو معاویہ کی وفات کے بعد کوفہ میں بلایا تھا اور جب وہ کوفہ میں آئے تو انکے ساتھ ہو کر نہ لڑے اور جب حسینؑ شہید ہو گئے تو یہ اور مسیب بن نخبہ فزاری اور جن لوگوں نے مدد نہ کی اور لڑائی میں نہ شریک ہوئے تھے نادم ہوئے اور کہا ہماری توبہ نہیں ہو سکتی ہے مگر یہ کہ امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لیں اور ربیع الآخر کی چاندرات ۶۵ھ میں کوفہ سے نکلے اور سلیمان بن صرد کو اپنا سردار بنایا اور ان کا نام امیر التوابین رکھا اور عبید اللہ بن زیاد کی طرف چلے وہ شام سے بہت بڑا لشکر لئے ہوئے عراق کو جا رہا تھا دونوں لشکروں میں بمقام عین الوردہ (جو جزیرہ کے سرزمین میں ایک چشمہ کا سرا ہی تھا) مقابلہ ہو گیا اور سلیمان بن صرد اور مسیب بن نخبہ اور انکے ہمراہی بہت سے مقتول ہوئے اور سلیمان اور مسیب کا سر مروان بن حکم کے پاس ملک شام میں گیا قتل کے وقت ان کی عمر ۹۳ برس کی تھی ان سے ابو اسحاق سبیعی اور عدی بن یاسر اور عبد اللہ بن یسار وغیرہم نے روایت کی ہے۔ عدی بن ثابت بن سلیمان صرد سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے آپس میں سخت کلامی کی اور ان میں سے ایک کا غصہ زیادہ بڑھ گیا نبی ؐ نے فرمایا میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر وہ اسکو کہہ لے تو غصہ فرو ہو جائے وہ کلمہ یہ ہے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ان کا تذکرہ تینوں نے لکھا ہے۔ (ص ۳۵۱ اسد الغابہ جلد ۲)

اب کسی کو اسمیں عذر نہیں ہو سکتا کہ امام حسینؑ کے دعوت دینے والے کوفہ میں اور حضرت کو بلانے والے ایک ایسے صحابی رسولؐ ہیں جو برگزیدہ دین دار اور عابد تھے اپنی قوم کے سردار و رئیس تھے اور حضرتؑ کو بلا کر خاموش بیٹھ رہے کسی طرح مدد نہ کی جس پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی وجہ سے مجبور تھے پھر فرمائیے اس خون ناحق کا باعث کون ہوا؟

وہی صحابہ جن کی پرستش کو اہلسنت اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں۔

اڈیٹر النجم نے ایک مضمون لکھا تھا جس میں قاتلان امام حسینؑ کو شیعہ کہا تھا جس کا جواب قتلۃ الحسین میں دیا گیا اگرچہ وہ ناتمام ہے۔ اب وہ خود غور کریں کہ انکی اس تحریر نے کیا بتایا کہ باعث قتل امام حسینؑ کون ہوا؟ صحابی یا شیعہ کیونکہ وہ کسی شیعہ کو صحابی کہہ نہیں سکتے۔ اصابہ میں ہے۔

ثم کان مقن کاتب الحسین ثم — یعنی انھوں نے جناب امام حسینؑ کو کوفہ میں بلایا

تخلف عنہ۔ (صلا۱ جلد ۲) — پھر بیٹھ رہے اور مدد نہ کی

(۱۷۳) سماک بن مخرمہ یہ حضرت عمر کے پاس اہل کوفہ کے وفد میں خمس لے کر آئے تھے جب جناب امیرؑ کوفہ میں تشریف لائے تو یہ وہاں سے جزیرہ کی طرف چلے گئے۔ (صلا۱ اسد الغابہ)

یہ انتہا درجہ کی عداوت ہے کہ کوفہ کی بود و باش کو بھی چھوڑ دیا۔

(۱۷۴) سنان بن سلمہ صحابی ہیں بڑے جواں مرد بہادر تھے جب عبداللہ بن سوار قتل ہوئے تو معاویہ نے زیاد کو لکھا ایسا آدمی تلاش کرو جو سرحد ہند کے لائق ہو زیاد نے انکو مقرر کیا آخر میں زمانۂ حجاج میں انکی وفات ہوئی۔ (صلا۱ اسد الغابہ)

مگر جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ انکی روایتیں بھی کتب اہلسنت میں موجود ہیں ان کی وفات ۳۰ھ مرقوم ہے۔

(۱۷۵) سنان شفعلہ اوسی یہ اس روایت کے راوی ہیں کہ حضرتؐ نے جبرئیل سے یہ روایت بیان کی کہ جب جناب سیدہ کا عقد ہوا تو خدا نے رضوان داروغہ بہشت کو حکم دیا کہ محبان اہلبیت کے عدد کے موافق پتوں کا حامل ہو جائے درخت طوبیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو انکے پتوں کے ساتھ اتاریگا اور محبان اہلبیتؑ سے ہر ایک کو ایک پتہ دیگا جس میں آگ سے بری ہونا لکھا ہوگا۔ (صلا۱ اسد الغابہ)

افسوس کہ اہلسنت ایسی روایتیں دیکھتے ہیں مگر پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

(۱۷۶) سہل بن سعد ساعدی۔ انھوں نے رسول اللہ کو دیکھا تھا اور آپ سے حدیث کی سماعت کی تھی وفات رسولؐ کے وقت یہ پندرہ برس کے تھے بہت طویل العمر ہوئے زمانۂ حجاج کو انھوں نے پایا تھا۔ ۷۴ھ میں حجاج نے کہا تم نے عثمان کی مدد کیوں نہ کی۔ سہل نے کہا میں نے مدد کی تھی حجاج نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو پھر حکم دیا کہ ان کی گردن میں مہر لگادی جائے۔ اور انس بن مالک کی گردن میں بھی مہر لگائی گئی یہاں تک کہ عبدالملک کا حکم ان کے بارے میں حجاج کے پاس آگیا اور جابر بن عبداللہ کے بھی ہاتھ میں مہر لگائی گئی تھی مقصد اس مہر لگانے سے یہ تھا کہ ان لوگوں کو ذلیل کرے اور تاکہ لوگ ان سے دور رہیں اور ان لوگوں سے سماعت حدیث نہ کریں سہل ۹۱ھ میں ۹۶ برس کے ہو کر فوت ہوئے (صلا۱ اسد الغابہ)

اب تو حضرات اہلسنت کو اس میں عذر نہ ہوگا کہ صحابہ کو اہلبیت طاہرینؑ سے کیسی حضرت تھی کہ سب کچھ گوارا کرتے مگر خلفائے جور کا ساتھ نہ چھوڑتے۔

مومنین نے اکثر روایتوں میں اس نام کو سنا ہوگا کہ جب اہلبیت طاہرینؑ قید ہو کر وارد دمشق ہوئے ہیں تو انھوں نے حضرات اہلبیتؑ کے مصائب کو سنکر بہت گریہ و بکا کیا ہے مگر یہ نہ ہو سکا کہ امام حسینؑ پر اپنی

جان قربان کر دیتے اور اس ذلت سے نجات پاتے کہ حجاج اُن کے ہاتھ اور گردن پر مہر لگائے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ اُسکا عمل تھا۔

(۱۷۷) سہل بن قیس انصاری یہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ واقعہ حرا میں نکلا اور اُنکے پتھر لگا تو انھوں نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس نے رسول خدا کو پریشان کیا ہم نے پوچھا یہ کیا ! اسپے تو کہا حضرت نے فرمایا ہے کہ جس نے اہل مدینہ کو پریشان کیا اُس نے میرے دل کو پریشان کیا۔ (صفحہ ۱۸۱ اسد الغابہ)

مگر افسوس ان دونوں باپ بیٹوں سے یہ نہ ہو سکا کہ امام حسینؑ کی مدد کرتے اور اُس وقت تک زندہ رہے جبکہ یہ واقعہ حرا پیش آیا جس میں ہزاروں صحابہ کی لڑکیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں۔

(۱۷۸) سوید بن غفلہ۔ ان کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی کوفہ میں رہتے تھے ایک مرتبہ شیر شیر کا غل مچا سوید شیر کی طرف گئے اور اُسکے سر پر ایک وار کیا کہ تلوار پشت کی ہڈی کاٹتی ہوئی دُم سے نکل گئی۔ یہ سوید صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ شریک ہوئے تھے اور حجاج کے زمانہ میں ۸۰ھ یا ۸۲ھ بمقام کوفہ انتقال کیا۔ (صفحہ ۲۰۱)

(۱۷۹) سالم بن داقصہ اسدی۔ طبری نے انکو بھی صحابی لکھا ہے زمانہ عثمان میں پورے جوان تھے زمانۂ ہشام بن عبد الملک تک زندہ رہے۔ (صفحہ ۲ اصابہ)

مگر افسوس نصرت امام حسین سے یہ بھی دستکش رہے محمد بن مروان کی طرف سے یہ رقہ کے حاکم تھے۔

(۱۸۰) سائب بن خلاد انصاری۔ ۷۱ھ میں وفات ہے۔ (صفحہ ۷ اصابہ)

مگر نصرت امام حسین سے محروم رہے۔

(۱۸۱) سخر ور بن مالک۔ یہ بھی صحابی ہیں عبداللہ بن زبیر کے طرفداروں سے تھے جب اہل مصر اور مروان میں صلح ہوئی تو یہ وہاں موجود تھے۔ (اصابہ صفحہ ۲)

مگر افسوس امام حسینؑ کی نصرت نہ کی۔

(۱۸۲) سعد بن مالک ابو سعید خدری۔ بہت بڑے صحابی ہیں جنسے ہزاروں روایتیں کتب اہل سنت میں منقول ہیں حضرتؐ کے ساتھ بارہ غزوات میں شریک رہے۔

کان من افقہ احداث الصحابۃ وقال الخطیب کان من افاضل الصحابۃ و حفظ حدیثاً کثیراً۔

کم سن صحابہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے اور افاضل صحابہ سے تھے اور بڑے حافظ حدیث۔

وفات ۷۴ھ میں ہے یا ۶۳ھ یا ۶۴ھ یا ۶۵ھ (اصابہ)

غور فرمائیے اگر ایسے صحابی شریک معرکہ کربلا ہوتے تو کب ممکن تھا مخالفین کو جرأت ہوتی یہ واقعہ حرا

۶۳ھ میں ایک غار میں پوشیدہ ہوئے ایک شامی نے ان کو قتل کرنا چاہا یہ للکارے کہ اگر یہاں آیا تو قتل کیا جائے گا اس نے کہا کیا آپ ابو سعید خدری ہیں کہا ہاں کہا استغفار کیجیے جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر یہ شریک امام حسینؑ ہوتے تو کیا نتیجہ ہوتا کیونکہ شامی نے جب پہچان لیا تو وہ توبہ و استغفار کرنے لگا۔
آپ نے اکثر روایتوں میں سنا ہوگا کہ جناب امام حسینؑ نے جب اپنے فضائل و مناقب بیان کیے ہیں تو کہا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو تو ابو سعید خدری اور جابر بن عبد اللہ سے پوچھ لو جس سے معلوم ہوا کہ مخالفین پر انکی عظمت ایسی ثابت تھی کہ بمقام استشہاد حضرت ان کا نام لیتے۔

(۱۸۳) **سعید بن شراحبیل شیب**۔ خارجی کی جنگ میں جو حجاج سے ہوئی تھی یہ مارے گئے۔ (ص۹ اصابہ)

(۱۸۴) **سفیان بن وہب خولانی**۔ یہ بھی صحابی ہیں جو افریقہ کی حکومت پر عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں فائز تھے وفات ۸۰ھ۔ (اصابہ ص۱۱۶)
مگر امام حسینؑ کی مدد نہ کی۔

(۱۸۵) **سلمی بن نوفل**۔ یہ ابن الزبیر کی خلافت تک زندہ تھے دونوں سے کچھ معارضہ بھی ہوا مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی (ص۱۲۲ اصابہ)

(۱۸۶) **سمرہ بن جنادہ** بقول امام خطیب۔ جنگ مدائن میں سعد بن ابی وقاص کے ساتھ تھے اور اُنکے بہن سے نکاح کیا ابن حبان ابن منجویہ کہتے ہیں کہ عہد عبد الملک میں بمقام کوفہ انتقال کیا مگر دوسری تحقیق پر ابن حجر لکھتے ہیں۔

و مات سمرة قبل سنة ستين قال ابن عبد البر سقط في قدر ة مملوة ماءً حاراً فكان ذالك تصديقاً لقول رسول الله لهو ولابي هريرة وابي محذورة اخركم موتا في النار (ص۱۳۱ اصابہ)

کہ سمرہ ۶۰ھ کے پہلے مرا ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ دیگ میں پانی گرم بھرا ہوا تھا اس میں گر گیا حضرت کے اُس قول کی تصدیق ہوئی جو آپ نے ابو ہریرہ اور ابو محذورہ سے فرمایا تھا تم سے جو آخر میں مرے گا وہ آگ میں مرے گا۔

افسوس ہے کہ حضرات اہلسنت ہزاروں واقعات میں قول رسول کی تصدیق دیکھتے ہیں مگر اس پر ایمان نہیں لاتے۔

(۱۸۷) **سندر مولی زنباع**۔ یہ بھی عبد الملک کے زمانہ تک زندہ رہا رسول سے حدیث کا راوی بھی ہے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ (اصابہ ص۱۳۲ جلد ۲)

(۱۸۸) **سیمونہ** مشہور سیاہ بلقادی ہے یہ پہلے نصرانی تھے خود عہد رسول میں بغرض تجارت

حاضر مدینہ تھے۔ اسلام لائے اکیسویں برس تک زندہ رہے۔ مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی (صفحہ ۱۵۰ اصابہ)

(۱۸۹) سائب بن ابی لبابہ۔ حضرتؐ کے عہد میں پیدا ہوئے حضرت کو دیکھا بسند صحیح ان سے روایتیں بھی ماخوذ ہیں۔ مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی حالانکہ سنہ ۱۰۰ھ کے بعد وفات کی (صفحہ ۱۵۲ اصابہ)

(۱۹۰) سائب بن ہشام قرشی۔ مسلمہ بن مخلد کے قاضی تھے مصر میں واقعہ کربلا کے بہت دنوں بعد وفات ہے۔

(۱۹۱) سعد بن زید انصاری۔ آخر خلافت عبدالملک میں سنہ ۸۶ھ میں مرے۔

(۱۹۲) سعد بن ابی العادیہ۔ بھی اسی طرح عہد رسول میں پیدا ہوئے اور واقعہ کربلا کے بعد زندہ رہے مگر نصرت امام سے محروم رہے۔

ہاں سلمہ بن طریف بن ابان بن سلمہ بن حارثہ بن فہم کے باپ صحابی ہیں اور خود انھوں نے حضرت کی زیارت کی ہو انکے بیٹے حبشہ بن قیس بن سلمہ بن طریف معرکہ کربلا میں حضرؑ کیا تھا شہید ہوئے (صفحہ ۱۵۹)
تو کاش اہلسنت انھیں کے خیال سے حضرت امام حسینؑ کے مصائب کو سنتے اور گریہ و بکا کرتے۔

(۱۹۳) سعید بن عمران ہمدانی بھی ان لوگوں سے ہیں جو اس عہد میں پیدا ہوئے اور سنہ ۰۰ھ تک زندہ رہے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ مصعب بن زبیر نے انکو قاضی کوفہ مقرر کرنا چاہا مگر انکے بھائی نے منع کیا کہ وہ اصحاب جناب امیر سے تھا لہذا قاضی نہ بنایا۔ (صفحہ ۱۶۶ اصابہ)

(۱۹۴) سعد بن وہب خیولی۔ بھی اسی قسم کے صحابی ہیں سنہ ۷۶ھ میں وفات ہے۔ مگر نصرت امام حسینؑ کی توفیق نہ ہوئی۔ (صفحہ ۱۶۷)

(۱۹۵) سلیم بن عنتر سنہ ۷۵ھ میں مرے مگر نصرت امامؑ سے محروم رہے۔ (صفحہ ۱۶۸)

(۱۹۶) شداد بن الہادیہ۔ اس روایت کے راوی ہیں کہ حضرتؐ نماز پڑھ رہے تھے اور حسنینؑ آپ کی پشت پر سوار تھے لوگوں نے عرض کیا آپنے ایک سجدہ اسقدر دراز کیا کہ ہمکو گمان ہوا کہ کوئی نئی بات پیدا ہوگئی یا آپ پر وحی آنے لگی آپنے جواب دیا یہ کچھ نہیں تھا لیکہ میرا لڑکا میری پشت پر سوار ہوگیا اس وجہ سے میں نے جلدی کرنے کو ناپسند کیا۔ (اسد الغابہ صفحہ ۳۱۱ جلد ۲)
مگر افسوس اس پر بھی حضرت امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ کوفہ میں ان کا گھر تھا۔

(۱۹۷) شریح بن حارث۔ قاضی انھوں نے زمانہ نبی پایا ہے مگر ملاقات میں اختلاف ہے زمانہ عمر سے یہ کوفہ کے قاضی تھے عہد عثمان اور جناب امیرؑ میں بھی قاضی رہے۔ (صفحہ ۳۱۷ اسد الغابہ)
مگر جناب امام حسینؑ کی مدد نہ کی حالانکہ مضافات کوفہ میں قیام تھا۔

(۱۹۸) شریح بن ہانی۔ انھوں نے حضرت نبی کو پایا ہے اور آپنے انکو دعا دی ہے سنہ ۷۸ھ میں مارے گئے (صفحہ ۱۹ اسد الغابہ)

مگر امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ مضافات کوفہ میں قیام تھا۔

(۱۹۹) **شیبہ بن عثمان**۔ جن کے خاندان میں ابتک خانہ کعبہ کی تولیت ہے اور باب الشیبہ سے حاجی لوگ داخل خانہ کعبہ ہوتے ہیں اُس نے چاہا تھا کہ حضرت کو ہلاک کرے کہ ایک برق نمایاں ہوئی جس سے نہایت مرعوب ہوا حضرتؐ نے انکے سینہ پر دست مبارک رکھا اور وہ اسلام لایا زمانہ یزید بن معاویہ تک زندہ رہا مگر جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی حالانکہ خانہ کعبہ میں جناب امام حسینؑ پانچ مہینہ پناہ گزیں رہے اور خانہ کعبہ کی تولیت رسول اللہؐ نے ہمیشہ کیلئے اس خاندان کو عنایت فرمائی تھی۔ (صفحہ ۲۱۸ اصابہ)

(۲۰۰) **شبث بن ربعی**۔ یکے از قاتلان امام حسینؑ یہ بھی صحابی ہے اور حدیثوں کا راوی بھی ہے سجاح بنت منذر جو بعد حضرت مدعی نبوت ہوئی اُس کا موذن بنا پھر توبہ کرکے اسلام میں داخل ہوا جب جناب امیرؑ وارد کوفہ ہوئے تو یہ حضرتؑ کے اصحاب میں داخل ہوا پھر خوارج کا ساتھی ہو گیا یہ پہلا شخص ہے جس نے قتل عثمان میں اعانت کی۔ پھر جناب امام حسین سے لڑنے یہ کربلا گیا اسکے بعد بھی زندہ رہا سنہ ۷۰ھ میں واصل بجہنم ہوا (اصابہ صفحہ ۲۲۰)

اب کہاں ہیں وہ اہلسنت جو اسکے مدعی ہیں کہ کوئی صحابی قتل امام حسینؑ میں نہیں شریک ہوا وہ دیکھیں کیسے کیسے مقدس صحابہ اس جنگ میں نظر آتے ہیں کیونکہ یہ شبث بن ربعی کوئی معمولی شخص نہیں ہے امام محمد بن کعب قرظی اور سلیمان التیمی کے شیوخ سے ہے کہ بہت سی روایتیں اسکی کتب اہلسنت میں موجود ہیں

(۲۰۱) **شدید**۔ ابوبکر کا غلام ہے بخدمت رسول یہ بھی حاضر ہوا ہے قیس بن ابی حازم کہتے ہیں ہم نے عمر کو دیکھا اس طرح کہ اُن کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ تھی اور ایک ڈنڈا تھا اور وہ لوگوں کو بٹھاتے تھے اور کہتے تھے خلیفہ رسولؐ کی وصیت سنو اتنے میں ابوبکر کا غلام شدید آیا اُس نے فرمان ابوبکر کو سنایا کہ جس شخص کا نام اس کاغذ میں ہے سب اسکی اطاعت کریں کہ ہم کبھی خیر خواہی سے باز نہیں رہے اسکے بعد عمر منبر پر گئے۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۲)

یہ ہے ایمانداری حضرت عمر کہ رسول اللہؐ نے جب وصیت نامہ لکھنا چاہا تو انھیں عمر نے ان الرجل لیھجر کا نعرہ بلند کیا۔ اور اپنے نام کا جو وصیت نامہ ابوبکر سے لکھوایا تو اس میں یہ اہتمام ہے کہ خود ڈنڈا لئے ساتھ ہیں صحابہ کو سنا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرمان خلیفہ سنو اور خلیفہ اول کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ صاف صاف کہیں ہم نے عمر کو خلیفہ کیا۔

(۲۰۲) **شریح بن ہانی بن یزید**۔ انھوں نے بھی حضرت کی زیارت کی ہے انکی روایتیں بھی صحیح مسلم میں موجود ہیں ایک سو دس برس کے سن میں وفات کی سنہ ۷۸ھ (صفحہ ۱۲۲ اصابہ)

مگر افسوس نصرت امام حسینؑ کو انھوں نے بھی ضروری نہ سمجھا۔

(۲۰۳) **شریک بن سلمان** ۔ یہ بھی صحابی ہیں عبد اللہ بن زبیر کی ہجو میں ایک قصیدہ لکھا اور یزید بن معاویہ کی موت پر اسکا مرثیہ کہا۔ (صفحہ ۲۲۲)

پھر بھلا ایسا صحابی کب امداد جناب امام حسینؑ کر سکتا تھا۔

(۲۰۴) **صدی بن عجلان** ۔ مشہور ابو امامہ باہلی یہ صحابی ہیں آں حضرتؐ سے روایت بھی کرتے ہیں شام میں انھوں نے سکونت اختیار کی جناب امیرؑ کے لشکر میں یہ بھی تھے ۸۶ھ میں وفات ہے۔ (صفحہ ۲۲۱ اصابہ)

مگر نصرت امام حسینؑ سے یہ بھی دستکش رہے۔ اہل سنت انکے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے انکے بارے میں کہا انت منی وانا منک جس کی موضوعیت میں کسی کو شبہ نہیں ہے یہ حضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھکو اپنی امت سے جھوٹ اور تعصب سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں۔

(۲۰۵) **صرمہ بن انس** انصاری ایک سو بیس برس کے ہو کر مرے۔ (صفحہ ۲۲۲)

(۲۰۶) **صفوان بن اسید** ۔ یہ صحابی اور ہمراہیان عبد اللہ بن زبیر سے ہیں انکے ساتھ یہ بھی قتل ہوئے مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ (صفحہ ۲۲۳)

(۲۰۷) **صالح بن شریح** ۔ آپ زمانہ عبد الملک ۔۔ھ تک زندہ رہے۔ مگر نصرت امام حسینؑ نہ کی۔ (صفحہ ۲۵ اصابہ)

(۲۰۸) **صفوان بن محرز** ۔ ابن شاہین نے انکو صحابہ میں ذکر کیا ہے مگر تابعی ہونے میں تو کسیکو شبہ بھی نہیں (تابعی ثقہ وقال یہ فضل و ورع ۷۴ھ میں وفات ہو۔ (اصابہ صفحہ ۱۴۶)

(۲۰۹) **ضحاک بن قیس فہری** یہ بھی صحابی ہے بعض لوگ بدری بھی کہتے ہیں موت معاویہ کے بعد بیعت یزید کے بھی متولی رہے یزید اور معاویہ پسر یزید کی وفات کے بعد خود مدعی خلافت ہوا جس کو عبید اللہ بن زیاد نے دھوکا دیا آخر مروان سے اس سے لڑائی ہوئی اور ۶۴ھ میں مارا گیا۔ صفحہ ۲۲۰، اسد الغابہ صفحہ ۳۷ جلد ۵

پھر اس سے کب امید ہو سکتی ہے کہ یہ جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتا۔

(۲۱۰) **ضحاک بن عبد الرحمان اشعری** ۔ یہ بھی صحابی ہیں عمر بن عبد العزیز نے انکو والی دمشق مقرر کیا ۱۰۵ھ میں زندہ تھے۔ (صفحہ ۲۷۹ اصابہ)

(۲۱۱) **ضرار بن ازور** صحابی ہیں انہوں نے شراب پی تھی اور ان سے ابو عبیدہ نے پوچھا تم نے شراب کیوں پی تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ فہل انتم منتھون یعنی کیا تم شراب پینے سے باز آؤگے۔ میں کوئی تاکیدی حکم نہیں دیا گیا۔ (صفحہ ۴۹ اسد الغابہ جلد ۵

یہ صحابی ہیں اور شراب کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں۔

(۱۲) طلحہ بن عبید اللہ مشہور طلحہ یکے از عشرہ مبشرہ لو بھی اس رسالہ سے تعلق نہیں کیونکہ وہ جنگ جمل میں مارے گئے مگر اسد الغابہ میں ان کے اسلام کی یہ وجہ لکھی ہے کہ ان کو ابوبکر صدیق نے اسلام کی ترغیب دی تھی اور وہی ان کو خدمت رسول میں لے گئے۔ (صفحہ)

مگر اصابہ میں ہے کہ یہ بازار بصریٰ میں گئے تھے وہاں ایک راہب نے ان سے پوچھا:۔

هل ظهر احمد قلت من احمد قال ابن عبد الله بن عبد المطلب هذا شهره الذی یخرج فيه وهو آخر الانبياء ومخرجه من الحرم ومهاجره الى نخل وحرة وسباخ فاياك ان تسبق اليه (ص۲۹۱ جلد۳)

کہ کیا احمد ظاہر ہوئے طلحہ نے پوچھا کون احمد؟ کہا ابن عبد اللہ بن عبد المطلب یہی مہینہ اُن کے ظہور کا ہے دیکھو ایسا نہ ہو کوئی سبقت لیجائے۔

اسد الغابہ میں ہے کہ جب یہ اسلام لائے تو نوفل بن خویلد عدویہ نے ابوبکر اور طلحہ کو پکڑ کر ایک رسی میں باندھا اسی وجہ سے ابوبکر اور طلحہ کو قرینین کہتے ہیں اور بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے ان دونوں کو باندھا تھا وہ عثمان بن عبید اللہ تھا طلحہ کا بھائی۔ (صفحہ اسد الغابہ)

اب کہاں وہ بیان کہ ابوبکر کی قریش میں وہ عزت کہ سب ان کا احترام کرتے اور کہاں یہ بیان کہ ایک ادنیٰ کافر نے پکڑ کر دونوں کو رسی میں باندھ دیا۔

غزوہ بدر میں شریک نہ تھے۔ جنگ احد میں بڑا کام ان کا یہ تھا کہ حضرت نے چاہا پہاڑ پر چڑھ جائیں

فلما ذهب لينهض لم يستطع فجلس تحته طلحة فنهض حتى استوى عليها

(ص۲۹۱ اصابہ)

تو چونکہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھے حضرت اوپر چڑھ نہ سکے طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے حضرت اُنکی پشت پر سوار ہو کر اوپر چڑھ گئے۔

ان کے ایمان کی یہ حالت تھی کہ جب اُن کا ہاتھ زخمی ہوا:۔

فقال حس حس فقال لو قلت بسم الله لرايت بناءك الذی بنی الله لك فی الجنة وانت فی الدنيا

تو اُنھوں نے کہا حس حس معلوم ہوتا ہے قریش میں یہ رسم تھی کہ زخم کھا کر حس حس کہتے تو حضرت نے فرمایا کہ اگر تم بسم اللہ کہتے تو تم اُس بنا کو دیکھ لیتے جو خدا نے جنت میں بنایا ہے اور تم دنیا میں ہوتے کیا ایمان ہے کہ بسم اللہ نہ کہا اور کہا تو حس حس۔

وجہ قتل اسد الغابہ میں یوں (صفحہ)

حضرت طلحہ جنگ جمل میں مارے گئے، اس حال میں کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب سے قتال کر رہے

تھے رضی اللہ عنہما بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے ان کو (علیحدہ) بلایا اور جس طرح حضرت زبیر سے گفتگو کی تھی اسی طرح ان سے بھی کی اپنی اسلامی خدمات کا ذکر فرمایا جن کو سنکر حضرت طلحہ نے جنگ کا ارادہ فسخ کیا اور کسی صف میں جا کے بیٹھ رہے دفعۃً ایک تیر انکے پیر میں لگ گیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تیر انکے گلے میں لگا تھا غرض اسی تیر کے زخم سے وفات پائی یہ تیر مروان بن حکم نے مارا تھا۔ عبدالرحمان بن مہدی نے حماد بن زید سے انھوں نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا حضرت طلحہ نے جنگ جمل کے دن یہ شعر پڑھا ؎

ندمت ندامة الكسعي لما شربت رضى بني جرم برغمي

(اور اس شعر کے بعد کہا) یا اللہ عثمان کا عوض مجھ سے لے لے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے یہ انھوں نے اس سبب سے کہا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بہت سختی کیا کرتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کو جب حضرت طلحہ اور زبیر اور ام المومنین عائشہ کے (مخالفت اور انکے بصرہ) جانے کی خبر ہو گئی تو فرمایا کہ اس وقت مجھے چار آدمیوں کی مخالفت کی خبر سنائی گئی ہے سب سے زیادہ بہادر یعنی طلحہ ہیں اور سب سے زیادہ بہادر زبیر ہیں اور یہ لوگ سب سے زیادہ حضرت عائشہ کو مانتے ہیں اور سب سے زیادہ مالدار یعلی بن منبہ ہیں (یہ چاروں میرے مخالف ہو گئے ہیں) مگر واللہ انھوں نے مجھ میں کوئی عیب نہیں نکالا نہ میں (ان کے نزدیک) مال دنیا کا حریص ہوں اور نہ ہوائے نفسانی کا متبع ہوں بلکہ وہ مجھ سے وہ حق طلب کرتے ہیں جس کو انھوں نے خود چھوڑ دیا اور اس خون کا قصاص مانگتے ہیں جس کو انھوں نے خود گرایا بیشک انھوں نے خود اس کام کو کیا میں انکے ساتھ نہ تھا اگرچہ عثمان پر اعتراض کرنے میں میں بھی ان کا شریک تھا مگر قتل عثمان پر میں راضی نہ تھا قتل عثمان کا گناہ خود انھیں لوگوں پر ہے ان لوگوں نے مجھ سے بیعت کی اور بیعت کو فسخ کر دیا اور مجھ کو اچھی طرح جانچا بھی نہیں کہ ان کو میرا ظلم اور میرا عدل معلوم ہوتا اب میں خدا کی حجت پر جو انکے اوپر قائم ہے اور خدا کے علم پر جو ان کے متعلق ہے قناعت کرتا ہوں اور میں باوجود ان سب باتوں کے انھیں بلاؤں گا اور ان سے معذرت کرونگا اگر وہ قبول کر لیں تو بہتر ہے اور توبہ بھی قبول کر لیجاتی ہے پھر حق تو اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسکی طرف رجوع کیا جائے اور اگر یہ لوگ میرا عذر قبول نہ کرینگے تو پھر انھیں تلوار کی باڑھ کا مزا چکھا دونگا یہ تلوار بہت باطل سے شفا دینے کو اور اس پر فتح پانے کو کافی ہو۔ حضرت علی سے یہ بھی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ہم اور طلحہ اور عثمان اور زبیر ان لوگوں میں ہیں جنکے حق میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔

ونزعنا ما في صدورهم من غل اخوانا على سرر متقابلين

حضرت طلحہ کے قتل کا سبب یہ ہوا کہ مروان بن حکم نے انھیں ایک تیر مارا جو ان کے گھٹنے میں لگا زخم سے خون جاری ہوا یہ حالت ہوئی کہ جب لوگ زخم کا منہ بند کرتے تھے تو پیر پھول جاتا تھا اور جب چھوڑ دیتے تھے تو خون بہنے لگتا تھا حضرت طلحہ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو یہ تیر خدا کا بھیجا ہوا

ہے چنانچہ اسی زخم سے انتقال کیا مروان نے (جب انکو زخمی کیا تو) کہا اب میں آج کے بعد کسی سے اپنا انتقام نہ لوں گا اور حضرت عثمان کے فرزند سے کہا کہ میں نے تمہارے باپ کے ایک قاتل کا تو کام تمام کر دیا۔ حضرت طلحہ جانب کلا میں مدفون ہوئے واقعہ جمل ۱۰ رجمادی الآخر ۳۶ھ میں ہوا تھا اسوقت حضرت طلحہ کی عمر ساٹھ برس کی تھی اور بعض لوگ کہتے ہیں باسٹھ برس اور بعض لوگ کہتے ہیں چونسٹھ برس رنگ گندمی تھا بہت خوبصورت تھے (سر کے) بال بہت تھے بال نہ بہت پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے (بالوں کی) سپیدی کو (خضاب سے) متغیر نہ کرتے تھے رنگ سفید تھا مائل بسرخی۔ اُن کا قد سے کچھ کم تھے سینہ چوڑا تھا شانے چوڑے تھے جب کسی طرف دیکھتے تو پوری طرح دیکھتے (گوشۂ چشم سے دیکھنے کی عادت نہ تھی) پیر پر گوشت تھے۔ (ترجمہ اسد الغابہ ترجمہ مولوی عبد الشکور)

ان حالات پر کسی حاشیہ کی ضرورت نہیں کیونکہ جناب میر سے لڑ رہے تھے عثمان کو قتل کر چکے تھے مگر اہل سنت ہیں کہ عثمان کے بھی عاشق اور انکے قاتل کے بھی عاشق اور دونوں کو جنتی جانتے ہیں اور نہ صرف خود بلکہ رسول پر اسکی تہمت دھرتے ہیں کہ حضرت نے انکو دو مرتبہ بہشتی کہا ہے۔

اڈیٹر النجم نے یہاں دو حاشیہ دیا ہے ایک طلحہ کے اس قول پر "یا اللہ عثمان کا عوض مجھ سے لے لے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے" یا انھوں نے صرف اس سبب سے کہا کہ وہ حضرت عثمان پر بہت سختی کرتے تھے وہ حاشیہ حسب ذیل ہے:۔

"حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی اخیر خلافت میں بعض بعض صحابہ ان کے مخالف ہو گئے تھے اور ان پر اعتراض کیا کرتے تھے یہ مخالفت و اعتراض ویسا نہ تھا جیسا کہ معاذ اللہ شیعوں کو ہے بلکہ جس طرح ایک معاصر نہایت نیک نیتی کے ساتھ کسی دوسرے معاصر کو نصیحت کرے اس مخالفت و اعتراض کی قسم... متروجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان کی خلافت شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کے بعد علی الاتصال قائم ہوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو بشر تھے معصوم نہ تھے لیکن اگر حق تعالیٰ شیخین کے بعد کسی فرشتے ...... کو خلافت کے لئے آسمان سے بھیجدیتا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو خلافت کے منصب پر مقرر فرماتا تو یقیناً شیخین کی خلافت کے بعد اس فرشتے کی خلافت بھی قابل اعتراض سمجھی جاتی یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب خیر اعلیٰ کے بعد ہم خیر ادنیٰ کو دیکھتے ہیں تو ہم کو بصورت شر معلوم ہوتا ہے روز روشن کے بعد جب شب ماہ آتی ہے تو ہمیں تاریک معلوم ہوتی ہے مگر جب ماہتاب بھی نظر سے غائب ہو جاتا ہے صرف ستاروں کی روشنی رہ جاتی ہے اس وقت ہم کو شب ماہ کی قدر معلوم ہوتی ہے یہی حال بالکل اس زمانہ کا تھا جو لوگ عوام میں شمار کیے جاتے تھے ان کا تو ذکر ہی نہیں خواص کی یہ کیفیت تھی کہ ان میں بھی فیصدی دو چار ضرور ایسے تھے کہ شیخین رضی اللہ عنہما آفتاب جیسے روشن اور منور خلافت کے بعد جو حضرت عثمان کی ماہتاب جیسی نورانی خلافت نظر آئی تو انکی عقلیں صحیح اندازہ کرنے سے قاصر ہو گئیں

اور اس بے مثال روشنی کو حضرت عثمان کی خلافت میں بھی دیکھنا چاہتے تھے اور اس روشنی کی کمی کو حضرت عثمان کی سوء تدبیری پر محمول کر کے اُن پر معترض ہوتے تھے اور بعض لوگ نہایت سخت الفاظ میں اُن کو نصیحت کرتے تھے مگر بعد حضرت عثمان کے سب کو قدر و عافیت معلوم ہو گئی اور جو لوگ اُنکے مخالفت کرتے تھے بہت پچھتائے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی انھیں لوگوں میں تھے" (صـ)

اقول۔ افسوس یہ ایسی تحریر ہے کہ اگر اسکے ہر فقرہ کا جواب دیا جائے تو بہت طول ہو مگر مختصر یہ ہے کہ صحابہ کی مخالفت عثمان ہرگز ویسی نہ تھی جیسی شیعوں کو مخالفت شیخین سے ہے کیونکہ مخالفت شیعہ صرف اسی قدر ہے کہ وہ بوجہ نفاق و ظلم بحق اہلبیت طاہرین انسے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں برخلاف صحابہ کہ وہ عثمان کو منافق اور خارج از اسلام جانتے تھے بلکہ واجب القتل یہاں تک کہ آخر قتل ہی کر ڈالا اگر اسکا نام نیک نیتی اور ایک معاصر کا دوسرے کو نصیحت کرنا ہے تو لعنت کرنا ہزار درجہ اس سے بہتر ہے اب ذرا تاریخ پڑھیئے تو معلوم ہو صحابہ نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے اور یہ اپنی ضد اور ہٹ سے نہیں باز آئے تب جاکر کیا جو کیا۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ میں ہے:۔

وذکروا انہ اجتمع ناس من اصحاب النبی فکتبوا کتابا ذکروا فیہ ماخالف عثمان من سنۃ رسول اللہ وسنۃ صاحبیہ وماکان فیہ من ھبۃ خمس افریقیۃ لمروان وفیہ حق اللہ ورسولہ ومنھم ذوالقربی والیتامی والمساکین وماکان تطاولھم فی البنیان حتی عد واسبع دور بناھا بالمدینۃ۔ (صـ)

یعنی بہت سے صحابہ جمع ہوئے اور ایک محضر تیار کیا جس میں ان باتوں کو لکھا جن میں عثمان نے سنت رسول کی مخالفت کی تھی اور سیرت شیخین کی اور جو کچھ عثمان نے خمس افریقہ مروان کو ہبہ کیا تھا حالانکہ اسمیں حق خدا و رسول و منھم ذوی القربی و یتامی و مساکین تھا جو انھوں نے عمارات عالیہ بنوائے مدینہ میں جسمیں سات عمارت کا ذکر کیا تھا۔

اب فرمائیے بعض صحابہ مخالف ہو گئے تھے یا اکثر صحابہ اجتمع ناس من اصحاب النبی دیکھئے انکا اعتراض کیا تھا؟ ماخالف من سنۃ رسول اللہ کیا اس کا نام اعتراض ہے۔ کیونکہ سنت رسول کا مخالف تو مسلمان بھی نہیں کہلاتا۔ کیا اس سے زیادہ کسی شیعہ کا اعتراض ہوتا ہے کہ شیخین نے خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی کی۔

آپ خلافت شیخین کی تعریف کرتے ہیں مگر افسوس رسول اللہ تو اسکو شر فرماتے ہیں صحیح بخاری میں ہے:۔

حذیفہ کا بیان ہے کہ اور صحابہ تو حضرت سے خیر کی باتیں پوچھا کرتے اور ہم شر کی باتیں اس خوف سے کہ ہم اس کا سابقہ نہ پڑے اسلئے حضرت سے عرض کیا یا حضرت ہم لوگ پہلے جاہلیت و شر میں تھے یہاں تک کہ خدا نے خیر کو لایا۔ تو کیا اسکے بعد شر ہوگا۔ حضرت نے فرمایا ہاں ہم نے کہا پھر اس شر کے بعد بھی خیر ہوگا

حضرت نے فرمایا ہاں مگر اسمیں کچھ کدورت ہوگی ہم نے عرض کیا وہ کیا ہے حضرت نے فرمایا کہ ہماری ہدایت کے خلاف چلیں گے کہ بعض لوگ انکے نیک رفتار ہونگے بعض بدکردار ہم نے عرض کیا اسکے بعد بھی شر ہوگا حضرت نے فرمایا ہاں وہ لوگ ہونگے جو بلانے والے ہوں گے ابواب جہنم پر جو انکی اجابت کریگا اسکو جہنم میں ڈالیں گے۔ میں نے عرض کیا حضرت انکے اوصاف بیان فرمایئے۔ فرمایا ظاہر قرآن کا ہمارے دین پر ہوگا اور ہماری زبان سے کلام کریں گے۔ میں نے کہا پھر ہم کو کیا حکم ہے فرمایا کہ جماعت مسلمین اور انکے امام کی پیروی کرو میں نے کہا اگر مسلمانوں کی جماعت اور اُن کا امام نہ ہو تو آپ نے فرمایا ان سب فرقوں کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جاؤ اگرچہ تجھے بیخ درخت دانت سے کاٹنا پڑے اور تجھے موت آجائے اس حالت پر۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۲)

کیوں صاحب رسول اللہ تو اپنے زمانہ کے بعد والے زمانہ کو شر کہیں اور آپ اسکو ایسا زمانہ خیر بتاتے ہیں کہ اگر فرشتے بھی آتے تو شیخین کی خلافت کے بعد اس فرشتے کی خلافت بھی قابل اعتراض سمجھی جاتی" تو اس کا کیا جواب ہے کہ رسول اللہ اسکو شر فرمائیں اور آپ خیر زیادہ تفصیل کا شوق ہو تو تنقید بخاری حصہ سوم صفحہ ۲۰ ملاحظہ ہو۔

اگر آپ عشق شیخین میں بیخود و سرشار نہ ہوتے تو سمجھتے اسلامی دنیا میں جو کچھ فساد ہوا۔ اسلام پر جس قسم کا اعتراض ہوا وہ صرف شیخین کی خلافت سے۔ سب صحابہ کے موجد آپ کے خلیفہ دوم ہوئے۔ توہین اہلبیت طاہرین کے موجد آپکے شیخین ہوئے۔ قرآن کے ضائع و برباد ہونے کے موجد آپ کے شیخین ہوئے خانہ کعبہ میں ترمیم و تنسیخ یا تبدیل و تغیر جو کچھ ہوا وہ آپکے شیخین کی بدولت۔ نماز روزہ کے احکام میں جو تغیر ہوا وہ شیخین کی بدولت پس اگر یہی مراد ہے کہ بعد شیخین اگر فرشتہ بھی خلیفہ ہوتا تو قابل اعتراض سمجھا جاتا۔ تو درست ہے کیونکہ وہ ضرور اصلاح کرتا۔ اور عثمان نے تو اس قدر اُن تغیرات پر اضافہ کیا کہ تواریخ شاہد ہیں ہاں یہ سچ ہے کہ بعد حضرت عثمان کے سب کو قدر و عافیت معلوم ہوگئی کیونکہ اس کی تخصیص عثمان ہی سے نہیں بلکہ معاویہ کے بعد یزید کا زمانہ آیا تو معاویہ کی قدر معلوم ہونے لگی یزید کے بعد عبد الملک آیا تو یزید کی قدر و عافیت معلوم ہونے لگی مگر کیا اس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُنکے افعال و اعمال قابل ستائش تھے۔

آپ کو قرآن و حدیث پر نظر کرکے دیکھنا چاہیئے کہ ابوبکر یا عمر یا عثمان کا فعل اسکے مطابق تھا یا مخالف، اگر موافق تھا تو مدح کیجیئے ورنہ قابل نفرین قرار دیجیئے۔ دیکھیئے سیرت شیخین ایسی قابل نفرت تھی کہ جناب امیرؑ نے خلافت ایسی چیز سے انکار کردیا کیونکہ اس میں شرط کی گئی تھی کہ سیرت شیخین پر عمل کرنا ہوگا۔ اور عثمان نے شرط عمل سیرت شیخین کو قبول کرکے خلافت حاصل کیا مگر وہ سیرت ایسی قابل نفرت تھی کہ اسکو لائق عمل سمجھا پھر کیونکر آپ اس خلافت کی تعریف کررہے ہیں۔

جناب امیرؑ نے جو یہ فرمایا تھا کہ وہ مجھ سے اس حق کو طلب کرتے جس کو انھوں خود چھوڑ دیا

تھا اس پر بھی ایک حاشیہ دیا ہے جو حسب ذیل ہے :۔

"مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کے باعث یہ لوگ خود ہوئے اور اب مجھ سے قصاص طلب کرتے ہیں ان حضرات کو باعث قتل کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کے علم میں ان حضرات نے کوئی ایسی بات کی ہوگی جس سے حضرت عثمان کے قاتلین کا حوصلہ بڑھا یا درحقیقت ان حضرات کی وجہ سے انکی ناوانستگی میں قاتلین حضرت کو کچھ تائید ملگئی ہو ان حضرات کو حضرت عثمان پر معترض دیکھ کر قاتلین حضرت عثمان یہ سمجھتے ہوں کہ اگر ہم حضرت عثمان کو قتل کردینگے تو ان نامور صحابہ کی خوشنودی کا باعث ہوگا اور یہ حضرات ہماری حمایت کرکے ہمیں قصاص سے بچالیں گے بہر حال اس عبارت کا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان کو خود ان لوگوں نے شہید کیا یا وہ انکی مرضی یا حکم سے شہید کیے گئے۔ باقی بحقیقت ان حضرات کی وجہ سے قاتلان حضرت عثمان کو کوئی تائید بھی نہ ملی ہو بلکہ کسی غلط فہمی کے باعث حضرت علی مرتضیٰ کو اُن کی طرف ایسا خیال ہوا جس طرح حضرت علی مرتضیٰ کی طرف حضرت معاویہ کو یہ خیال تھا"

اقول اگر کلام جناب امیر اس وجہ سے کہ وہ حضرت کا کلام صداقت التیام ہے محل شک ہے تو کلام مروان میں تو آپ کو شک نہ ہوگا جو طلحہ کو قتل کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے "اب آج کے بعد کسی سے اپنا انتقام نہ لوں گا" اور حضرت عثمان کے فرزند سے کہا کہ میں نے تمہارے باپ کے ایک قاتل کا کام تمام کردیا کیونکہ جو کچھ مروان کہہ رہا ہے وہی تو جناب امیرؑ نے بھی فرمایا تھا "اس خون کا قصاص مانگتے ہیں جس کو انھوں نے خود گرایا تھا"

ابھی برادر نے یہ حاشیہ دیا تھا تو کیا اب بھی آپ کو تصدیق کلام جناب امیر میں عذر ہو سکتا ہے اگر کلام جناب امیرؑ میں شک ہے تو اپنے سعد بن ابی وقاص کا خط دیکھئے جو عمرو عاص کو لکھتے ہیں :۔

"پس تو جو قتل عثمان کو پوچھتا ہے تو عثمان اُس تلوار سے مارے گئے جس کو کھینچا تھا عائشہ نے اور صیقل کیا تھا طلحہ نے اور زہر آلود کیا تھا جناب امیرؑ نے اور زبیر نے سکوت کیا گر ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم سب نے ہاتھ کھینچ لیا اور اگر چاہتے تو اس کو دفع کرتے لیکن عثمان نے بدل دیا (شریعت) کو اور خود بھی بدل گئے اچھا بھی کیا برا بھی اگر ہم لوگوں کا یہ کام اچھا تھا تو خیر اچھا تھا اور اگر بُرا تھا تو خدا سے استغفار کرتے ہیں۔ اور ہم تجھے خبر دیتے ہیں کہ زبیر تو اپنے اہل وعیال کی رائے کے سبب سے مغلوب ہیں اور طلحہ اس قدر امارت و حکومت کے حریص ہیں کہ اگر انکو یہ معلوم ہو کہ اپنا پیٹ چاک کرنے سے یہ مطلب حاصل ہوگا تو اسکو بھی چاک کر ڈالے" (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص)

تو کیا اب بھی تصدیق کلام جناب امیرؑ میں شک ہو سکتا ہے جو آپ یہ سب توجیہیں نکال رہے ہیں کیونکہ سعد تو صاف صاف تمامی مہاجرین صحابہ کو شریک قتل عثمان کہہ رہے ہیں۔ عائشہ نے تلوار کھینچی

طلحہ نے صیقل کیا زبیر نے سکوت کیا مگر ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ تمامی مہاجرین نے سکوت کیا اور اگر چاہتے تو مدد کرتے مگر چونکہ عثمان نے سب باتوں میں تغیر کر دیا تھا اس وجہ سے سب ساکت رہے۔

رہا یہ حملہ کہ جناب امیرؑ نے اس تلوار کو زہر میں بجھایا تو غالباً اس بنیاد پر ہو کہ حضرتؑ کی حقیقت نے سم قاتل کا اثر کیا کیونکہ حضرت کی حقیقت ایسی واضح تھی کہ ان تمام ظالمین کو با وصف ظلم و جور عذاب میں گرایا۔

آیئے ذرہ پھر حالت بیعت جناب امیرؑ ملاحظہ فرمایئے اسی کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ میں ہے:۔

صبح کو جب سب مسجد میں جمع ہوئے تو ندامت و افسوس ہونے لگا اور سب نے طلحہ و زبیر پر قتل عثمان کا الزام لگایا اور کہا کہ تم دونوں شریک تھے قتل عثمان میں لہٰذا اس سے علیحدہ ہو جاؤ۔ (صہ)

پھر نہ معلوم اڈیٹر صاحب النجم نے کیونکر ایسی جرأت کی جو رد کلام جناب امیرؑ پر آمادہ ہوئے اب ہم مختصر طور پر فیصلہ حضرت عمر سناتے ہیں جو اصحاب شوریٰ کے بہ نسبت انہوں نے بوقت رحلت فرمایا تھا۔

اے سعد ہم اس وجہ سے تم کو نہیں خلیفہ کرتے کہ تم میں شدت اور غلظت ہے اس کے سوا تم سپاہی آدمی ہو۔ اے عبد الرحمان ہم اس وجہ سے تم کو خلیفہ نہیں بناتے کہ تم اس امت کے فرعون ہو اور اے زبیر تم حالت رضا میں مومن ہو اور حالت غضب میں کافر۔ طلحہ میں حد سے زیادہ کبر و نخوت ہے۔ اگر خلافت کو پائے تو اس کی انگوٹھی اپنی زوجہ کے ہاتھ میں دے دے۔ اے عثمان تم میں خاندانی عصبیت بہت ہو اور اپنے اقارب کے دلدادہ ہو۔ اے علی تمہارے بارے میں یہ عذر ہے کہ تم کو خلافت کی حرص ہے (حقدار کے مطالبہ کو حرص کہنا انھیں کا کام ہے) ورنہ تم سے بڑھ کر کوئی اس کا مستحق نہ تھا اگر خلافت پاؤ تو سب کو حق مبین اور صراط مستقیم پر لے چلو۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ صہ)

کیا اسکے بعد بھی اڈیٹر صاحب طلحہ کی طرفداری میں یہ جوش و خروش دکھائیں گے جبکہ حضرت عمر کا فیصلہ اُن کے سامنے موجود ہے رہا جناب امیرؑ کے بارے میں عمر کا فیصلہ کہ آپ بڑے حریص ہیں تو یہ وہی لفظ ہے جو خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کے حق میں فرمایا:۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ (پارہ ۱۱ رکوع ۵ سورۂ برات)

تمہارے پاس ایک پیغمبر آئے ہیں اُن کو تمہاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بڑے حریص ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

مگر افسوس یہی حرص ان کے نزدیک مانع خلافت ہے حالانکہ حضرت کی حرص بعینہٖ اس

غرض سے تھی کہ رسولؐ نے آپ کو خلیفہ و جانشین کیا تھا بغیر آپ کی خلافت اور جانشین رسولؐ ہونے کے اسلام باقی نہیں رہ سکتا تھا ورنہ کون ہے دنیا میں جو جناب امیر پر یہ الزام لگائے کہ آپ بغرض دنیا اس خلافت کے خواہاں تھے۔

(۲۱۷) عامر بن عامر اشعری۔ یہ اپنے والد کے ہمراہ حضرت پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرتؐ نے حکم دیا تھا ان کے لئے اذن طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے زمانۂ خلافت عبدالملک تک زندہ رہے اسی عہد میں وفات ہے۔ مگر امام حسین علیہ السلام کی نصرت نہ کی۔ (اسد الغابہ صلا جلد۵)

(۲۱۸) عامر بن عبدالقیس۔ بڑے عابد و زاہد صحابی تھے ان کی شکایتیں حضرت عثمان کو پہونچائی گئیں کہ نہ یہ گوشت کھاتے ہیں نہ کسی عورت سے نکاح کرتے ہیں اور خلفاء سابقین پر اعتراض کرتے ہیں اور جمعہ کی نماز میں نہیں حاضر ہوتے ہیں۔ عثمان نے ان شکایتوں کو سنکر حکم دیا کہ ملک شام چلے جائیں۔ (صـ۱۱۵)

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ شیخین بہ اتفاق صحابہ خلیفہ ہوئے حالانکہ ایسے ایسے صحابہ ان پر اعتراض کرتے ہیں۔

عثمان نے جو سزا ان کی تجویز کی وہ بھی دلیل ہے ان کی عظمت کی۔ کیونکہ حضرت ابوذر کے ساتھ بھی عثمان نے یہی برتاؤ کیا تھا کہ معاویہ کے پاس ملک شام روانہ کیا یہی سزا ان کے لئے بھی تجویز کی گئی۔

(۲۱۹) عامر بن مسعود بن امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح قریشی جمحی۔ مصعب زبیری کہتے ہیں کہ وہ صحابی تھے یزید بن معاویہ کی موت کے بعد حاکم کوفہ بنائے گئے انھوں نے اپنے خطبہ میں کہا ہر ایک قوم کے لئے کچھ پینے کی چیزیں ہوتی ہیں کچھ لذت کی لہٰذا تم بھی ایسی چیزیں اختیار کرو جو حلال ہوں اور ان کے استعمال پر تمہاری مدح کیجائے اور تم اپنی شراب (یعنی نبیذ) کی تیزی کو پانی ملاکر توڑ دو ایک شاعر نے اس کے متعلق یہ شعر کہے تھے ؎

من ذا یحرم ماء المزن خالطہ — فی قعر خابیۃ ماء العناقید
انی لاکرہ تشدید الرواۃ لنا — فیہا ویعجبنی قول ابن مسعود

کون شخص ہے جو اس پانی کو حرام کہے جس کے ساتھ مٹکے کے اندر آب انگور ملا ہو۔ بیشک میں راویوں کی سختی کو برا جانتا ہوں اور مجھے ابن مسعود کا قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شراب کو حلال کہتے ہیں بہت لوگوں کا گمان ہے کہ اس شاعر نے ابن مسعود سے اُن ابن مسعود کو مراد لیا ہو جو نبیؐ کے صحابی تھے۔

حالانکہ یہ غلط ہے معاذ اللہ ابن مسعود حلّت شراب کے قائل کیونکر ہوسکتے تھے جب ابن زبیر خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے عامر کو کوفہ میں اپنی جگہ بحال رکھا تین مہینے کے بعد اُن کو ابن زبیر نے معزول کردیا تھا اور اُن کی جگہ عبد اللہ بن یزید خطمی کو عامل بنا دیا تھا۔ (جلد ۵ اسد الغابہ صفحہ ۱۲۸)

اس رسالہ سے اس مضمون کو اس وجہ سے تعلق ہے کہ یہ صحابی ہے اس نے نصرت امام نہیں کی حالانکہ کوفہ ہی میں رہتا تھا اور بعد یزید وہاں کا عامل مقرر ہوا پھر ابن الزبیر کا عامل بنا آخر معزول ہوا۔ اڈیٹر النجم نے ایک تو عبارت شعر میں غلطی کی کہ عنا قید کی جگہ ماغران قیل لکھا۔ دوسرے یہ کہ ابن مسعود کی مراد لینے سے انکار کیا اور یہ نہ بتایا کہ یہ کون سے ابن مسعود مراد ہیں۔ حالانکہ اصابہ میں ہے وانما عنی ھذا الیمنی شاعر نے خود اسی عامر کو مراد لیا۔ حالانکہ مطلب ایک ہی ہے کیونکہ یہ بھی تو صحابی ہے لہذا بہر طور معلوم ہوا کہ صحابہ سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو شراب کو حلال جانتے اور عامر کا قول واکسروا شرابکم بالماء تو صاف ہے کہ اپنے شراب کی تیزی کو پانی سے توڑ لیا کرو۔ چنانچہ آجکل بھی رائج ہے کہ شراب کے ساتھ برف ملا لیتے ہیں۔

(۲۲۰) **عامر بن واثلہ ابو الطفیل** ان کی پیدائش غزوۂ احد کے سال میں ہوئی تھی حضور کے انتقال کے وقت ۸ برس کے تھے پہلے کوفہ میں رہتے تھے پھر مکہ چلے آئے۔ ابو الطفیل حضرت علیؑ کے اُن صحابہ میں تھے جو اُن سے نہایت درجہ محبت رکھتے تھے چنانچہ اُن کے ساتھ تمام لڑائیوں میں شریک رہے ثقہ تھے اور امانتدار تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر کی فضیلت کے معترف تھے مگر بات یہ تھی کہ حضرت علیؑ کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی وفات سنہ ۱۰۰ ہجری میں ہوئی اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سنہ ۱۱۰ ہجری میں ہوئی انکی وفات رسول خدا کے دیکھنے والوں میں سب سے پیچھے ہوئی۔ (صفحہ ۹۷ اسد الغابہ جلد ۵)

اسد الغابہ کی اس عبارت پر کہ ابو الطفیل حضرت کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ اڈیٹر صاحب یہ حاشیہ چڑھاتے ہیں۔

"میرے خیال میں کسی راوی کی غلط فہمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بروایات صحیحہ جن کا قدر مشترک متواتر کو پہونچ گیا ہے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ شیخین رض کے افضل الاصحاب ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع تھا کیونکہ روافض بھی اس امر کے معترف ہیں کہ جمہور سلف شیخین کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے اور شیخین کے علاوہ اور سب کی انتہائی معراج اسیں سمجھتے تھے کہ شیخین کی اتباع کریں۔"

اقول استیعاب ابن عبدالبر مکی میں ہے۔

کان یعترف بفضل الشیخین الا انہ کان یقدم علیاً (صفحہ ۲ جلد ۲)

اصابہ میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

کان یعترف بفضل ابی بکر و عمر لکنہ یقدم علیاً۔ (صفحہ ۱۱ جلد ۴)

کہ ابو طفیل اگرچہ معترف فضل ابوبکر و عمر تھے مگر جناب امیر کو سب سے افضل جانتے تھے۔

پھر نہ معلوم اڈیٹر صاحب نے یہ کہاں سے تراشا کہ راوی کی غلط فہمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر اسی طرح تاویل کی جائے گی تو پھر کسی روایت پر کب اعتماد ہو سکتا ہے آپ لکھتے ہیں۔

"بروایت صحیحہ جن کا قدر مشترک تواتر کو پہونچ گیا ہے۔ یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا ہے کہ شیخین کے افضل الاصحاب ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع تھا"
مگر افسوس خود استیعاب میں ہے:۔

وروی عن سلمان و ابی ذر و المقداد و جناب و جابر و ابی سعید الخدری و زید بن الارقم ان علی بن ابی طالب اول من اسلم و فضله هؤلاء علی غیره۔ (جلد ۲ صفحہ ۴۲)

یعنی حضرت سلمان فارسی۔ ابوذر۔ مقداد و جناب و جابر و ابو سعید خدری۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ جناب امیر سب سے پہلے ایمان لائے اور یہ لوگ حضرت کو فضیلت دیتے تھے غیروں پر۔

کیا اجماع اسی کا نام ہے جس کے مخالف ایسے ایسے مقدس صحابی ہوں جن کا اجماع ہے اس پر کہ جناب امیر سب سے افضل تھے۔
اسی استیعاب میں ہے:۔

واختلف السلف ایضا فی فضل علی و ابی بکر۔ (صفحہ ۴۶۶)	اور سلف میں اختلاف رہا ہے اس میں کہ جناب امیر افضل ہیں یا ابو بکر۔

پھر نہ معلوم کس منہ سے کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے" حالانکہ آٹھ صحابہ تو یہ ہیں جن کی تصریحات صریحی موجود ہے کہ وہ جناب امیر کو افضل سمجھتے تھے۔ انکے علاوہ وہ لوگ جن کا ذکر مجملاً کیا ہے استیعاب میں کہ سلف میں اختلاف رہا ہے اس بارے میں۔

حدوث مذہب تفضیلت از زمانہ احمد بن حنبل اب آئیے ہم آپ کو بتادیں کہ یہ مذہب اہلسنت کا تفضیلت بہ ترتیب خلافت ہر کب سے قائم ہے اسی استیعاب میں ہے:۔

واما اختلاف السلف فی تفضیل علی فقد ذکره ابن ابی خیثمة فی کتابه ما فیه کفایة و اهل السنة الیوم علی ما ذکرت لک من تقدیم ابی بکر فی الفضل علی عمر و تقدیم عمر علی عثمان و تقدیم عثمان علی علی و علی هذا عامة اهل الحدیث من زمن احمد بن حنبل الاخواص من جملة الفقهاء و ائمة العلماء فانهم علی ما ذکرنا عن مالک و یحیی القطان و ابن معین فهذا ما بین اهل الفقه و الحدیث فی هذه المسئلة و هم اهل السنة و اما اختلاف سائر المسلمین فی ذالک فیطول ذکره و قد جمعه قوم و قد کان بنو امیه ینالون منه و ینقصونه فما زاده الله بذالک الا سموا و علوا و حبة عند العلماء (صفحہ ۴۶۶)

یعنی تفضیل جنابِ امیرؑ کے بارے میں جو سلف میں اختلاف تھا اُس کو ابن ابی خیثمہ نے اپنی کتاب میں جمع کیا ہے جو کافی ہے۔

رہا مذہب اہلسنت جو آجکل ہے کہ ابوبکر افضل ہیں عمرؓ سے عمرؓ افضل ہیں عثمانؓ سے اور عثمانؓ افضل ہیں علیؑ سے اور اسی پر عام اہلحدیث ہیں تو یہ زمانہ احمد بن حنبل سے ہے مگر خواص، بزرگان فقہا، و محدثین اُس مذہب پر ہیں جس کو امام مالک یحییٰ قطان۔ ابن معین سے ہم نے ذکر کیا یہ سب اختلافات اہل فقہ اور اہلحدیث کے درمیان میں ہیں۔ رہا تمامی مسلمین کا اختلاف اس بارے میں تو ذکر اسکا موجب تطویل ہے اور ایک قوم نے جمع کیا ہے۔ اور بنی امیہ حضرت کو گالی دیتے تھے اور تنقیص کرتے تھے مگر اس سے حضرت کی شان میں کوئی نقص نہ پیدا ہوا بلکہ علمائ کے نزدیک درجہ محبت حضرت کی بڑھ گئی اور علو مدارج میں ترقی ہوئی۔

پس اڈیٹر صاحب کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ آپکی ناصبیت سے کیا بگڑا بجز اسکے کہ حضرت کی جلالت قدر اور ظاہر ہوئی آپ تو کہتے تھے صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے تفضیل شیخین پر حالانکہ ایک نہیں صدہا صحابہ نکلے جن کا عقیدہ اس کے خلاف ہے اور ابن ابی خیثمہ نے اس کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے ان کے علاوہ اور لوگوں نے اس بارے میں تصنیفیں کی ہیں۔

اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مذہب آجکل اہلحدیث یا اہلسنت میں رائج ہے اسکی ابتدا امام احمد بن حنبل سے ہوئی ورنہ اِن کے قبل یہ مذہب نہ تھا۔

امام احمد بن حنبل کی ناصبیت کے لیئے یہی کافی ہے کہ ابو المؤید خوارزمی مسند ابو حنیفہ میں لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل پر امام خطیبؒ نے یہ طعن کیا ہے کہ انھوں نے حریز بن عثمان کی توثیق کی اور کہا ثقۃ ثقۃ حالانکہ حریز دشمن جناب امیرؑ تھا اور ظاہر ہے کہ دشمن جناب امیر اور دشمن شیخین کے درمیان میں کوئی فرق نہیں۔

امام خطیب کہتے ہیں کہ حریز مذکور کذاب اور فاسق بھی تھا وہ کہتا تھا کہ یہ حدیث جو مشہور ہے کہ جناب امیرؑ کے بارے میں حضرتؐ نے فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ (جو صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں ہے) تو غلط ہے کیونکہ ولید بن عبدالملک (خلیفہ بنی امیہ) یوں بیان کرتا تھا علی منّی بمنزلۃ قارون من موسیٰ امام خطیب کہتے ہیں کہ یزید بن ہارون نے خداوند عالم کو خواب میں دیکھا کہ تو حریز بن عثمان سے حدیث لیتا ہے تو میں نے کہا کہ ہم تو بجز خیر اسکے کچھ نہیں جانتے۔ اس پر حکم ہوا کہ نہ لکھا کرو وہ علیؑ ابن ابی کو گالی دیا کرتا ہے۔

پس جب احمد بن حنبل ایسے ناصبی تھے کہ ایسے کذاب ناصبی کی توثیق کرتے تو پھر اس میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ وہ ناصبی تھے اور ازراہ ناصبیت اس عقیدہ کو قائم کیا کہ جناب امیر چوتھے درجہ میں افضل ہیں اور وہی عقیدہ اہلسنت ہے آج۔

حریز بن عثمان قبیلہ حمیر سے تھا۔ رحبہ کوفہ کا رہنے والا خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ میں بغداد آیا اور
وہاں حدیثیں سنیں اور لوگوں سے بیان کیا۔
(۱) مفضل بن غسان کہتے ہیں کہ حریز سفیانی (طرفداران خاندان ابوسفیان) (۲) عجلی کہتے ہیں کہ دشمن
جناب امیر تھا۔ (۳) عمرو بن علی کہتے ہیں کہ وہ تنقیص جناب امیر کرتا اور گالی دیتا۔ (۴) دوسرے
موقع پر کہا سخت حملہ کرتا تھا جناب امیر پر (۵) ابن عمار کہتے ہیں کہ وہ مشہور تھا بعداوت جناب
امیر مگر اس پر بھی لوگ اس سے روایت کرتے۔ (۶) احمد بن سلیمان کہتے ہیں کہ یزید بن ہارون نے بیان
کیا کہ حریز کہتا تھا کہ ہم علیؑ کو دوست نہیں رکھتے کیونکہ انھوں نے ہمارے آباؤ اجداد کو قتل کیا تھا۔
(۷) یزید بن ہارون نے کہا کہ وہ کہتا تھا کہ تمہارا امام تمہارے لئے اور ہمارا امام ہمارے لئے (۸) عمران بن یاس کہتے ہیں
کہ حریز کہتا تھا کہ ہم علیؑ کو نہیں دوست رکھتے کیونکہ انھوں نے ہمارے آبا کو قتل کیا۔ (۹) اسمٰعیل ابن
عیاش کہتے ہیں کہ ہم مکہ سے مصر تک ساتھ رہا وہ برابر تبرا کرتا جناب امیر پر اور حضرت پر لعنت کرتا۔ (۱۰)
ضحاک بن عبد الوہاب کہتا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے اور متہم ہے۔ (۱۱) اسمٰعیل بن عیاش کہتے ہیں کہ وہ
کہتا تھا یہ حدیث جو مشہور ہے۔ انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ تو حضرت نے یوں فرمایا تھا انت
منی بمنزلۃ قارون من موسیٰ مگر سامع نے غلطی کی! اسی طرح بیان کیا ولید بن عبد الملک نے منبر پر۔
(۱۲) یزید بن ہارون کو ایک شخص نے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا تو اُسنے کہا خدا نے ہمکو بخشدیا مگر اس پر
عتاب کیا کہ کیوں ہم نے حریز بن عثمان سے روایت کی حالانکہ وہ دشمن جناب امیر تھا۔ (۱۳) ازدی نے
ضعفا میں کہا یہ روایت کیا ہو کہ حریز نے بیان کیا رسول اللہ نے جب چاہا اپنے بغلہ پر سوار ہوں تو حضرت علی
نے اسکی رسی کھولدی کہ حضرت گر پڑیں۔ ابن حجر کہتے ہیں۔ اسکو بھی اس نے شاید ولید سے سنا تھا (۱۴)
یحییٰ بن صالح وحاظی بیان کرتا ہے کہ حریز نے تنقیص جناب امیر میں ایک ایسی حدیث بیان کی کہ اس کا
ذکر بھی مناسب نہیں۔ (۱۵) حدیث معقل نہایت منکر ہے کہ جو خدا سے ڈرتا ہو وہ اس سے روایت نہیں
کر سکتا۔ (۱۶) یحییٰ بن صالح سے کسی نے پوچھا کہ حریز بن عثمان سے تو نے کوئی حدیث کیوں نہ لکھی کہا کیونکر ہم
ایسے شخص سے روایت کرسکتے ہیں جس کے ساتھ سات برس تک ہم نے نماز پڑھی اور وہ مسجد سے اُسوقت
تک نہ نکلتا کہ جب تک جناب امیر پر ستر مرتبہ لعنت نہ کرلیتا۔ (۱۸) ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ستر مرتبہ صبح
وشام لعنت کرتا تھا جناب امیر پر کسی نے پوچھا تو کہا انھوں نے ہمارے باپ دادا کو قتل کیا ہے۔
اور وہ داعی مذہب تھا اس کی حدیثوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۴۰)

اب فرمایئے جو شخص ایسا خارجی ہو کہ جناب امیر پر صبح وشام ستر مرتبہ لعنت کرتا ہو اس سے احمد بن
حنبل کا روایت کرنا اور اسکی توثیق کرنا کہ وہ ثقہ تھا ثقہ تھا کیسی ہماری حیثیت احمد بن حنبل کو ظاہر کرتا ہے
حالانکہ یہ اصول حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ جو راوی ایسا ہو کہ وہ اپنے مذہب کا داعی ہو اُس کی

روایت کسی طرح جائز نہیں۔

جناب امیرؑ جو الزام قائم کیا گیا ہے کہ حضرتؑ نے اس کے آباؤ اجداد کو قتل کیا تھا تو بتصریح ذہبی یہ واقعہ جنگ صفین کا ہے جو ۳۷ھ ہجری کا واقعہ ہے اور اس ملعون کی موت ۱۶۳ھ میں ہوئی (میزان الاعتدال ص۱۵۲) مگر وہ عداوت نہ گئی جس سے وہ صبح و شام گالیاں دیا کرتا جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جن صحابہ کے آباؤ اجداد یا اولاد کو جناب امیرؑ نے قتل کیا ان کو کس درجہ عداوت ہوگی اور کیا اسی کا بدلہ نہیں لیا گیا کہ حضرت کو خلافت سے محروم کیا اور جناب سید الشہداء روحی لہ الفداء کو اس بیکسی سے معرکۂ کربلا میں شہید کیا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ بہرحال احمد بن حنبل پر جس وجہ سے خارجیت و ناصبیت کا الزام قائم ہے اسمیں بخاری بھی اُن کے شریک ہیں بلکہ شریک غالب ہیں کیونکہ علاوہ اسکے کہ بخاری نے صدہا خوارج سے روایت کیا خود اس ابن حریز کی روایت بھی بخاری کے یہاں موجود ہے چنانچہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

لہ عند البخاری حدیثان فقط وذکر اللالکائی ان مسلما روی لہ و ذالک وھم منہ (ص۲۲۴)

کہ بخاری نے صرف دو حدیثیں اسکی لکھی ہیں اور لالکائی کہتے ہیں کہ مسلم نے بھی اس سے روایت کی ہے حالانکہ یہ وہم ہے۔

پھر لکھتے ہیں:۔

وانما اخرج لہ البخاری لقول ابی الیمان انہ رجع عن النصب۔

کہ بخاری نے اس وجہ سے اس سے روایت کی کہ ابوالیمان نے کہا کہ اس نے توبہ کیا ناصبیت سے۔

مگر یہ عذر بھی کیا ہی معقول ہے کہ جس کی عمر ناصبیت میں کٹی اس کی نسبت ایک ابوالیمان کے کہنے سے بخاری نے مان لیا کہ اس نے توبہ کیا حالانکہ ایسے ایسے صدہا راوی بخاری کے یہاں بھرے ہیں۔

غرض فرقہ اہل حدیث کو جو خارجیت اور ناصبیت و عداوت اہلبیت طاہرینؑ میں آپ زیادہ سرشار دیکھتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ جو ان کا معلّم اور استاد تھا احمد بن حنبل وہی ایسا ناصبی تھا کہ ایسے ایسے دشمنان جناب امیرؑ کو اپنا استاد بنایا تھا۔ پھر کیونکر اس عداوت سے یہ لوگ خارج ہو سکتے ہیں۔

احمد بن حنبل کی خارجیت اسی پر نہیں تمام ہوتی کہ وہ ایسے ایسے خوارج سے حدیثیں نقل کرتے ہیں بلکہ وہ ان لوگوں سے ہیں جو جناب امیرؑ کو جنگ جمل و صفین میں خاطی سمجھتے ہیں جیسا کہ منہاج السنۃ ابن تیمیہ میں ہے:

وھذا لکان ائمۃ السنۃ کمالک واحمد بن حنبل وغیرھما یقولون ان قتالہ للخوارج مامور بہ واما قتال الجمل وصفین فھو قتال فتنۃ۔

یعنی جناب امیرؑ کا قتال کرنا خوارج سے تو البتہ مامور بہ تھا مگر قتال جمل و صفین جائز

نہ تھا کیونکہ وہ قتال فتنہ تھا۔

وھذا مذھب مالک واحمد بن حنبل والاوزاعی والثوری

یعنی یہی مذہب مالک واحمد بن حنبل واوزاعی بلکہ سفیان ثوری کا بھی ہے۔

پھر ان کی ناصبیت میں کیا عذر ہو سکتا ہے کیونکہ خود شاہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

وہمیں است مذہب اہلسنت کہ حضرت امیر در مقاتلات خود بر حق بود و مصیب و مخالفان او بر غیر حق و مخطی۔

اور یہی ہے مذہب اہلسنت کہ حضرت علی ؑ اپنی تمام لڑائیوں میں حق پر تھے اور آپ کے مخالفین حق کے مخالف اور خطاکار۔

جس سے معلوم ہوا کہ مذہب اہلسنت یہی ہے کہ جناب امیر کل محاربات میں خواہ جنگ جمل ہو یا صفین یا نہروان حق پر تھے۔ تو پھر بتائیے کہ احمد بن حنبل و مالک وغیرہ جو اسکے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں وہ اہلسنت سے ہیں یا خوارج سے۔

شاہ صاحب طعن متعہ میں لکھتے ہیں۔

پس ہر کہ غزوہ خیبر را تاریخ تحریم متعہ گوید گویا دعوی غلطی در استدلال حضرت مرتضیٰ می کند وایں دعوی شاید جہل وحمق اواست۔

جس سے معلوم ہوا کہ جناب امیر کے استدلال میں غلطی کا دعویٰ کرنا مدعی کے جہالت وحماقت کی دلیل ہے تو پھر احمد بن حنبل و مالک وغیرہ کی حماقت وجہالت میں کیا عذر ہو سکتا ہے جو ان محاربات میں جناب امیرؑ کو بر سر خطا جانتے تھے۔ احمد بن حنبل کی کفر وجہالت کے لیۓ یہی کافی ہے کہ وہ مجسمہ تھے یعنی اسکے قائل تھے کہ خداوند عالم کے جسم ہے جو آسمان سے اُترتا اور چڑھتا ہے جیسا کہ رسالہ العقل وتہذیب الحدیث میں بالتفصیل مذکور رہے اور مسئلہ تفضیل کی تفصیل تنقید بخاری حصہ چہارم میں مکمل ہو چکی ہے یہاں اس قدر صرف اس وجہ سے لکھا گیا کہ اڈیٹر النجم نے دعویٰ کیا تھا کہ تفضیل شیخین پر تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اس مذہب کی ابتدا احمد بن حنبل سے ہوئی جو اعلیٰ درجہ کے خارجی اور ناصبی تھے المتوفی ۲۴۱ھ۔

جناب امیر ؑ کی تفضیل کی بارے میں عامر بن واثلہ کی نسبت ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں

وکانت الخوارج یرمونہ باتصالہ لعلی وقولہ لفضلہ وفضل اھلبیتہ ولیس فی روایتہ باس (ص۸۳ جلد ۲)

کہ چونکہ ان کو جناب امیرؑ سے بہت خصوصیت تھی اسلیۓ خوارج ان پر الزام لگاتے تھے اس امر کا کہ وہ جناب امیرؑ کو اور تمام اہلبیت کو سب صحابہ سے افضل جانتے ہیں۔

آپ یہ سنکر اور بھی متعجب ہوں گے کہ باوصفیکہ یہ صحابی ہیں اور صحابہ کا ہر قصور اہلسنت کے یہاں مغفور ہے یہ ایسے قصوروار نکلے کہ انسے حدیث کی روایت بھی ترک کردی گئی تھی۔ چنانچہ اسی تہذیب التہذیب میں ہے:۔

وقال ابن المدینی قلت لجریر اکان مغیرة یکرہ الروایة عن ابی الطفیل قال نعم

یعنی مغیرہ ان سے حدیث کی روایت کو مکروہ جانتے تھے

یہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ علمدار لشکر مختار تھے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مختار کیسے شخص تھے۔

(۲۲۱) **عامر بن ابی عامر اشعری**۔ حضرت نے حکم دیدیا تھا کہ عامر کے لئے اذن طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد معاویہ کے پاس گئے تو وہاں بھی بلا اذن جاتے تھے انھوں نے عبدالملک کے عہد خلافت میں وفات کی (صلالا اسدالغابہ جلد ۵) مگر جناب امام حسینؑ کی نصرت نہ کی۔

(۲۲۲) **طاہر بن عبداللہ بن جراح** (ابو عبیدہ جراح) انکو بھی اس رسالہ سے زیادہ تعلق نہیں مگر چونکہ ان کا نام عشرۂ مبشرہ میں لیا جاتا ہے اور بہت کچھ فضائل و مناقب ان کے لئے بنائے گئے کہ حضرت نے امین ھذہ الامہ کا خطاب انکو دیا تھا لہذا مختصر حالات انکے گوش گذار کئے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ بزرگ کیسے تھے زیادہ تفصیل کے لئے کتاب عبقات الانوار جلد دوم حدیث مدینۃ العلم ص۱۲۵ ملاحظہ ہو۔

بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب المناقب یہ حدیث لکھی ہے:۔

کہ حضرت نے فرمایا ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور امین اس امت کے ابو عبیدہ جراح ہیں

دوسری روایت یہ لکھی ہے:۔

قال النبی لاھل نجران لابعثن یعنی علیکم امینا حق امین فاشرف اصحابہ فبعث اباعبیدہ

کہ حضرت نے فرمایا کہ ہم تم پر ایک امین بھیجیں گے جو پورا امین ہوگا تو تمامی صحابہ نے گردن بلند کی مگر حضرت نے ابو عبیدہ کو بھیجا۔

مگر افسوس یہ حدیث ایسی ہے کہ کوئی عاقل ایک منٹ کے لئے بھی نہیں تسلیم کر سکتا کیونکہ راوی اول انس بن مالک ہیں جو دشمنان جناب امیرؑ سے ہیں ان کے مختصر حالات اس رسالہ میں مذکور ہو چکے ہیں۔

دوسرا راوی ابوقلابہ ہے جس کا نام عبداللہ بن زید ہے تہذیب التہذیب میں ہے:۔

وکان یحمل علی علی ولم یرو عنہ شیئا (ص۲۲۵ جلد ۵)

یعنی دشمن جناب امیرؑ تھا اور حضرت سے ایک حدیث بھی اس نے روایت کی۔

علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں:۔

ثقة فی نفسه الا انه یدلس عمن لحقهم وعمن لم یلحقهم وکان له صحف یحدث منها و یدلس.

یہ بجائے خود ثقہ ہے لیکن تدلیس کیا کرتا تھا جس سے ملاقات ہوئی ہو یا نہ ہو یا ہوتا سب میں تدلیس کرتا اسکے پاس چند کتابیں تھیں انھیں سے حدیثیں بیان کرتا اور خلط ملط کرکے بیان کرتا۔

کتاب التبئین لاسماء المدلسین میں بھی میزان کے حوالہ سے یہی جملہ اسکے متعلق درج ہے۔ تدلیس کے بارے میں تمام علماء کا بیان ہے۔

وهذا خیانة منهم علی الشرع مقصودهم تنفیق احادیثهم

(تلبیس ابلیس ابن جوزی)

یہ شرع میں خیانت ہے اور مقصود اس سے صرف اپنی حدیثوں کا رواج دینا ہوتا ہے۔

غور فرمائیے اس روایت کی قدر و قیمت کیا ہوئی جبکہ اسکے پہلے راوی انس بھی پایۂ اعتبار سے ساقط دوسرا راوی ابو قلابہ دشمن جناب امیر اور مدلس اور تیسرا عیب یہ کہ ابو قلابہ احمق بھی تھا تہذیب التہذیب میں ہے کہ ابن التین شارح بخاری ناقل ہیں کہ ابو قلابہ نے عمر بن عبد العزیز سے قسامہ کے متعلق کوئی مسئلہ بیان کیا اور عمر ابن عبد العزیز نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔ اس پر ابوالحسن علی بن محمد قابسی مالکی کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز پر حیرت ہے کہ باوجود خود بڑے عالم ہونے کے ابو قلابہ کی بات کیسے مان لی ابو قلابہ فقہاء تابعین سے نہ تھا بلکہ وہ تو لوگوں کے نزدیک احمقوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلدہ ص ۲۲۶)

کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایسے احمق مدلس اور دشمن جناب امیرؑ کی روایت ابو عبیدہ کے فضائل میں نقل کی جاتی ہے اور اس روایت کو صحیح بخاری و مسلم میں جگہ دی جاتی ہے۔

عداوت جناب امیر کا نتیجہ یہیں تمام نہیں ہوتا کہ یہ مدلس اور احمقوں میں شمار کیا جاتا ہے بلکہ میزان الاعتدال کے حاشیہ پر مذکور ہے کہ ابو قلابہ جذام میں مبتلا ہو کر مرا تھا پیر آنکھیں سب غائب ہو چکی تھیں۔

تیسرا راوی خالد بن مہران حذاء ہیں جنھوں نے ابو قلابہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے انکے متعلق تہذیب التہذیب میں ہے:۔

قال ابو حاتم یکتب حدیثه لا یحتج به	حدیث اس کی لکھی تو جائے مگر قابل احتجاج و استدلال نہیں۔ (جلد ۳ ص ۱۲۰)

کس قدر تعجب ہے کہ بخاری ایسے شخص کی روایت اپنی صحیح میں درج کریں مگر وہ کرتے تو کیا ابو عبیدہ کے فضائل کے لئے بجز ایسے شرح راویوں کے اور راوی کہاں مل سکتا ہے۔

تہذیب التہذیب میں ہے یہ خالد بن مہران بصرہ میں چنگی تحصیل کرنے پر مقرر تھا اسی سلسلہ میں علامہ ابن حجر لکھتے ہیں :-

بظاہر یہ سلسلے اعتراضات جو اُس پر کیئے جاتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ آخر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا یا اس وجہ سے کہ وہ سلطنت کے امور میں داخل ہوا تھا۔

غرض کوئی بھی وجہ ہو یہ طے شدہ ہے کہ خالد مجروح ہے لہٰذا اس کی بیان کردہ روایت امین ھذہ الامۃ قطعی طور پر ناقابل التفات ہے۔

چوتھا راوی عبد الاعلیٰ ہے جسکے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں :-

" محمد بن سعد اسکے متعلق کہتے تھے کہ یہ قوی نہیں ۱۸۹ھ میں مرا امام احمد کہتے ہیں کہ یہ شخص فرقہ قدریہ کے عقائد رکھتا تھا بزار کہتے تھے قسم بخدا وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کون بیر اُس کا بڑا ہے "

(میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲)

ان حقائق کی روشنی میں بخاری کی پہلی روایت جو ابو عبیدہ کے مناقب میں مذکور ہے جس میں ابو عبیدہ کے خطاب امین ہذہ الامہ کا تذکرہ ہے کسی کام کی نہیں رہتی رہ گئی دوسری روایت جو اسی باب المناقب میں بایں الفاظ ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا "ہم ضرور امین کو روانہ کریں گے اور اسکے بعد ابو عبیدہ کو روانہ کیا" تو اسکے راوی ابو اسحاق سبیعی ہیں جسکے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں :-

جریر مغیرہ سے روایت کرتے ہیں مغیرہ کہتے تھے کہ حدیث اہل کوفہ کو ابو اسحاق اور اعمش نے غارت کیا تو ہی کہتے تھے کہ بعض اہل علم نے بیان کیا کہ ابو اسحاق آخر میں سٹری ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے لوگوں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۶۲)

اس ابو اسحاق کو معاویہ کے یہاں سے تین سو ماہانہ ملا کرتے تھے ظاہر ہے اس نے ان کی خواہش کے مطابق کافی حدیثیں گڑھی ہوں گی۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں :-

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ یہ ابو اسحاق مدلس تھا تدلیس کے متعلق ہم سبط ابن جوزی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ وہ خیانت ہے شرع میں ۔ حسین کرابیسی اور ابو جعفر طبری نے بھی اسے مدلسین میں شمار کیا ہے ۔ ابن مدینی اپنی کتاب العلل میں لکھتے ہیں ۔ شعبہ نے کہا میں نے ابو اسحاق کو حارث بن ازمع کے حوالہ سے حدیث بیان کرتے سنا میں نے پوچھا کیا تم نے خود حارث سے یہ حدیث سُنی ہے اس نے کہا مجھ سے مجالد نے بیان کیا مجالد نے شعبی سے سنا شعبی نے حارث سے سنا ۔ شعبہ کہتے ہیں کہ ابو اسحاق جب کسی راوی کا نام لیتا تو ہم کہتے یہ تو تجھ سے بڑا ہے اگر کہتا کہ ہاں تو ہم سمجھتے اسکی ملاقات ہوئی ہوگی اور اگر کہتا کہ ہم اس سے بڑے ہیں تو چھوڑ دیتے اسکی بیان کردہ حدیث قبول نہ کرتے ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۶۴)

طرہ تو یہ ہے کہ ابو اسحاق ایسا شخص تھا کہ عمر بن سعد ایسے شقی سے اس نے حدیثیں روایت کی ہیں جو امام حسینؑ کا قاتل تھا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔

عمر ابن سعد اگرچہ فی نفسہ غیر متہم ہے لیکن یہ امام حسینؑ کے قتل میں شریک تھا اور بہت سے زشت و زبوں افعال اس سے سرزد ہوئے شعبہ نے ابو اسحاق سے ایک حدیث روایت کی جسے اس نے عزار بن حریث سے سنا تھا اور اس نے عمر بن سعد سے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا تجھے خوف خدا نہیں کہ عمر ابن سعد سے روایت کرتا ہے اس پر وہ رونے لگا اور کہا کہ اب ایسا نہ کروں گا عجلی کہتے ہیں بہت سے لوگوں نے عمر ابن سعد سے روایت کی ہے اور وہ ثقہ تابعی تھا احمد بن زہیر کہتے ہیں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا کیا عمر ابن سعد ثقہ تھا کہا جو شخص قاتل امام حسینؑ ہو وہ کیونکر ثقہ ہو سکتا ہے۔

(میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۳۲)

اب تو کسی منفص کو بھی بخاری کی ناصبیت و خارجیت میں شک نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ ایسے ایسے راویوں کی بیان کردہ حدیثیں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں جنہوں نے قاتلان امام حسین سے حدیثیں سنی اور روایت کی تھیں۔

اس پر بھی اہلسنت ندامت نہیں محسوس کرتے جو دعوائے ولائے اہل بیت طاہرین کرتے ہیں حالانکہ خود اُنکے صحاح ستہ ایسے راویوں کی بیان کردہ حدیثوں سے بھرے ہوئے ہیں جنہوں نے امام حسین کے قاتلوں سے حدیثیں روایت کی ہیں امام عجلی کی تعریف بیان کی جا چکی کہ عمر بن سعد تابعی تھا اور ثقہ تھا اور اس سے بہت سے لوگوں نے روایت کی یعنی ایک ابو اسحاق سبیعی ہی پر منحصر نہیں بلکہ بہت سے علماء اہل حدیث نے اس سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

عمر ابن سعد بن ابی وقاص زہری اسکی کنیت ابو حفص تھی مدینہ کا رہنے والا تھا کوفہ میں سکونت اختیار کی اس نے اپنے باپ سعد بن ابی وقاص سے اور ابو سعید خدری سے حدیثیں روایت کیں اس سے ابراہیم اور اسکے پوتے ابو بکر بن حفص ابن عمر ابو اسحاق سبیعی عیزار بن حریث، یزید بن ابی مریم، قتادہ، زہری، اور یزید بن ابی حبیب وغیرہ نے حدیثیں روایت کیں۔ عجلی نے کہا کہ عمر ابن سعد نے اپنے باپ سعد بن ابی وقاص سے کئی حدیثوں کی روایت کی اور لوگوں نے اس عمر بن سعد سے حدیثیں روایت کیں وہ ثقہ اور تابعی ہے اور اسی نے حسینؑ کو قتل کیا۔ ابن ابی خیثمہ نے اپنے اسناد سے روایت کی ہے کہ ابن زیاد نے عمر سعد کو لشکر کے ساتھ بھیجا تاکہ حسین سے جنگ کرے اور شمر بن ذی الجوشن کو بھیجا اور کہا تو بھی عمر بن سعد کے ساتھ جا اگر وہ حسینؑ کو قتل کرے تو خیر ورنہ تو حسینؑ کو قتل کرنا اور لشکر کی سرداری تجھے حاصل رہے گی۔ ابن ابی خیثمہ ابن معین سے روایت کرتا ہے کہ حسینؑ کو جس نے قتل کیا وہ کیونکر ثقہ ہو سکتا ہے۔ عمر بن علی کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن سعید کو سنا وہ کہتے تھے کہ مجھ سے

اسماعیل نے بیان کیا اس سے عیزار نے بیان کیا اس سے عمرابن سعد نے کہا اس پر موسیٰ نامی ایک شخص نے جو بنی ضبیعہ سے تھا کہا ابوسعید یہ عمر بن سعد تو قاتل حسینؑ ہے کیا تم اس سے روایت کرتے ہو اس پر وہ خاموش ہو گئے ابن خماش نے عمر ابن علی سے بھی ایسی روایت کی ہے وہ کہتا ہو کہ ایک شخص نے کہا کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا تو عمر بن سعد سے روایت کرتا ہے وہ رونے لگا اور کہا کہ اب ایسا نہ کروں گا۔

حمیدی کہتے ہیں کہ:۔

ہم سے سفیان بن سالم نے بیان کہ ایک روز عمر بن سعد نے امام حسینؑ سے کہا ایک جماعت بے عقلوں کی خیال کرتی ہے کہ میں آپ کو قتل کروں گا امام حسینؑ نے فرمایا وہ بے عقل نہیں قسم خدا کی اے عمر ابن سعد ہمارے بعد تو ملک عراق کا گیہوں بہت کم کھانے پائے گا۔ (تہذیب التہذیب جلد، صفحہ)

اب اس سے بڑھ کر کیا عزت افزائی قاتلان امام حسینؑ کی ہو سکتی ہے کہ ادھر وہ امام حسینؑ کو قتل کرتے ہیں اور ادھر صحاح ستہ اہلسنت کے راوی بنتے ہیں جس سے بڑھ کر کوئی دینی درجہ نہیں ہو سکتا کیونکہ عمر بن سعد سے حضرت ابو اسحاق سبیعی ہی نہیں حدیثیں روایت کرتا بلکہ اس کا بیٹا ابراہیم ہوتا ابو بکر بن حفص نیز اور بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں اور وہ سب صحاح ستہ کے رواۃ سے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کا کربلا میں شہید ہونا اور عمرو عاص کا قاتل ہونا ایسا مشہور تھا کہ اس زمانہ کے لوگ قبل از وقت مطلع تھے اور عمر بن سعد نے بھی اسکو سنا اور امام حسین سے دریافت کیا حضرت نے اسکی تصدیق فرمائی اور یہ بھی بتا دیا کہ تو بھی ہمارے بعد بہت کم زندہ رہے گا مگر اس پر بھی شقاوت اس پر غالب رہی اور آخر آپ کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے رہا۔

مگر ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں دنیا چیز ہی ایسی ہے کہ جو کچھ نہ ہو کم ہے مگر حیرت و تعجب علمائے اہلسنت سے ہے جو ایسے ایسے ملاعین سے حدیث کی روایت کرتے ہیں اور ان کی روایات سے صحاح ستہ کو زینت دیتے اور اسکے مدعی ہوتے ہیں کہ قاتلان امام حسین سب شیعہ تھے اس بیحیائی کا کیا علاج ہے۔

ابو اسحاق سبیعی جو اس حدیث امانت ابی عبیدہ کا راوی ہے صرف عمر بن سعد ہی سے روایت نہیں کرتا بلکہ شمر سے بھی اس نے حدیثیں روایت کی ہیں عمر سعد کی طرح شمر بھی اسکا استاد حدیث ہے۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:۔

"شمر بن ذی الجوشن اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور ابو اسحاق سبیعی اسکا روایت کرتا ہے۔ مگر شمر اس قابل نہیں کہ اس سے حدیثیں روایت کی جائیں یہ قاتلان امام حسینؑ سے ہے جبکو مختار کے رفقا و انصار نے قتل کیا ابو بکر بن عیاش ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں ابو اسحاق کہتا ہے کہ شمر ہم لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتا تھا اور کہتا تھا خدایا ہم شریف ہیں ہمکو بخشدے ہم نے کہا کیونکر تو بخشا جا سکتا ہے حالانکہ تو نے فرزند رسولؐ کے قتل پر مدد کی تو اس نے کہا کہ ہمارے حاکموں نے اس کا حکم دیا پھر اگر اسکو انجام نہ دیتے تو ان گدھوں

سے بھی بدتر ہوئے۔
علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ :۔
یہ عذر تو اور بھی قبیح ہے کیونکہ اطاعت نیک کام میں ہوتی ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص)
اب تو کسی کو اس میں عذر نہیں ہو سکتا کہ شمر بھی اہلسنت بلکہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہو کیونکہ بخاری نے ابو اسحاق سبیعی سے حدیثیں روایت کیں ابو اسحاق نے شمر سے حدیثیں لیں اب اس سے بڑھکر قاتلان امام حسین کی کیا عزت افزائی ہو سکتی ہے کہ وہ رواۃ صحیح بخاری کا استاد تھا۔
معلوم ہوتا ہے علامہ ابن حجر کو شرم آئی جو اس کے نام کو تہذیب التہذیب میں درج نہ کیا ورنہ اس کا نام نہ لکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی جبکہ اصابہ جلد ۲ ص۱۷۵ میں تذکرہ کر چکے تھے۔
ولہ حدیث عند ابی داؤد من طریق ابی اسحاق عنہ ویقال انہ لم یسمع منہ وانما سمعہ من ولدہ شمر۔
یعنی ابو داؤد کے یہاں ذی الجوشن کی روایت ہے بواسطہ ابی اسحاق اور کہا جاتا ہے کہ ابو اسحاق نے خود ذی الجوشن سے نہیں سنا بلکہ اسکے بیٹے شمر سے سنا تھا۔
غرض امین ھذہ الامۃ کی روایت جو بخاری میں ہے وہ اسی ابو اسحاق سبیعی کے واسطہ سے ہے جو مدلس بھی تھا اور دشمن اہلبیت طاہرین بھی تو کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ روایت یا یہ کتاب صحیح ہو سکتی ہو۔
تیسرا طریق اس روایت کا وہ ہے جو بخاری نے کتاب المغازی میں لکھا ہے اس رواۃ حسب ذیل ہیں۔
عباس بن حسین۔ یحییٰ بن آدم۔ اسرائیل۔ ابو اسحاق سبیعی۔ صلہ بن زفر۔
راوی اول عباس حسین قنطری ہے اسکے متعلق علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

وقال ابن ابی حاتم عن ابیہ مجہول۔
ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۱۱۱)

تیسرا راوی اسرائیل ہے اسکے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔
اسرائیل پوتے ہیں ابی اسحاق سبیعی کے ابن مدینی کہتے ہیں وہ ضعیف ہے۔ یحییٰ القطان اس کی مذمت کرتے تھے اس سے ناراض تھے نہ اس سے روایت کرتے تھے نہ شریک سے۔
(میزان الاعتدال ص۸۳)

علامہ حجر عسقلانی لکھتے ہیں
ابن حزم نے اسکو مطلقاً ضعیف کہا ہے اور ان حدیثوں کو رد کر دیا ہے جن کا وہ راوی تھا۔ عثمان بن ابی شیبہ، عبدالرحمان بن مہدی کے حوالہ سے بیان کرتے کہ وہ چور تھا جو حدیثوں کو چرایا کرتا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص۲۶۳)

پھر کیوں نہ وہ اس حدیث کا راوی ہو کہ ابو عبیدہ اس امت کے امین تھے جبکہ خود چور تھا۔ کیا کیا خوبصورت راوی بخاری کو ملے تھے۔

چوتھے راوی وہی ابو اسحاق ہیں جو اسرائیل کے دادا تھے جن کا تفصیلی ذکر ابھی کچھ دیر پہلے کیا جا چکا ہے

طریق چہارم امین ھذہ الامہ والی روایت کو بخاری نے چوتھے طریقہ سے کتاب المغازی میں لکھا ہے اسکے حسب ذیل راوی ہیں :۔

محمد بن بشار ۔ محمد بن جعفر ۔ شعبہ ۔ ابو اسحاق ۔ صلہ بن زفر۔

پہلے راوی محمد بن بشار ہیں جو بندار کے نام سے مشہور ہیں ان کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کذبہ الفلاس فلاس نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ اسکے بعد لکھتے ہیں ۔

عبداللہ دورقی کا بیان ہے کہ ہم لوگ یحییٰ بن معین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بندار کا ذکر چھڑا گیا میں نے یحییٰ کو دیکھا کہ انھوں نے بندار کو کوئی اہمیت نہ دی اور اسکو ضعیف قرار دیتے تھے۔ میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۲۳

علامہ ابن حجر نے بھی تقریباً یہی عبارت لکھی ہے جو ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھی ہے نیز وہ لکھتے ہیں :۔

عمرو بن علی برقسم کہا کرتے کہ بندار نے یحییٰ سے جتنی روایتیں کی ہیں وہ سب جھوٹ ہیں ....

عبداللہ بن علی مدینی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے بندار کی اس حدیث کے متعلق جو اس نے بسلسلہ اسناد پیغمبر سے روایت ہے کہ تسحروا فان فی السحور برکۃ سحری کھاؤ کہ سحری میں برکت ہے دریافت کیا۔ تو میرے باپ نے کہا یہ جھوٹ ہے اور انھوں نے سخت انکار کیا۔ یحییٰ بن معین کے سامنے اسکا تذکرہ ہوا تو انھوں نے مطلق اہمیت نہ دی اسی طرح قواریری بھی اسکو پسند نہ کرتا تھا اور کہتا تھا یہ کبوتر باز ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۷۱)

پھر بتایئے ایسے شخص کی روایت کب اس قابل ہو سکتی ہے کہ وہ صحیح سمجھی جائے امام عجلی کہتے ہیں کہ وہ عالم تھا پھر کیوں نہ ایسی روایت کرے کہ ابو عبیدہ امین ھذہ الامہ ہیں۔

دوسرا راوی محمد بن جعفر غندر ہے میزان میں اس کے متعلق ہے کان مغفلاً یہ احمق تھا۔ تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی میں بھی تقریباً یہی لفظیں ہیں اس کا نام غندر ابن جریح نے رکھا کیونکہ بہت فساد جھگڑا کرتا اور ایسے شخص کو اہل حجاز غندر کہتے ہیں۔ یحییٰ بن معین حکایت کرتے ہیں کہ غندر ایک روز مچھلی خرید کر لایا اور گھر والوں کو پکانے کو کہہ کر سو گیا ان لوگوں نے مچھلی کو تو کھا ڈالا اور اسکے ہاتھ میں شوربہ لگا دیا جب یہ بیدار ہوا تو کہا مچھلی لاؤ سبھوں نے کہا واہ تم تو کھا کر سو رہے تھے اپنے ہاتھ سونگھو جب سونگھا تو اس سے مچھلی کی خوشبو آئی۔

تذکرۃ ذہبی اور تہذیب التہذیب ابن حجر میں ہے :۔

عن ابن معین قال قدمنا علی غندر فقال لا احدثکم حتی تمشوا

خلفی فیراکم اهل السوق فیکرمونی۔ جلد ص۹۹)

یحییٰ بن معین کہتے تھے ہم لوگ حدیث سننے غندر کے پاس گئے تو اُس نے کہا جب تک ہمارے

پیچھے پیچھے بازار میں نہ چلوگے کہ لوگ دیکھیں اور ہماری تعظیم کریں تب تک ہم حدیث نہ بیان کرینگے۔

چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا جب اسکے پیچھے چلے تو راستہ میں لوگ اس پوچھتے اے ابوعبداللہ یہ کون لوگ

ہیں تو یہ کہتا یہ اصحاب حدیث ہیں جو بغداد سے ہمارے پاس حدیثیں سننے اور لکھنے کے لیے آئے ہیں۔

اب اس سے بڑھ کر اس شخص کی دنیاداری کی کیا دلیل ہو سکتی کہ اس غرض سے کہ لوگ اسکی قدر و

منزلت کریں شاگردوں سے خواہش کرتا کہ ہمارے پیچھے پیچھے بازار میں چلو ایسے ہی لوگوں کا علاج حضرت

عمر نے دُرّہ تجویز کیا تھا جیسا کہ تاریخ خمیس میں ہے۔

ایک دفعہ عمر کا گذر ہوا اور سعد بن ابی وقاص تعظیم کے لیے نہیں اُٹھے تو حضرت عمر نے ان پر دُرّہ

چلا دیا اور کہا اگر خلافت سے نہیں ڈرتے تو خلافت بھی تم سے نہیں ڈرتی۔ ابی ابن کعب ایک دفعہ جا رہے

تھے اور کچھ لوگ اُن کے ساتھ پیچھے پیچھے جا رہے تھے عمر نے دیکھا تو دُرّہ چلا دیا اور کہا یہ ذلت ہے

تابع کے لیے اور فتنہ ہے متبوع کے لیے۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص۲۴۲)

تیسرا راوی وہی ابواسحاق سبیعی ہے جس کا تفصیلی تذکرہ کیا جا چکا کہ وہ عمر سعد اور شمر بن ذی الجوشن

ایسے مغضوبوں سے حدیثیں لیا کرتا تھا۔

طریق پنجم۔ بخاری نے امین هذہ الامه والی روایت کو باب المغازی میں پانچویں طریق

سے بھی لکھا اس روایت کے راوی وہی ابوقلابہ اور خالد بن حذاء ہیں جن کی قدح مذکور ہو چکی۔

اخبار الاحاد میں بھی بخاری نے اس امین هذہ الامة والی روایت کو دو طریقوں سے لکھا

مگر ان سب کے راوی وہی ابواسحاق سبیعی خالد بن حذاء اور ابوقلابہ ہیں پھر کیونکر اس کا دعویٰ کیا جا سکتا

ہے پیغمبر خدا نے ابوعبیدہ کو امین هذہ الامه کا خطاب دیا حالانکہ ایک حدیث بھی اہلسنت کے مقررہ

قواعد کے مطابق صحیح نہیں اُتری، صحیح مسلم میں بھی یہی روایت چار طریقوں سے مروی ہے پہلے طریق میں ابوقلابہ

اور خالد بن حذاء کا نام ملتا ہے جنکی قدح مذکور ہو چکی اس کے علاوہ ایک راوی اسمٰعیل بن علیہ بھی

ہیں جن کے بارے میں میزان الاعتدال میں ہے۔

سہیل بن شاذویہ روایت کرتے ہیں میں نے علی بن حزم کو کہتے سنا کہ میں نے وکیع سے کہا ابن علیہ کو میں نے

نبیذ پیتے دیکھا اتنا پیتا تھا کہ گدھے پر لاد دیا جاتا اور محتاج ہوتا کہ کوئی اسکو گھر تک پہونچا دے۔

مسلم کی پہلی روایت یوں غارت ہوئی۔ دوسری روایت کا مدار ثابت بنانی پر ہے جس کے

متعلق تہذیب التہذیب میں ہے قال یحیی القطان اختلط۔ یحیی القطان کہا کرتے کہ سٹھیا گیا

تھا۔ اور اسی طریق میں ایک راوی حماد بن سلمہ ہیں جن کے بارے میں اسی تہذیب میں ساء و تغیر حفظہ بالآخر اس کا حافظہ آخر میں خراب ہو گیا تھا۔

ایک راوی اس کا عمر بن ناقد ہے جسکی علی بن مدینی نے قدح کی ہے اور کہا ہے ھذا کذب لم یروہ یہ صریحی جھوٹ ہے۔

تیسرا طریق بروایت ابواسحاق سبیعی ہے جس کی قدح مذکور ہو چکی۔ چوتھی روایت بھی ابواسحاق سبیعی کی ہے۔

ایک اور روایت اسی مضمون کی حسین بن محمد بغدادی سے مسلم نے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا
ابو عبیدہ امین ھذہ الامۃ ابو عبیدہ اس امت کے امین اور ابن عباس
وان حبر ھذہ الامۃ ابن عباس۔ اس امت کے عالم ہیں۔

اس کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں اور ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں ھذا باطل۔ یہ حدیث قطعی باطل ہے۔

ابتدائے لقب امین ھذہ الامۃ

ان روایات سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ پیغمبر خدا نے ابو عبیدہ کو ہرگز یہ لقب نہیں دیا کیونکہ اسکے متعلق جتنی بھی روایتیں صحیح بخاری صحیح مسلم میں درج ہیں ایک روایت بھی معیار تحقیق پر پوری نہیں اُترتی لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اسکی مزید تحقیق کے لیے دوسرے فریق کی روایات پر بھی نظر کریں۔

علامہ مجلسی کی مشہور تصنیف حیاۃ القلوب جلد ۲ صفحہ ۶۴۷ میں ہو کہ:-

جب آں حضرت جناب امیرؑ کو بمقام غدیر علی الاعلان اپنا خلیفہ و جانشین کر چکے اور فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ تو صحابہ سے ۱۴ آدمیوں نے آپس میں عہد کیا کہ خلافت کو خاندان رسالت میں نہ رہنے دینگے اور ہر شخص اسکا اعلان کرے کہ رسول اللہ نے کسی کو خلیفہ نہیں مقرر کیا اس مضمون کا ایک قرارنامہ لکھا گیا جس کا کاتب سعید بن عاص تھا اور وہ نوشتہ ابوعبیدہؓ کے پاس بطور امانت رکھا گیا جو بعد کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔ رسالتمآبؐ نے اس واقعہ کو سنکر ابو عبیدہؓ سے کہا تمھیں کس چیز سے مثال دی جائے جبکہ تم اس نوشتہ کے امین ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ویل ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کیطرف سے ہے اس سے بہت معمولی قیمت حاصل کرتے ہیں ویل ہو اس چیز کے لیے جسکو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہو اور ویل ہے انکی کمائی پر۔ (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۶۴۷)

چونکہ اس کا التزام ہے کہ روایات شیعہ سے ہم کام نہیں لینگے لہٰذا اصل روایت درج نہیں کی صرف اسکا حوالہ دیدیا کہ معلوم ہو ابو عبیدہ کو امین ھذہ الامۃ جو خطاب دیا گیا وہ اسی نوشتہ کی امانت داری پر دیا

پر دیا گیا ہے۔ تمام عالم کو معلوم ہے کہ کسی امت میں یہ عہدہ کسی کو نہیں دیا گیا توریت و انجیل تمام عالم میں مشہور ہیں اگر یہ کوئی عہدہ ہوتا تو اس کا ذکر ان کتابوں میں یا کتب تواریخ میں ضرور ہوتا مگر واقعہ یہ ہے کہ کہیں نام و نشان بھی اسکا نہیں پھر کیونکر ممکن ہے کہ رسول اللہ فرمائیں ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ ہے۔

اگر ہم اس روایت حیات القلوب کی تصدیق کتب اہل سنت سے کرنا چاہیں تو بہت آسانی سے تصدیق ہو سکتی ہے کیونکہ اصل واقعہ تو یقیناً موجود ہے البتہ نام میں ذرا دشواری ہوگی کیونکہ حضرات اہلسنت نے اُن ناموں کو اڑا دیا ہے بروایت حیات القلوب حسب ذیل حضرات اس معاہدہ میں شریک تھے ابو بکر۔ عثمان۔ طلحہ۔ عبد الرحمان بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابو عبیدہ بن الجراح۔ معاویہ بن ابو سفیان۔ عمرو بن العاص۔ ابو قرشش اشعری۔ مغیرہ بن شعبہ۔ اوس بن حدثان۔ ابو ہریرہ۔ ابو طلحہ انصاری۔

سالم مولیٰ ابی حذیفہ بھی اسکے بعد شریک ہوئے اسکے علاوہ اور بھی چند منافق تھے جنکی تعداد چوبیس ہو گئی تھی[۱۴] ہم بہ نظر اختصار اور باتوں کو ترک کر کے صرف اس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ بقول اہلسنت پیغمبر خدا نے ابو عبیدہ کو امین ھذہ الامۃ کا جو لقب عطا کیا تو واقعات سے کہاں تک اسکی صداقت ثابت ہوتی ہے اور ان سے امانتداری کیسے کیسے مظاہرے ہوئے سب سے پہلے جو واقعہ پیش آیا وہ وفات رسول کا ہے۔ پیغمبر کی رحلت کے بعد جب ابو بکر و عمر سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ ابو عبیدہ بھی تھے۔ حالانکہ اگر یہ فرمودۂ رسولؐ یہ امین ہوتے تو امانتداری کا تقاضا یہ تھا پیغمبر کے جسد اطہر کی حفاظت اسکے احترام میں فرق نہ آنے دیتے اگر بقول اہلسنت یہ لقب خود رسول اللہ نے دیا تھا تو کب ممکن تھا کہ وہ بلا دفن و کفن رسول قصد کرتے کہ سقیفہ میں جاتے اور وہاں سرگرم مجادلہ و مکابرہ ہوتے۔

وہاں پہونچکر حضرت ابو بکر کہتے ہیں عمر یا ابو عبیدہ کی بیعت کر لو۔ مگر نہیں کہتے کہ رسول اللہ نے انکو امین ھذہ الامۃ کا خطاب دیا ہے اگر واقعاً رسولؐ انکو یہ خطاب دیے ہوتے تو اس سے بہتر کوئی موقع اس خطاب کے یاد دلانے کا نہ تھا۔

ایک اور پیچیدگی جس کا یہاں حضرات اہلسنّت کو سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو بکر کے فضائل و مناقب کی بہت سی حدیثیں درج ہیں جس سے انکے استحقاق خلافت پر روشنی پڑتی ہے مگر یہاں سقیفہ میں کسی کو وہ حدیثیں یاد نہیں آتیں بلکہ کہا جاتا ہے تو یہ کہ ابو عبیدہ یا عمر کی بیعت کر لو۔ کوئی نہیں کہتا کہ ابو بکر کے متعلق تو رسول اللہ ایسا ایسا فرما چکے ہیں۔ بہر حال سقیفہ میں نہ تو ابو بکر کے فضائل کی حدیثیں کسی کو یاد آئیں نہ ابو عبیدہ کے متعلق امین ھذہ الامہ کا کوئی حوالہ دیتا ہے اس سے یہ تو یقینی طور پر معلوم ہوا کہ امین ھذہ الامۃ کا خطاب بالکل خانہ ساز ہے اور بعد کی پیداوار

ہے رسول اللہ کی لب و زبان سے اسکو کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا موقع ابو عبیدہ کی امانت داری کے ظاہر ہونے کا اس وقت پیش آتا ہے جبکہ جناب امیرؑ ابو بکر کی بیعت کے لیے طلب کیے جاتے ہیں اور آپ اپنے استحقاق خلافت کو ظاہر کرتے ہیں اور معاملہ طے ہو جاتا ہے ابو بکر کہتے ہیں کہ جب تک سیدہ زندہ ہیں ہم مجبور نہیں کر سکتے مگر ابو عبیدہ کہتے ہیں:۔

اے پسر عم تم ابھی کمسن ہو اور یہ لوگ سن رسیدہ افراد ہیں تم کو ایسا تجربہ اور معرفت نہیں حاصل ہے ابو بکر کو ہم جہاں تک جانتے ہیں تم سے اس امر میں زیادہ قوی ہیں اور قوت تحمل و استطلاع میں وہ بڑھے ہوئے ہیں لہذا اس خلافت کو ان کے حوالے کر دو اگر تم زندہ رہے اور زمانے نے طول کھینچا تو تم بوجہ فضل و دین و فہم و سابقہ نسب و صہر ہر طرح اسکے لائق اور مستحق ہو۔" (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص۱۹)

غور فرمائیے کہ یہ کلام ایمانداری و امانتداری کے مناسب ہے یا نہیں؟ کیونکہ جناب امیرؑ کا استدلال یہ تھا کہ تم نے بوجہ قرابت رسولؐ اس امر کو انصار سے حاصل کیا اور انھوں نے اسی وجہ سے خلافت تم کو دیدیا تو اب دیکھو ہم زیادہ قریبی ہیں یا تم لوگ؟

ابو عبیدہ ان سب باتوں کو تسلیم کرتے ہیں تم میں فضل بھی ہے دین بھی ہے علم بھی ہے سابقہ و قرابت و رشتہ دامادی بھی ہے مگر بوجہ معاہدہ سابقہ یہ رائے دیتے ہیں کہ چونکہ تم کمسن ہو اور یہ لوگ بزرگ ہیں لہذا خلافت انکے حوالے کر دو۔ آخر یہ کس قسم کی امانت داری ہے۔ مقتضائے امانت داری تو یہ تھا کہ ابو عبیدہ یہ کہتے چونکہ رسول اللہ آپ کو خلیفہ کر چکے ہیں لہذا کسی کو مداخلت کا حق نہیں۔ یہ ایمان داری کی تقریر بھی اور اگر نص رسولؐ کو کسی لائق نہ جانتے تھے تو یہی کہتے کہ چونکہ خلافت کا مدار پنچائت پر ہے اور ابو بکر کو خلیفہ مان لیا گیا ہے آپ کو مداخلت کا حق نہیں۔ یہ فیصلہ مقتضائے جنبہ داری کے مطابق ہوتا نہ یہ کہ حقوق تو جناب امیرؑ کے تسلیم کریں اور بات یوں بنائیں کہ یہ بڈھے ہیں لہذا اسی کو مان لو۔

کیا کوئی ایماندار جج ایسا فیصلہ کر سکتا ہے کہ حقدار تو تم ہو مگر اپنے حق سے باز آؤ اب دیکھیے کہ جناب امیرؑ نے اس کا کیا جواب دیا۔ اسی کتاب الامامۃ میں ہے۔

"جناب امیرؑ نے فرمایا اللہ اللہ اے معاشر مہاجرین سلطنت محمدیہ کو ان کے خاندان سے نکال کر عرب کی طرف نہ لیجاؤ۔ (جس سے معلوم ہوا کہ حضرت کو اس کا پورا علم تھا کہ کیا معاہدہ ہو چکا ہے)

پھر فرماتے ہیں:۔

سلطنت محمدیہ کو ان کے خاندان سے نکال کر اپنے گھروں میں نہ لیجاؤ (جس سے معلوم ہوا کہ حضرتؑ جانتے تھے یہ کارروائی خاص اسی غرض سے کی گئی ہے)

حضرتؑ بتصریح فرماتے ہیں کہ:۔

یہ صریح ظلم ہے کہ تم حقداروں کو محروم کر کے اپنے لوگوں میں لیجاتے ہو اور اس درجہ اور شان کو مٹاتے ہو جو ہم لوگوں کو حاصل ہے۔

پھر حضرت فرماتے ہیں کہ:۔

اے گروہ مہاجرین خوب سمجھ لو کہ ہم سب سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ہم اہلبیت ہیں اور سب سے زیادہ اسکے حقدار ہیں

حضرت اس پر ترقی فرماتے ہیں کہ:۔

صرف ہم ہی اسکے حقدار نہیں ہیں بلکہ جب تک ہمارے خاندان میں ایک شخص بھی رہے گا وہ حقدار ہو گا کیونکہ قاری کتاب اللہ فقیہ فی دین اللہ عالم سنن رسول اللہ ہم ہی لوگ ہیں۔ رعیت کے امور کے ہم ہی واقف ہیں جو بلا اُن پر آ سکتی ہے اُسکو دور کرنے والے ہم ہی ہیں۔ ہم لوگ اُن میں حق مساوات قائم رکھ سکتے ہیں۔ تو اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو کہ راہ حق سے گمراہ ہو جاؤ گے۔

دیکھئے حضرت نے کیسی پیشین گوئی فرمائی کہ اگر تم نے اس خلافت کو خاندان رسالت سے نکالا تو وہ برکت جاتی رہے گی جس کا بدیہی نمونہ لوگوں نے چند ہی سال بعد دیکھ لیا کہ خلیفہ دوئم نے اس قاعدہ کو منسوخ کر دیا جو رسول اللہ نے تقسیم بالسویہ کا مقرر کیا تھا۔

اگر حضرت کی اور باتوں میں شک کرتے ہو تو کرو مگر اس میں تو شک نہیں کر سکتے کہ تقسیم بالسویہ کا قانون خلیفہ دوئم نے توڑ دیا اور شخصیت معیار تقسیم قرار دی جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کا وہ زریں اصول کہ ہر شخص مساوی ہے خاک میں ملا دیا گیا ظالم کا ظلم تو ہمیشہ تیز رہتا ہے اب مال کے زیادہ ملنے سے اور بھی اسکی قوت بڑھے گی اور کمزور لوگ کمزور ہوتے جائیں گے۔

اب تم ہی غور کرو کہ رسول اللہ نے اگر امین کا خطاب دیا ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ وہ ایسی تقریق کرتے جو اصول پابندی و دیانت داری کے بالکل خلاف ہے۔

اب ابو عبیدہ نے جناب امیرؑ سے یہ جو کہا کہ تم کو وہ تجربہ نہیں ہے جو ابو بکر کو حاصل ہے تو قابل غور ہے کہ ابو بکر کو کیسا تجربہ حاصل تھا کیونکہ روز اسلام سے تو کوئی کام انھوں نے ایسا کیا نہیں جس جس سے تجربہ کار کہے جا سکتے شروع شروع پیغمبرؐ کو رائے دی کہ اسلام کا اعلان کر دیا جائے پیغمبرؐ کی ممانعت کے باوجود نہ مانے جسکے نتیجہ میں زدوکوب کا سامنا کیا اسکے بعد ہر جنگ میں پیغمبرؐ کو چھوڑ کر جان بچائی پھر تجربہ کہاں سے ہوا جبکہ جناب امیرؑ کا تجربہ ان سے ہر بات میں بڑھا ہوا تھا آپ سات برس ابو بکر سے پہلے اسلام لائے ۳ برس شعب ابو طالب میں رہے جہاں حضرت ابو بکر کو کسی طرح آمد و رفت بھی نصیب نہیں ہوئی پھر جس شخص کا دس سالہ تجربہ زیادہ ہو اسکو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کا تجربہ کم تھا۔

(۲۴۳) عامر بن عبدہ روایت کرتے ہیں کہ:۔

حضرت نے فرمایا بیشک شیطان لوگوں کے پاس آدمی کی صورت میں آتا ہے لوگ فقط اسکی

صورت کو پہچانتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ اُسکا نسب کیا ہے اور لوگوں نے حدیث بیان کرتا ہے۔
پھر لوگ نقل کرتے ہیں کہ ہم سے فلاں شخص نے جس کا یہ نام تھا یہ حدیث بیان کی ہے اور وہ لوگ
نام سے زیادہ اس کا کچھ حال نہیں جانتے جو ذکریں ان کا تذکرہ ابو عمر نے لکھا ہے۔ (ص۱۱)
حضرات اہلسنت کو اس حدیث پر پورا خیال کرنا چاہیئے کیونکہ اکثر روایتیں اُن کی ایسی ہیں کہ
کسی مجہول سے روایت کرتے ہیں۔
اب ہم اس جلد کو یہیں تمام کرتے ہیں کیونکہ اسکے بعد ایسے بعد ایسے نامی گرامی اصحاب کے نام آئیں گے
جن کے تذکرے میں خواہی نخواہی طول ہوگا۔ جس میں عبد اللہ بن عمرو عاص۔ عمرو عاص وغیرہ ایسے
اسماء ہیں جن کے حالات بہت طولانی ہیں۔

یہاں تک صرف چار جلد اسد الغابہ اور تین جلد اصابہ کا خلاصہ کیا گیا ہے اور ایک جلد استیعاب
باقی جلدیں ابھی باقی ہیں مگر اہلسنت کے صحابہ کی ایمانداری اور محبت اولاد رسولؐ کے لئے یہی کافی ہے کہ
واقعہ حرا میں جو اس واقعہ کربلا کے تیسرے سال واقع ہوا جس میں بحکم یزید پلید مدینہ رسول غارت
کیا گیا اور روضۂ رسولؐ کی بیحرمتی ہوئی اس میں کچھ اوپر ستر آدمی قریش سے اور اسی قدر انصار سے مارے گئے
اور چار ہزار سائر ناس سے جو مدینہ کے رہنے والے تھے اور چار پانچ فرزند زید بن ثابت انصاری کاتب
قرآن کے دیکھو کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص
جس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر یہی اشخاص جناب امام حسینؑ کی نصرت کرتے تو یہ نوبت کیوں آتی کہ
حضرت اس بے بسی کے عالم میں شہید کئے گئے۔ تاریخ خمیس میں ہے:۔

وقتل امیر المدینۃ عبد اللہ بن حنظلہ وسبعمائۃ من المہاجرین والانصار
وقتل منہم معقل الاشجعی وعبد اللہ بن زید المازنی مع عبد اللہ بن حنظلہ
الغسیل وھؤلاء من الصحابۃ ودخل مسلم المدینۃ واباحھا ثلثۃ وذلک
فی اٰخر سنۃ ثلاث وستین (ص۳۳۵)

یعنی امیر مدینہ عبد اللہ بن حنظلہ کے ساتھ سات سو مہاجرین و انصار سے قتل ہوئے اور معقل اشجعی اور عبد اللہ
بن یزید ازنی بھی مارے گئے اور یہ سب صحابہ سے تھے۔
اسکے بعد مسلم بن عقبہ داخل مدینہ ہوا اور تین روز تک مدینہ منورہ لوٹا گیا اور یہ واقعہ آخر ۶۳ھ کا ہے۔
اب آپ ہی غور فرمائیے کہ سات سو مہاجرین و انصار تو واقعہ حرا میں مارے جائیں مگر ان میں سے
کسی کو اسکی توفیق نہ ہوئی کہ جناب امام حسینؑ کی مدد کرے تو پھر کیونکر اسکا دعوی کیا جا سکتا ہو کہ صحابہ رسول اللہ
کو اہلبیت رسولؐ سے محبت تھی سب دنیا دار تھے جدھر دنیا کا رخ دیکھا اُدھر جھک پڑے اسی لئے تو قرآن
مجید میں ہے منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاٰخرۃ یعنی کچھ تم لوگوں میں طالب دنیا

ہیں وہ تو ان خلفاء کے ساتھ رہے جو خلافت و حکومت پر فائز ہوئے، اور کچھ لوگ تم سے طالب آخرت ہیں جو اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ رہے۔ وقلیل من عبادی الشکور۔ خداوند عالم فرماتا ہے ہمارے شکر گذار بندے بہت کم ہیں۔

واقعہ حرّا ایسا عظیم الشان واقعہ ہے کہ ہمارے قلم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اسکی تفصیل کر سکے کیونکہ روضہ رسولؐ کے ساتھ وہ بے ادبی کی گئی کہ پناہ بخدا گھوڑے گدھے قبر شریف کے ساتھ بے ادبی کرتے ہزارہا صحابہ کی لڑکیوں کی ازالہ بکارت کی گئی جس سے ہزار اولاد زنا پیدا ہوئی مگر چونکہ خود مسلم بن عقبہ بھی صحابی ہے جس نے اس طرح کی بے ادبی کی لہٰذا کچھ مختصر حال اسکا حوالہ قلم کیا جاتا ہے۔

ثبوت صحابیت کے لیے اصابہ جلد ۳ قسم اول ملاحظہ ہو جس میں ان صحابہ کا ذکر ہوتا ہے جو صحبت رسولؐ سے فائز ہوئے اور حضرت سے حدیث کی روایت کی۔

مسلم بن عقبہ الاشجعی ذکرہ ابن عساکر فی تاریخہ وساق بسندہ من طریق ابراھیم بن امیہ وقال سمعت نوح بن حبیب یقول فیمن روی عن النبیؐ من اشجع مسلم بن عقبہ۔ (ص ۹۵)

یعنی امام ابن عساکر نے اُن لوگوں میں جو قبیلہ اشجع سے تھے اور پیغمبرؐ سے اُنھوں نے حدیثیں روایت کی ہیں مسلم بن عقبہ کا نام بھی لکھا ہے۔

یہی مسلم بن عقبہ ہے جسکو یزید نے امیر لشکر بنا کر غارت مدینہ کے لیے روانہ کیا ابن عساکر کہتے ہیں اس نے حضرت سے ملاقات کی ہے اور جنگ صفین میں معاویہ کے ساتھ تھا اور پیادوں کا سردار تھا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب یزید نے اُس کو امیر لشکر بنایا ہے تو کچھ اوپر نوّے برس کا تھا جس سے واضح ہوا کہ ضرور وہ حضرت کے زمانہ میں کھل کھیلا تھا یعنی ادھیڑ۔

اس مسلم نے قتل و غارت اہل مدینہ میں بڑا ظلم کیا کہ نہ چھوٹے کو چھوڑا نہ بڑے کو اسی وجہ سے اُسکا نام مسرف رکھا گیا اس نے مدینہ منورہ کے قتل و غارت کو تین روز تک مباح کیا کہ لشکر تمام لوٹتا تھا غارت کرتا تھا قتل کرتا تھا زناکاری کرتا تھا تین روز کے بعد امان دی گئی اسکے بعد یزید کی اس طرح بیعت لی کہ وہ غلام ہیں یزید کے جو چاہے وہ کرے اسکے بعد وہ مکہ کے غارت کو روانہ ہوا اور راہ میں واصل بجہنم ہوا۔ (ص ۱۶۱)

اب غور فرمائیے کہ مسلم بن عقبہ صحابی رسولؐ سے حضرت کی صحبت میں پہونچ چکا ہے۔ حدیث کی روایت کر رہا ہے مگر کیسا مسلمان ہے اور کیسا صحابی کہ یزید فاسق فاجر کی خوشامد میں وہ مدینہ جاتا ہے مدینہ لوٹتا ہے روضہ رسولؐ کو بے حرمت کرتا ہے اور پھر مسلمان کہا جاتا ہے۔ پھر اگر ایسے ہی صحابہ نے ترک رفاقت جناب امام حسینؑ کی تو کیونکر تعجب ہو سکتا ہے۔

آہ آہ یزید اسکو خود نہیں روانہ کرتا ہو بلکہ وہ خود اصرار کرتا ہے اور باصرار روانہ ہوتا ہے۔
کتاب الامامۃ والسیاست میں ہے کہ:۔

مسلم قبل روانگی مدینہ بیمار پڑا تو یزید اُسکی عیادت کو آیا اور کہا کہ افسوس تو اس حالت میں ہو اور معاویہ نے وصیت کی تھی کہ تم کو بھیجیں اور تمھاری یہ حالت ہے۔

(ص۱۱ جلد۲)
فقال یا امیر المومنین انشدک اللہ ان لا تحرمنی اجراً ساقہ اللہ الیّ انما انا مرؤ لیس لی باس

تو مسلم نے کہا ہم تمکو قسم خدا کی دیتے ہیں کہ اس اجر سے ہمکو نہ محروم رکھو جو خدا کھینچ کر ہماری طرف لایا ہے ہم بھی مرد ہیں اس طرح کی بیماری ہوتی ہی رہتی ہے کوئی مضائقہ نہیں تم جانے دو۔

کہیئے کیسا ایمان ہے اس مقدس صحابی کا کہ یزید تو بوجہ بیماری روک رہا ہے اور وہ قسم دیکر خود مدینہ جاتا ہے اور اس قتال اہل مدینہ کو وہ اجر قرار دیتا ہے جو خدا کھینچکر اسکی طرف لایا ہے۔

کہیئے اس سے بڑھ کر کیا ایماندار ی ہو سکتی ہے کہ خود رسول کا صحابی مدینہ غارت کرنے جاتا ہے اور اسکو موجب کمال اجر و ثواب جانتا ہے پھر ایسوں کو فرزند رسول کا قتل کرنا کیا دشوار تھا۔

نتیجہ مسلم بن عقبہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسکی معذرت بھی کی ہے کہ ہم صرف بوجہ تقلید ابن عساکر اس نام کو لکھا ہو مگر پھر پردہ داری یوں کرتے ہیں:۔

فعوجل بالموت فمات بالطریق	کہ اس ظلم و ستم کے سبب سے اُس کی موت میں
وذٰلک سنۃ ثلاث وستین۔	جلدی کی گئی چنانچہ وہ مکہ معظمہ کی راہ ہی مر گیا۔

مگر امام قتیبہ اس کی یوں پردہ دری کرگئے ہیں کہ کتاب الامامۃ والسیاست میں ہے

ثم مات مسلم بن عقبۃ فدفن بقفا المشلل وکان ام ولد لیزید بن عبد اللہ بن زمعۃ علی اثرہ فخرجت الیہ فنبشتہ من قبرہ ثم احرقت علیہ النار واخذت اکفانہ فشقتھا وعلقتھا بالشجرۃ فکل من مر علیہ یرمیہ بالحجارۃ (ص۱۵)

یعنی مسلم بن عقبہ راہ میں مکہ و مدینہ کی مر گیا۔ اور **قفا مشلل** میں (مقام کا نام) دفن کیا گیا اسکے پیچھے یزید بن عبد اللہ بن زمعہ کی زوجہ (صحابیہ) آرہی تھی اس نے جاکر اُس قبر کو کھود کر اور اُس لاش کو نکالکر جلایا اور اُسکے کفن کو لیکر چاک کیا اور ایک درخت میں لٹکا دیا تو جو شخص اُدھر سے گذرتا اُس پر پتھر مارتا۔

اور تاریخ خمیس میں ہے:

ثم نبش وصلب ھناک وکان یرمی کما یرمی قبر ابی رغال دلیل ابرھہ المدفون بالمعمس والمشلل علی ثلاثۃ من قدید (ص۲۲۲)

یعنی اس کی لاش نکالی گئی اور سولی دی گئی اور لوگ اس پر اسی طرح پتھر مارتے تھے جس طرح قبر ابی رغال پر مارتے تھے اور وہ دلیل (راہ نما) تھا ابرھہ جو ہاتھی لیکر خانہ کعبہ گرانے آیا تھا اور مدفون ہے معمس میں اور مشلل تین میل پر ہے قدید سے۔

اب ہم اس بحث کو یہیں تمام کرتے ہیں کیونکہ اس مسلم بن عقبہ کی ماتحتی میں دو صحابی اور تھے ایک روح بن زنباع جس کا حال مذکور ہو چکا اور دوسرا حصین بن نمیر سکونی کہ وہ بھی صحابی ہے چنانچہ اسی تاریخ خمیس میں ہے۔

فلما بلغ ذالك يزيد ندب لهم الحصين بن نمير السكوني وروح بن زنباع الجذامي وضم الى كل واحد جيشا واستعمل على الجميع مسلم بن عقبة المري وجعله امير الامراء (ص ۲۲۷)

یعنی یزید کو جب خبر مخالفت اہل مدینہ پہونچی تو حصین بن نمیر سکونی اور روح بن زنباع کو سردار لشکر مقرر کیا اور سب کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ کو بنایا۔

مسلم بن عقبہ نے جب مدینہ کو بحکم یزید غارت کیا ہو کہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں ہے۔

ان مسلما لما فرغ من القتال بعث برؤس اهل المدينة الى يزيد فالقيت بين يديه فجعل يتمثل بقول ابن الزبعرى يوم احد ؎

ليت اشياخي ببدر شهدوا جزع الخزرج من وقع الاسل
لاهلوا واستهلوا فرحا وقالوا يا يزيد لا تشل

یعنی مسلم نے قتل اہل مدینہ کے بعد انکے سروں کو یزید کے پاس بھیجا جب وہ سر اسکے سامنے ڈالے گئے تو اس نے ابن الزبعری کے یہ اشعار پڑھے کہ کاش ہمارے جو بزرگ بروز بدر مارے گئے وہ دیکھتے کہ کس طرح ہم نے انتقام لیا ہے تو وہ مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے۔

دیکھئے یہ وہی اشعار ہیں جو یزید نے بعد شہادت امام حسینؑ سر مبارک کو دیکھ کر پڑھے تھے وہی اشعار آج پھر پڑھ رہا ہے کیونکہ اہل مدینہ ہی کی نصرت سے جناب رسالت مآبؐ نے جنگ بدر کو فتح کیا تھا مگر اب بھی اہلسنت کو ایمان یزید میں کسی طرح کا عذر ہی نہیں۔

مسلم بن عقبہ کی شقاوت یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ امام زین العابدینؑ کو جب مدینہ منورہ بلایا ہے اور چونکہ امامؑ نے مروان وغیرہ کو پناہ دی تھی اسلئے مروان وعبدالملک آپکے ساتھ تھے آپکی عزت و احترام میں فرق نہ آئے جب حضرت وہاں آکر بیٹھے تو پانی پینے کو طلب کیا۔

قال لهم مسلم لا تشرب من شرابنا فارتعد كفه ولم يامنه على نفسه و امسك القدح۔ (ص ۲ جلد ۴ کامل)

یعنی پانی کا پیالہ حضرتؑ نے ہاتھ میں لیا تو مسلم نے کہا ہمارا پانی نہ پیو جس سے حضرتؑ کا ہاتھ کانپنے لگا اور خوف ہوا کہ اب جان کی خیر نہیں ہے پیالہ ہاتھ میں لئے رہ گئے۔

اس کے بعد مسلم نے کہا چونکہ یزید نے ہم کو حکم دیا ہے کہ آپ سے تعرض نہ کریں لہذا ہم چھوڑ دیتے ہیں آپ

چاہئے تو پانی پی لیجئے۔

اس کے بعد اپنے سر پر پٹھالیا پھر کہا آپ کے اہل و عیال خائف ہونگے لہذا اگر چاہیئے تو تشریف لے جائیے چنانچہ سواری پر زین کسوا کر حضرتؑ کو با احترام رخصت کیا اور حضرت دولتسرا پر تشریف لائے۔

جن مقتولین کی فہرست دی گئی ہے اُس میں زبیر بن عبد الرحمان بن عوف بھی شامل ہے جو اس واقعہ حرہ میں مارا گیا مگر اتنا ایمان نہ تھا کہ جناب امام حسینؑ کے ساتھ شریک معرکہ کربلا ہوتا۔

غرض ان واقعات کو دیکھئے اور غور فرمائیے۔ پھر کیونکر اس میں شبہہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی دنیا میں جو فساد ہوا خواہ احراق خانۂ جناب سیدہؑ ہو۔ خواہ قتل جناب امیرؑ۔ خواہ زہر خورانی جناب امام حسنؑ خواہ شہادت جناب امام حسینؑ خواہ قتل و غارت مدینہ و خانہ کعبہ سب کا سہرہ صحابہ کے سر ہے جس سے اہل اسلام اس نکبت و فلاکت میں مبتلا ہیں کہ تمام جہان میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اور جب تک حق کی طرف رجوع نہ کریں گے اس میں مبتلا رہیں گے اسی لئے حضرتؐ نے تمامی اہل دنیا کو اسکی بشارت دی ہے کہ بارہویں امام حضرت مہدی علیہ السلام کا جب ظہور ہوگا تو یہ سب فسادات مٹیں گے اور دنیا میں اسلام ہی اسلام ہر طرف نظر آئیگا۔

واٰخر دعوینا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی سید المرسلین محمد و اٰلہ الطاہرین علیہم السلام من یومنا ھذا الیٰ یوم الدین۔

نوٹ:۔ اگر خدا نے توفیق دی تو اسکے بعد ایسے ایسے صحابہ کے حالات ظاہر ہونگے اکثر لوگوں نے سنے ہوں گے امید کہ مومنین دعا فرمائینگے۔ والسلام

تمـــــــــام

تشکر و امتنان

جناب سلطان محمد موسیٰ صاحب قبلہ صدر الافاضل ابن جناب ملا محمد باقر صاحب مرحوم بانی انجمن معین الزائرین ممبئی اور مومنین افریقہ لائق صد تشکر و امتنان ہیں کہ محض انھیں حضرات کی توجہ و عنایت سے کتاب الآل والاصحاب حصہ دوم مکمل شائع ہوئی۔

جناب محمد علی راشد علی لیماپریسیڈنٹ خوجہ اثنا عشری جماعت لنڈی نے ۵۰ شلنگ (۲) مسٹر عبد الرسول حاجی جمہ نے ۵۰ شلنگ (۳) جناب اکبر علی صاحب مالک جمہوری ہوٹل نے ۵۰ شلنگ (۴) جناب یوسف علی عبد اللہ پیر محمد نے ۵۰ شلنگ (۵) جناب تقی علی صاحب نے ۲۵ شلنگ (۶) جناب احمد بھائی بندہ علی نے ۵۰ شلنگ (۷) جناب غلام عباس صاحب نے برائے ایصال ثواب والدین ۵۰ شلنگ (۸) جناب رمضان علی دھن جی نے ۵۰ شلنگ (۹) جناب قاسم علی مرار رینا نے ۲۵ شلنگ (۱۰) جناب پیار علی حاجی اسماعیل نے ۱۵ شلنگ (۱۱) جناب رجب علی گانگ جی نے ۲۵ شلنگ (۱۲) جناب محمد حسین حبیب صاحب نے ۵۰ شلنگ (۱۳) جناب قاسم علی فدا حسین مرزا نے ۵۰ شلنگ (۱۴) جناب حسن علی مساسی والے نے ۲۰ شلنگ (۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸) مٹوا ما کے چار مومنین نے بذریعہ پیار علی حاجی اسماعیل ۷۰ شلنگ (۱۹) جناب حسن علی لدھا نے ۲۰ شلنگ (۲۰) جناب حیدر علی عبد الحسین معنگوے نے ۱۰ شلنگ (۲۱) جناب راشد بھائی جیان محمد معنگوے نے ۵ شلنگ (۲۲) جناب احمد خاکی صاحب معنگوے نے ۲۵ شلنگ (۲۳) جناب حاجی حسن علی مہدی برادران معنگوے نے ۱۲ شلنگ مرحمت فرمائے۔

فجزاھم اللہ عنا خیر الجزاء